عروسہ
زبیدہ خاتون
(بنت اے۔آر۔خاتون)

عروسہ

"ARUSA"

By

ZUBEDA KHATOON

D/O

A. R. KHATOON

Price Rs. 55/=

زبیدہ خاتون

بنت

اے۔آر۔خاتون

سنِ اشاعت 1990

پبلشرز

ہمانشو پبلیکیشنز

ایف۔او۔ 6۔ یتیم پورہ

دہلی نمبر 110034

سول ایجنٹ:۔ آہلووالیہ بک ڈپو

9988/6 ــــ نیو روہتک روڈ

سرائے روہیلا

نئی دہلی 110005

عروسہ

زبیدہ خاتون
بنت
اے۔آر خاتون

انتساب :-

والدہ کے نام

ہمارا تو اب اس گھر میں رہنا مشکل ہوگیا ہے۔ آپا جان نے کہا ہی کیا تھا۔ جس کا بھائی جان نے بتنگڑ بنا دیا۔

حسینہ بیگم تخت پر بیٹھتے ہوئے اپنی بڑی بہن نعیمہ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔ نعیمہ بیگم نے اپنے چنے ہوئے دوپٹہ کے آنچل سے منھ صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔ کیا کہوں بھائی کو تو میرا بولنا ناگوار گذرتا ہے۔ میرے منھ سے تو صرف اتنا نکلا تھا کہ عارفہ بن ماں کی بچی ہے۔ اُسے تم برا بھلا نہ کہا کرو۔ میں نے تو اسی وجہ سے اپنے منھ میں قفل ڈال لیا ہے۔ لیکن بعض وقت ایک آدھ بات زبان سے نکل جاتی ہے۔

انجم جہاں ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی دونوں بہنوں کی باتیں سُن رہی تھیں۔ ان سے نہ رہا گیا۔ اور انہوں نے اپنی صفائی پیش کی۔

آپا جان میں نے تو آپ کو کچھ بھی نہیں کہا تھا جو آپ ناراض ہو گئی ہیں۔ میری خود یہ عادت نہیں ہے کہ بڑوں کو جواب دوں۔

Scanned by CamScanner

نعیمہ بیگم نے قہر آلود نظریں ان پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

اے بھابی! ابھی کچھ اور کہنے کی بھی گنجائش باقی ہے؟ کیا کیا باتیں تم نے مجھے نہیں سنائیں۔ سمجھتی ہو تا کہ بیوہ لاوارث ہے میرے میاں کے ٹکڑوں پر پڑی ہے۔ اسی لئے جو چاہتی ہو سنا لیتی ہو۔

انجم جہاں نے انکار میں گردن ہلا کر جواب دیا۔

نہیں آپا میں بھلا ایسا کیوں سمجھنے لگی آپ کے بھائی کا گھر ہے۔ آپ خواہ مخواہ کی باتیں سوچ لیتی ہیں۔ اس وہم کا علاج ہی کیا ہے۔

حسینہ بیگم تنک کر بولیں۔ ہاں بھابی صاف صاف کیوں نہیں کہتیں کہ ہماری عقلیں ہی ایسی ہیں کہو نا کہ تم لوگ جاہل ہو، بیوقوف ہو مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم عارفہ پر جس قدر چاہو ظلم کرو اور ہم بیٹھے خاموش دیکھتے رہیں؟

انجم جہاں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ عارفہ کو صبح ٹھنڈے پانی میں کھیلنے سے بیشک میں نے منع کیا تھا کہ سردی کے دن ہیں بیمار پڑ جائے گی۔ اس کے علاوہ میں نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ اتنی سی بات پر وہ رونے لگی۔

نعیمہ بیگم بھڑک کر بولیں۔

اے بھابی خدا کا غضب ہے تم اللہ سے ڈرو مجھے نہیں خبر تھی کہ تم بات کہہ کر اتنی جلدی مکر جاتی ہو۔ اب سارا الزام میرے اوپر رکھ دو مجھ بیکس کو جو چاہو کہہ لو۔ تمہارے آگے لونڈیوں کی طرح کام دھندا کرتی پھرتی ہوں۔ میری اوقات ہی تمہارے ہاں کیا رہ گئی ہے۔ خدا کسی

کا سہاگ نہ لوٹے۔

یہ کہہ کر نعیمہ بیگم نے گھٹنوں میں منہ چھپا کر شانے اچھال اچھال کر چہکوں پہکوں رونا شروع کر دیا۔ حسینہ بیگم غصہ سے بولیں۔

آپا جان آپ کیوں رو کر اپنی جان ہلکان کرتی ہیں، خدا رکھے ابھی تو اماں کا سایہ ہمارے سروں پر قائم ہے کیا آپ کسی کی محتاج ہیں؟۔

نعیمہ بیگم نے اور زیادہ سسکیاں لینی شروع کر دیں۔ اور ایسے زور شور سے ناک صاف کرنے لگیں کہ ان کی اماں بھی کمرے سے نماز کی چوکی پر سے اٹھ کر آ گئیں۔ ان کا سفید بگلہ جیسا سر رعشہ کی وجہ سے ایک تو خود ہی ہلتا تھا پھر غصہ کے مارے اور بھی جھٹکولے کھانے لگا۔ انہوں نے اپنا انگوٹھیوں سے بھرا ہاتھ ماتھے پر مارتے ہوئے کہا۔

بولیں، اب بہو بیگم اس بیچاری نعیمہ کے پیچھے پڑ گئیں۔ اس غریب کا اب دنیا میں رہا ہی کیا ہے اسکا کیا زور ہے کہہ تو چکی ہے یہ معلوم نہ تھا کہ لونڈیوں کی طرح بھاوج کی خدمت کریگی اور جوتیاں کھانے کی اسی دن کیلئے بھائی کی تمنا ہوتی ہے؟۔

یہ کہہ کر وہ نعیمہ بیگم کے پاس جا بیٹھیں جو برابر روئے جا رہی تھیں اور ناک پہ ناک صاف کر رہی تھیں، گھر کے نوکر چاکر بھی آ کر تماشہ دیکھنے لگے تھے۔

انجم جہاں سر جھکائے خاموش چوروں کی طرح بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کا دل دھڑک رہا تھا وہ ڈر رہی تھیں کہ دیکھئے یہ طوفان کیا صورت اختیار کرتا ہے توفیق احمد تو معلوم نہیں کیا قیامت برپا کریں گے۔ وہ تو پہلے ہی ان کی صورت سے بیزار ہو چکے تھے۔ انہوں نے بات ٹالنے کی

بہت کوشش کی مگر اب حسینہ بیگم بھی ایک کونے میں بیٹھی ٹسر ٹسر آنسو بہا رہی تھیں۔ ساس غصہ میں بھری ہوئی انجم جہاں کو ہزاروں صلواتیں سنا رہی تھیں۔

تم کون ہوتی ہو میری لڑکیوں کو کچھ کہنے والی۔ کیا توفیق میاں نے اسی دن کے لئے تم سے بیاہ کیا تھا۔ کہ تم ان کی بہنوں کو جوتیاں مارو۔

انجم جہاں نے آہستہ سے جواب دیا۔

اماں جان میں نے کچھ بھی تو آپا جان کو نہیں کہا . . . . .

وہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھیں کہ ساس پھر بھڑکیں۔

تو تمہارا مطلب ہے کہ نعیمہ جھوٹ بولتی ہے۔ ہاں بہو رانی جو چاہو کہہ لو۔ وہ غریب تو مجبور ہے تمہاری جوتیاں سیدھی نہ کریگی تو ٹکڑا کہاں سے کھائے گی۔ توفیق تو ایسے سیدھے ہیں کہ انھیں کچھ خبر ہی نہیں خدا نہ کرے جو کوئی گھر کا مرد ایسا ہو جائے بیوی بیگم جو چاہیں کر ڈالیں انھیں بولنے کا کوئی حق ہی نہیں۔

حسینہ بیگم آنکھیں پونچھتی ہوئی بولیں۔ معلوم ہوتا ہے کھائی جان کو تو اُلّو کا گوشت کھلا دیا ہے جب ہی تو ان کی زبان بند ہو گئی ہے بولتے ہی نہیں۔

انجم جہاں نے کچھ جل کر کہا۔ ہمارے ہاں اس قسم کی تعلیم نہیں دی جاتی کہ کسی کو اُلّو کا گوشت کھلائیں۔

حسینہ بیگم نے چڑ کر جواب دیا۔ جی ہاں سب معلوم ہے آپ کے ہاں کس قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہم جانتے ہیں آپ کے ہاں تعلیم کے بہانے وہ کچھ ہوتا ہے کہ بس۔ میری زبان نہ کھلوایئے۔

انجم جہاں نے جواب دیا۔ خیر یہ تو اپنا اپنا خیال ہے توہم کے بارے میں...

وہ اتنی قدر کہنے پائی تھیں کہ توفیق احمد جہاندار جن کی عمر چالیس سے کچھ اونچی ہی تھی۔ برابر کے کمرے میں تیز قدموں سے آئے ان کی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔ چہرے سے غیظ و غضب برس رہا تھا۔ انہوں نے آتے ہی اپنی بیوی انجم جہاں کو مخاطب کرکے کہا۔

چلئے اٹھئے میں اب یہ روز روز کی جھک جھک برداشت نہیں کر سکتا آپ اس لائق نہیں ہیں کہ بڑی بن کر سب کے ساتھ مل جل کر رہیں آپ کو اپنی قابلیت اور تعلیم پر بہت ناز ہے مگر میں بھی اپنی ماں بہنوں کی بے عزتی برداشت نہیں کر سکتا۔ شہر میں میرا ایک مکان خالی ہے بہتر ہے کہ آپ علیحدہ جاکر وہاں رہیں۔

یہ سن کر انجم جہاں دھک سے رہ گئیں۔ چہرہ کا رنگ فق ہو گیا۔ انھیں گمان بھی نہ تھا کہ میاں اس طرح سب نوکروں چاکروں کے سامنے انھیں ذلیل و خوار کرکے گھر سے نکل جانے کو ایسی آسانی سے کہہ دیں گے وہ تھوڑی دیر تک حیرت زدہ سی ہوکر انھیں دیکھنے لگیں۔ نعیمہ بیگم نے کچھ سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

نہیں بھیا تم میری وجہ سے اپنا گھر کیوں برباد کرتے ہو۔ میں ہی منحوس کہیں اپنا منہ کالا کر جاؤں گی۔

توفیق احمد نے سختی سے کہا۔ نہیں آپ لوگوں کو کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ان کو میں اب دوسرے مکان میں رکھوں گا۔ ورنہ میں زندہ نہیں رہ سکتا تنگ آگیا ہوں اس ماحول اور جھگڑوں سے۔ بعض وقت تو خودکشی کر لینے کو جی چاہتا ہے اگر یہ یہاں نہیں ترمیں واقعی

خودکشی کرلوں گا ۔ یہ میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے ۔

ان کے منہ سے یہ الفاظ سنکر دونوں بہنیں دوڑ کر توفیق احمد سے لپٹ گئیں، اور ایک زبان ہو کر بولیں ۔ اے خدا نہ کرے ۔ بھیا ایسی باتیں کیوں کرتے ہو ۔ خودکشی کریں تمہارے دشمن ۔ تمہیں رحم نہیں آتا ۔ تمہارے بغیر ہم زندہ رہ سکتے ہیں تمہارے ہی سہارے ہماری زندگی گذر رہی ہے ۔"

انجم جہاں بت کی طرح خاموش بیٹھی ہوئی خوفزدہ نگاہوں سے توفیق احمد کو دیکھ رہی تھیں ۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے ۔

توفیق احمد کی اماں نے اپنے کپکپاتے ہوئے سر کو جھٹکے کے ساتھ جنبش دیکر کہا ۔

" اے بیٹا یہاں تو روز ہی ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں ۔ تم جاؤ اپنا کام کرو کیوں خواہ مخواہ اپنے دل کو برا کرتے ہو ۔"

مگر توفیق احمد تو اپنے دل میں کچھ اور ہی ٹھان چکے تھے انہوں نے سختی سے پھر کہا ۔" نہیں اماں جان! اب یہ ایک منٹ بھی نہیں رہ سکتیں میں نے انہیں الگ رکھنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے ۔ ان کو گذارے کے لئے ہر مہینہ روپیہ ملتا رہے گا ۔ آپ لوگ دخل نہ دیں ۔ میں اب کوئی حیل و حجت نہیں سنوں گا ۔ چھ سات سال سے میں برداشت کرتا چلا آرہا ہوں ۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تعلیم یافتہ ہو کر یہ عارفہ سے سوتیلے پن کا سلوک کریں گی ۔ میں اس کے ساتھ ان کی دشمنی نہیں برداشت کر سکتا افسوس ایسے بڑی غلطی کی مجھے دوبارہ شادی ہی نہیں کرنی چاہئے تھی ۔

اماں نے سر ہلا کر ناصحت کے لہجہ میں کہا ۔" دوسری شادی تو دنیا کے مرد کرتے ہیں ۔ بیوی کے مرنے کے بعد کون رنڈوا رہتا ہے ۔ مگر قسمت

ہی میں جب ایسا لکھا ہو تو اس کو آگے کیا ہو سکتا ہے۔

توفیق احمد نے آگے بڑھ کر انجم جہاں کا ہاتھ پکڑ کر کرسی سے اٹھایا بلکہ وہ خود ہی جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ انھوں نے سوچا۔

" اپنی عزت اور شرافت اسی میں ہے کہ اس وقت جو کچھ توفیق احمد کر رہے ہیں انھیں کر لینے دو۔ ممکن ہے بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہو۔" ننھی عروسہ جو پہلے ہی ماں کی کرسی پکڑے سہمی ہوئی کھڑی تھی اب ماں سے چمٹ گئی۔

توفیق احمد بیوی کو ساتھ لیکر باہر آئے۔ پورچ میں موٹر کھڑی تھی۔ انہوں نے دروازہ کھول کر انجم جہاں سے اس میں بیٹھنے کو کہا۔ انجم جہاں نے موٹر میں بیٹھ کر عروسہ کیطرف ہاتھ بڑھا دیئے۔ اور عروسہ جلدی سے موٹر میں بیٹھنے کیلئے آگے بڑھی۔ مگر توفیق احمد نے اس کو اپنی طرف کھینچ لیا وہ بہت بلکی، بہت مچلی۔ لیکن توفیق احمد نے اس کو اپنے پیچھے کھڑے ہوئے کلو کے حوالے کیا۔ جو اس کو بہلاتا ہوا دوسری طرف لیکر چلا گیا۔ مالک کے سامنے وہ کیا بول سکتا تھا۔

انجم جہاں کا دل عروسہ کیلئے تڑپ کر رہ گیا۔ ان کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے۔ لیکن توفیق احمد نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی اور کہا۔

" میں نہیں چاہتا کہ عروسہ تمہاری تربیت میں پلے۔ تمہارا ماحول اختیار کرے جہاں ایک لڑکی پرورش پا رہی ہے۔ اسی طرح دوسری بھی پل جائے گی اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ تم سے علیحدہ رہے۔"

یہ سنکر انجم جہاں کی قوت گویائی سلب ہو گئی ان کی زبان سے ایک لفظ نہ نکل سکا۔ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ مگر توفیق احمد کا

دل نہ پسیجا ۔ انہوں نے ڈرائیور کو موٹر چلانے کا حکم دے دیا ۔
عروسہ اگرچہ ابھی بالکل ہی بچہ تھی ۔ بہت معصوم اور بھولی بھالی ۔ مگر اس کا دل دادی پھوپھیوں سے بالکل نہ ملتا تھا ۔ بچہ سب سے زیادہ خلوص اور ہمدردیوں کو پہچانتا ہے ۔ وہ اسی سے مانوس ہوتا ہے جس کے دل میں اس کی محبت ہو ۔ ہمدردی ہو ۔ اس کے برعکس عروسہ کی دادی اور پھوپھیاں اس کی ہر بات پر نام رکھتی تھیں ۔ اسے خواہ مخواہ گھرکتی تھیں ۔ موقعہ پاکر گوشمالی کرنے سے بھی نہیں چوکتی تھیں ۔ اور بغیر طعنے تشنے کے اس سے بات نہ کرتی تھیں ۔ کیونکہ وہ انجم جہاں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی اور ...
انجم جہاں اس گھر کی بہو تھیں وہ بھی غیر خاندان ۔ اس کے علاوہ وہ بہت زیادہ مالدار گھرانے کی نہ تھیں ۔ بلکہ متوسط طبقہ سے تعلق رکھتی تھیں ۔ ماں کو یہ گوارا نہ ہوا کہ ان کا بیٹا کبھی اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی وقت گزارے اور بہنیں یہ نہ چاہتی تھیں کہ بھائی بھاوج میں محبت ہو ۔ ان کے تعلقات خوشگوار ہوں ۔ وہ اپنے اور بھائی کی محبت کے درمیان کسی تیسری ہستی کی شرکت برداشت نہیں کر سکتی تھیں ۔
شادی سے پہلے ماں کا دل بھی ارمانوں سے بھرپور تھا انہیں آرزو تھی کہ وہ کون سا دن ہوگا جب بیٹے کا گھر بچوں سے آباد ہوگا ۔ اور بہنیں دن رات چاند سی بھاوج لانے کی فکر میں رہتی تھیں ۔ مگر نکاح کے دو بول ہوتے ہی بجلی کی سی سرعت کے ساتھ بازی پلٹ گئی ۔ انجم جہاں نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ سب کے دل سکڑ سکڑ کر چھوٹے پڑنے لگے ۔ ماں بہنوں کے ارمانوں پر آپ ہی آپ جیسے اوس پڑ گئی ۔ وہ اس کی جھکی ہوئی گردن اور گھونگھٹ ہی کو اعتراض بھری نظروں سے دیکھنے لگیں ۔ اور اس

سے کھنچی کھنچی رہنے لگیں۔ جیسے وہ کوئی زہریلی ناگن ہو کہ قریب جاتے ہی ڈس لے گی۔

※

عروسہ سوتے سوتے چونک پڑی۔ جیسے اس نے کوئی بڑا ہی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو۔ وہ اندھیرے میں اپنے بستر سے اٹھی اور ماں کی خالی مسہری پر پہونچی۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ شام گذرا ہوا واقعہ اس کی آنکھوں میں پھر گیا۔ اس کا ننھا سا دل کسی گمنام خوف سے لرز گیا وہ تڑپ اٹھی۔ اور بے اختیار ہو کر مسہری کی پٹی پر سر رکھ کر بلک بلک کر رونے لگی۔ رات کے سناٹے میں اس کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگیں۔ یکایک آیا کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل عروسہ کی سسکیاں سنکر کانپ اٹھا۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر عروسہ کو چمٹا لیا۔ اور بہلا پھسلا کر اس کو سلانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کو جھوٹی تسلیاں دیں کہ صبح ضرور اس کی امی جان واپس آجائیں گی۔ عروسہ مطمئن ہو کر آیا سے چمٹ کر سو گئی۔

صبح اٹھ کر اس نے سب سے پہلا سوال یہی کیا۔

"آیا میری امی جان کب آئیں گی؟"

آیا نے جواب دیا۔

"بی بی جلدی آجائیں گی۔ آپ ناشتہ کر کے باغ میں جا کر کھیلئے۔"

یہ جواب سن کر عروسہ کا دل بیٹھنے لگا۔ اس نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں آیا تم مجھے میری امی کے پاس پہونچا دو۔ میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

آیا نے بڑی مشکل سے اس کو ناشتہ کروا کے باغ میں کھیلنے کے لئے بھیج دیا۔

یہاں پہلے ہی عارفہ، فرحت، آفتاب اور روح افزا آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ جب عروسہ وہاں پہونچی تو عارفہ جس کی عمر دس سال سے زیادہ ہی تھی۔ اس کو دیکھ کر بڑے فاتحانہ انداز سے بولی۔

"عروسہ تمہاری امی چلی گیئں۔ اب وہ واپس نہیں آیئں گی۔"

عروسہ کی بڑی بڑی شربتی آنکھیں یہ سن پوری کھل گیئں۔ اور اس نے کہا۔ "نہیں آپا کہتی ہے کہ امی جان جلدی سے آجایئں گی۔"

عارفہ نے مسکراکر ایسے کہا۔ جیسے وہ تمام حالات اور کوئی بہت خفیہ راز جانتی ہو۔

"ارے تم اس قدر بیوقوفی کی باتیں کیوں کرتی ہو۔ میں کہتی ہوں اب وہ نہیں آیئں گی۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟"

عروسہ کا خوبصورت گڑیا جیسا منھ سُرخ ہوگیا۔ اس نے اپنے الفاظ پھر دہرا کر کہا۔ "عارفہ آپا تم غلط کہتی ہو۔ امی جان ضرور واپس آجایئں گی۔"

عارفہ نے آنکھیں مٹکا کر جواب دیا۔ نہیں اب وہ نہیں آیئں گی۔ تم دیکھ لینا۔"

عروسہ نے بھی اس کی نقل اتاری۔ "وہ ضرور آیئں گی تم دیکھ لینا۔"

عارفہ نے مسکرا کر فرحت کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دیکھو فرحت! کس قدر بیوقوف لڑکی ہے یہ، سمجھا رہی ہوں۔ مگر یہ سمجھتی نہیں۔ اور کہے جا رہی ہے۔"

آفتاب اتنا سمجھ نہیں سکا۔ روح افزا نے تالیاں بجا کر کہا۔

"آہا ہا! عروسہ کی امی چلی گیئں۔ اب ہم اس کو خوب ماریں گے۔"

عارفہ ہنس کر بولی۔ "ہاں یہ لڑکی اسی لائق ہے۔ دیکھو تو فرحت اس کو ہماری بات کا یقین نہیں آتا۔"

فرحت جواب تک بالکل خاموش کھڑا ہوا سب کی باتیں سن رہا تھا۔ افسردگی سے بولا۔ بھئی تم لوگ ایسی باتیں نہ کرو۔ نہیں تو عروسہ رونے لگے گی۔ وہ بہت چھوٹی ہے اور ہم لوگ بڑے ہیں۔"

عارفہ نے لاپرواہی سے کہا۔" اس سے کیا ہوتا ہے۔ رو دے گی تو ہم کیا کریں۔ فرحت تم عجیب آدمی ہو اس کی طرفداری کیوں کرتے ہو؟"

فرحت نے ذرا بگڑ کر جواب دیا۔

" پھر تم ایسی باتیں کیوں کرتی ہو۔ دیکھو عروسہ بیچاری چپکی کھڑی ہے۔"

عارفہ منہ پھلا کر بولی۔" فرحت تم نہیں جانتے۔ عروسہ کی امی کیسی ہیں میں تو دادی اماں اور پھوپھی اماں سے سب باتیں سنتی ہوں نا جب ہی تو کل شام کو ابا جان نے انھیں نکال دیا۔ اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گی میں کوئی جھوٹ کہتی ہوں پوچھ لو دادی اماں سے۔

فرحت نے سوچتے ہوئے کہا۔ پھر عروسہ کو کیوں یہاں رکھ لیا اس کو بھی بھیج دیا ہوتا۔ یہ اپنی امی کو یاد کرتی ہوگی۔"

عارفہ نے تجربہ کارانہ طریقہ سے کہا۔

" اس کو کیوں نہیں بھیج دیا جاتا۔ یہ بھی ان کے ساتھ رہ کر خراب ہوجاتی اب اس کی عادتیں تو پھوپھی اماں مار مار کر ٹھیک کریں گی۔"

فرحت نے پھر عروسہ کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔

تمہاری عادتیں بھی تو خراب ہیں تم بھی تو بہت ضد کرتی ہو۔ تم کو پھوپھی اماں کیوں نہیں مارتیں؟"

یہ سن کر عارفہ بگڑ پڑی۔

جاؤ فرحت میں تم سے نہیں بولتی۔ چلے جاؤ تم اپنے گھر۔ ہم سے کھیلنے

آتے ہو یا لڑنے ؟ ۔ تمہیں شرم نہیں آتی ۔ عروسہ کی طرفداری کرتے ہو ۔ جاؤ میں تم سے شادی نہیں کروں گی ۔ تم ابھی چڑیل عروسہ سے کرلینا ۔

یہ کہہ کر وہ ٹانگیں پھیلا کر زمین پر بیٹھ گئی ۔ اور خوب چیخ چیخ کر رونا شروع کردیا ۔ فرحت بہت پریشان ہوا ڈرتے ڈرتے اس کے پاس پہنچا اور بولا ۔

عارفہ تم بالکل چھوٹے بچوں کی سی باتیں کرتی ہو ۔ میں اب عروسہ سے بات بھی نہیں کروں گا ۔ وہ مجھے بالکل اچھی معلوم نہیں ہوتی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے ۔ جیسے کسی دکان سے بڑی گڑیا آکر کھڑی ہوگئی ہے ۔

یہ کہہ کر وہ عارفہ کے گلے میں باہیں ڈال کر اس کو منانے لگا ۔ مگر عارفہ پر غصہ کا بھوت سوار تھا ۔ اس نے فرحت کے بال اور منھ نوچ ڈالا ۔ اس کو خوب مارا ۔ مگر فرحت نے ذرا بھی مدافعت نہ کی ۔

عروسہ کھڑی حیرت سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھی ۔ اس وقت اسے ماں کا بھی خیال نہیں رہا ۔ وہ عارفہ سے بولی ۔

عارفہ آپا تم بے چارے فرحت بھائی کو کیوں مار رہی ہو ؟

" لیکن عارفہ اپنی کارروائی میں بڑی مستعدی سے مصروف تھی ۔ اس نے سنا ہی نہیں ۔ آفتاب نے آگے بڑھ کر عروسہ کو جھڑکا :

چپ رہو عروسہ تمہیں شرم نہیں آتی بڑوں کی بات میں بولتی ہو ؟

عروسہ نے جواب دیا ۔

" آفتاب بھائی میں تم سے نہیں بولتی ۔ کل میں نے تم سے کٹی کردی تھی تم نے کل مجھے مارا تھا ۔ تم بہت برے ہو ۔

آفتاب نے غصہ سے دانت پیس کر کہا ۔

" تو خود ہی بری ہے ۔ میں کیوں برا ہونے لگا "

عروسہ جل کر بولی ۔" تم کو بولنا بھی تو نہیں آتا شرم نہیں آتی "تو" کہتے ہو۔ یہ سنکر آفتاب نے ایک طمانچہ عروسہ کے منھ پر پھر جڑ دیا۔ عروسہ غصہ سے بھڑک اٹھی اس نے بھی پاس پڑا ہوا چھوٹا سا پتھر اٹھا کر بھاگتے ہوئے آفتاب کی طرف پھینکا۔ وہ روتا چیختا ماں اور نانی کے پاس جا کر رونے چلانے لگا۔

اماں جان جلدی آیئے۔ عروسہ نے مجھے بڑے زور سے پتھر مارا ہے میرے بڑی سخت چوٹ آئی ہے ۔

یہ کہہ کر وہ حسینہ بیگم کے پاس جا کر دھم سے گرا۔ نعیمہ بیگم اور ان کی اماں بھی آفتاب کی آواز پر دوڑ پڑیں۔ حسینہ بیگم نے چیخ کر کہا۔

ہائے ہائے میرے بچہ کو کیا ہو گیا۔ لوگو دیکھو تو سہی۔

آفتاب نے روتے ہوئے کہا ہوگا کیا۔ عروسہ نے میرے پتھر مارا ہے۔ اب آپ بھی اس کو خوب ماریئے۔"

آفتاب نے عروسہ کے خلاف مورچہ تیار کرنا چاہا۔ حالانکہ عروسہ کا پھینکا ہوا پتھر اس سے بہت دور گرا تھا۔"

حسینہ بیگم نے اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے کہا۔"

تم نے کیوں نہیں اس کی خبر لی۔ اس سے دگنی عمر کے ہو۔ بیوقوفوں کی طرح پٹ کر گھر میں آگئے۔ بے شرم کہیں کے!۔

نعیمہ بیگم اپنی آنکھیں نچاتے ہوئے بولیں۔

دیکھو تو لڑکی کو ... مار کر بچہ کی کمر سرخ کر دی۔

نادی اپنا ہاتھ اور سر ہلا کر بولیں۔

اس کی عادتیں تو ایسی خراب ہیں کہ اگر یہی ڈھنگ رہے تو آگے جا کر معلوم

نہیں کیا کرے گی۔ یہ تو میری عارفہ کو بھی وہ کوڑی کا کر دے گی۔

نعیمہ نے رائے ظاہر کی۔

ہم تو پہلے ہی کہتے تھے جو کچھ ہو تھوڑا ہے پوت کے پاؤں تو پالنے ہی میں معلوم ہو جاتے ہیں، ابھی صرف پانچ برس کی جان ہے اس پر یہ فتنہ و فساد، بڑے ہو کر تو راہ چلتوں کے کان کاٹے گی۔ چلتی ہوا سے لڑنے لگی۔"

حسینہ بیگم بولیں "میں نے اپنے کانوں سے بھابی کو سکھاتے سنا ہے کہ آفتاب اور روح افزا کو خوب مارا کر۔ وہ تو بچہ ہے اس کا کیا قصور، جو سکھایا ہے وہی کرے گی۔

دادی نے متفکر ہو کر کہا۔

معلوم نہیں بڑی ہو کر میاں توفیق کا کیسا نام روشن کرے گی۔ خدا ایسے اس دن کو نہ رکھے۔ جو یہ باپ کے منھ پر کالک لگوائے۔ باپ دادا کی عزت کو جوتیوں میں اچھالے اور خاندان کے نام کو بٹہ لگائے۔ الٰہی اس دن سے پہلے تو اس کو موت دیدے۔

نعیمہ بیگم نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔

کاش اس کے بدلے لڑکا ہی ہو جاتا۔ خدا عارفہ کو زندہ رکھے لڑکی کی کیا کمی تھی جو یہ آن ٹپکی۔

بڑی بی سرد آہ بھر کر بولیں۔ یہ بھی قسمت کی خرابی ہے بھلا ہمارے ایسے نصیب کہاں تھے جو خاندان کا نام آگے چلتا۔

حسینہ بیگم تن کر بولیں اور لطف تو یہ ہے کہ برابر کے لڑکوں میں کھیلتی ہے ایک میری روح افزا ہے کہ لڑکوں کی طرف رُخ بھی نہیں کرتی۔ اور عارفہ تو خدا رکھے کسی لڑکے کو منہ ہی نہیں لگاتی۔ فرحت بہت چاہتا ہے

کہ اس کے ساتھ کھیلے۔ مگر وہ اس کو برابر پڑھنے کی تلقین کرتی رہتی ہے۔
نفیسہ بیگم نے مسکرا کر کہا: "بھلا کوئی حد ہے بھابی کی آزادی کی بچہ ماں ہی پر تو پڑتا ہے۔"
ادھر عروسہ خاموش اپنی ماں کے کمرے میں آگئی۔ اس کو دیکھ کر آپا بھی اس کے پاس پہنچی۔ عروسہ کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ عارفہ کی باتوں سے اس کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ انجم جہاں واپس نہیں آئیں گی۔ ان کا خالی کمرہ دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ اور وہ اوندھی پڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
آپا نے پاس جا کر کہا: "بی بی روتی کیوں ہو؟"
عروسہ نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔
"عارفہ آپا کہتی ہیں کہ امی جان اب نہیں آئیں گی۔ انھیں ابا جان نے نکال دیا ہے۔ آپا کیا وہ نوکر تھیں جو ابا جان نے انھیں نکال دیا۔"
آپا یہ سنکر بہت گھبرائی۔ مگر اس نے جواب دیا۔
نہیں بی بی عارفہ بیگم غلط کہتی ہیں تم روؤ نہیں خدا کرے گا وہ ضرور آجائیں گی۔ تم ہنسی خوشی رہو گی۔ تو وہ جلد ہی آجائیں گی۔
عروسہ نے سر اونچا کر کے آپا کی طرف دیکھا اور بھولے پن سے بولی۔
میرا تو بہت جی گھبرا رہا ہے آپا۔ ہائے امی جان کیوں چلی گئیں۔ اب وہ نہیں آئیں گی۔ آفتاب اور روح افزا بھی یہی کہہ رہے تھے۔
یہ کہہ کر اس نے گھبرا گھبرا کر کمرے میں نظریں دوڑائیں اس امید پر کہ شاید کہیں چھپی لگی ماں کی صورت نظر آجائے۔
آپا پریشان ہو رہی تھی کہ کس طرح اس ننھی سی جان کو تسلی دے اس کی آنکھوں میں بھی آنسو بھرے ہوئے تھے لیکن وہ غریب بے بس تھی۔

لوکر تھی لاچار تھی۔ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ مگر بول نہ سکتی تھی
اس عرصہ میں عروسہ نے ماں کے پاس جانے کی ضد کرنی شروع کی۔
روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گیئں۔ وہ ماں کی ہر چیز کو اٹھا اٹھا کر دیکھ رہی
تھی۔ اور ہر وہ چیز جس میں سے ماں کی بو آ رہی تھی اس کو پیار کر رہی تھی۔ اور
کہہ رہی تھی۔ اچھی امی جان اب آپ آجایئے میں کبھی ضد نہ کروں گی۔ آپ کا
کہنا مانوں گی۔

پھر وہ زور زور سے رونے لگی۔ اس کی آواز سن کر توفیق احمد کمرے میں
داخل ہوئے وہ باپ کو دیکھ کر سہم گئی۔ اور اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔
توفیق احمد اس کے قریب آکر بولے۔

عروسہ تم روتی کیوں ہو؟ میرے پاس آؤ میں تمہیں بہت سے کھلونے
منگوا دوں گا۔

باپ کے ہمدردی کے الفاظ نے آگ پر تیل کا کام کیا۔ اس پر اور بھی
رقت طاری ہو گئی۔ حالانکہ وہ اپنی آواز کو حلق میں گھونٹ رہی تھی۔ مگر پھر
بھی اس کی چیخیں نکل گیئں۔ توفیق احمد اس کو گود میں اٹھا کر اس کمرے میں لائے
جہاں ان کی اماں اور بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ نعیمہ نے جب انھیں آتے
ہوئے دیکھا تو عروسہ کو ان سے اپنی گود میں لینا چاہا اور بولیں۔

ابھی تو بچی اچھی خاصی یہاں کھیل رہی تھی۔ وہاں جا کر کیوں رونے لگی؟
حسینہ بیگم بولیں۔

ہاں خدا رکھے خوب باتیں کر رہی تھی۔ وہ، آپا لاڈلی میں آکر لے گیئں۔ کہ
زیادہ جا کر کھیلے گی۔ آ میری بچی کیوں روتی ہے۔ دیکھو تو اماں اس کی آنکھیں
سوج گئی ہیں۔ گیئں۔

یہ کہہ کر انھوں نے بہت سی ٹافیاں، دوسری قسم کی مٹھائیاں اور روح افزا کے بہت سے کھلونے اس کے سامنے ڈال دیئے۔ توفیق احمد نے اس کو فرش پر بٹھا دیا۔ دادی نے جھٹ اس کو اپنی گود میں چڑھا لیا اور اس کے رخساروں پر پیار کرتے ہوئے بولیں۔

میں اپنی چاند سی گڑیا کے لئے بہت سے کھلونے منگوا دوں گی اور اچھے اچھے کپڑے بنوا دوں گی۔ اس کو بہت سی کہانیاں سناؤں گی۔

سب لوگ اسی طرح کی باتیں کرنے لگے۔ تاکہ توفیق احمد کو کسی قسم کی بدگمانی اور دکھ نہ ہو۔ اور وہ پوری طرح مطمئن ہو کر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی نعیمہ بیگم طنز سے بولیں۔

اس بچی کا تو ہم لوگوں سے دل ہی نہیں ملتا۔

حسینہ بیگم نے جواب دیا۔

ہاں آپا دیکھو تو، کتنا بہلاتے ہیں پیار کرتے ہیں مگر یہ تو ہماری صورتوں سے بھاگتی ہے معلوم نہیں ماں نے اس کو ہم سے کیسا ڈرا رکھا ہے۔

دادی نے اس کو گود سے اتارتے ہوئے کہا۔

"ہاں لڑکی تو ہمیں اپنا دشمن سمجھتی ہے بہت دن میں راہ راست پر آئے گی۔"

یہ باتیں سن سن کر عروسہ کا ننھا سا دل اور سہما جا رہا تھا۔ وہ بمشکل ضبط کئے بیٹھی تھی۔

اس نے آج کھانا بھی نہ کھایا۔ جب کھانا سامنے آیا تو یہ کہہ کر رو دی کہ "امی جان کھلائیں گی۔ امی جان کے ہاتھ سے کھاؤں گی۔"

آپا نے بہت چاہا کہ اس کو تھوڑا بہت کھلا دے مگر انہوں کے حلق سے

کوئی چیز نہ اتری۔ وہ سارے گھر میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ماں کو ڈھونڈھتی رہی۔
گھر والوں کے خوف کی وجہ سے کچھ بول نہ سکتی تھی۔ سارا دن اسی طرح گذر گیا
رات آئی تو وہ اور مغموم اور اداس ہو گئی۔ غم سے اس کا ننھا سا سینہ پھٹا
جاتا تھا۔ اب وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ ماں ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہیں۔
رات کو وہ اپنی آپا سے چمٹ کر لیٹ گئی۔ اس کا دل بھر آیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ
کر رونے لگی۔ آپا کے بھی آنسو نکل آئے۔ وہ انسان تھی۔ عورت تھی۔ وہ
بھی مامتا کی آگ سے واقف تھی۔ وہ بھی اس کے شعلوں میں آگ سے
جل چکی تھی۔ اس نے بڑے ضبط سے کام لیا اور پیار کر کے عروسہ کو
سمجھانے لگی۔"

بی بی اگر تم ہر وقت روتی رہو گی تو تمہاری امی جان سچ مچ تم سے
خفا ہو جائیں گی اور آنے میں دیر کریں گی۔ آؤ میں تمہیں پریوں کی کہانی سناؤں۔"
عروسہ روتے ہوئے بولی۔
"نہیں آپا میں پریوں کی کہانی نہیں سنتی ہوں تو امی جان کی کہانی سنونگی۔"
آپا نے اس کو طرح طرح سے بہلایا۔ مگر عروسہ کے دل کی آگ نہ بجھی۔
اس کی وحشت اور گھبراہٹ کم نہ ہوئی۔ آخر اس نے اللہ میاں سے لو لگائی
وہ خوب جانتی تھی کہ اللہ میاں جو چاہتے ہیں کرتے ہیں اس لئے انھیں
کی خوشامد کرلی چاہیے۔ اس نے جلدی سے اپنا منھ اونچا کرکے اپنے ننھے
ننھے سفید ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور آنکھیں بند کر کے بڑے صدق دل
سے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانے لگی۔

" یا اللہ مجھے معلوم ہے تو بہت بڑا ہے امی جان نے مجھے بتایا ہے کہ
تو نے ہم سب کو بنایا ہے ہر کام تیرے حکم سے ہوتا ہے تو میری امی جان کو

جلدی سے میرے پاس بھیج دے ۔ میں اب کبھی انھیں پریشان نہیں کروں گی ۔ ان کا کہنا مانوں گی ، تو انھیں بتا دے کہ میں انھیں بہت یاد کرتی ہوں وہ جلدی سے میرے پاس آجائیں "۔

وہ بڑی دیر تک آنکھیں بند کئے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتی رہی اب اسے کچھ تسلی ہو گئی تھی ۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس نے سب سے بڑے حاکم سے فریاد کی ہے اس کی التجا ضرور سنی جائے گی ۔ اس لئے وہ آنکھیں بند کر کے خاموش لیٹ گئی ۔ مگر آپا کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔

عروسہ تمام رات چونک چونک کر جاگ پڑتی تھی ، اور گھبرائی تھی ۔ ایک مرتبہ آپا نے اس کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا ۔ وہ کبھی تو غافل ہو جاتی اور کبھی چونک کر ماں کو پکارتی ۔ صبح کو آپا نے اسکی دادی سے جا کر کہا ۔

بیگم صاحب رات سے عروسہ بی بی کو بڑا تیز بخار چڑھا ہوا ہے ۔ اس وقت بالکل بے ہوش ہیں کسی ڈاکٹر کو بلا کر دکھا دیجیے ۔

حسینہ بیگم نے تیوری چڑھا کر اس کو گھورا اور پوچھا ، شام تک تو لڑکی اچھی خاصی تھی ۔ رات کو بخار کیسے چڑھ آیا ؟ سردی کی وجہ سے نزلہ ہو گیا ہوگا ۔ تم جاؤ ہم لوگ خود ہی دیکھتے ہیں ۔ اگر ضرورت ہوگی تو ڈاکٹر کو بھی دکھا دیا جائیگا تم سے زیادہ ہم لوگوں کو اس کی مامتا ہے ۔

یہ تلخ جواب سنکر آپا الٹے قدم آگئی اور عروسہ کے پاس بیٹھ گئی وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھی منہ سے کچھ نہ کہہ سکتی تھی ۔ وہ تھی ہی کون ؟ محض ایک نوکر ۔ اگر ایک لفظ بھی زبان سے نکالتی تو کان پکڑ کر گھر سے باہر کر دی جاتی ۔ گھر والی کا انجام اس کے سامنے تھا وہ تو ایک

ادنیٰ سی خادمہ تھی۔

اپنے اپنے کاموں سے فراغت پاکر دادی اور پھوپھیاں عروسہ کو دیکھنے آئیں۔ اور سب نے ملکر یہ رائے قائم کی۔ کہ نزکام کی قسم کی کوئی چیز ہوگئی ہے۔ اسی وجہ سے بخار بھی ہوگیا ہے۔ شام تک خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ بنفشہ دم کرکے پلادو۔"

یہ سنکر آیا ان کی شکلیں دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ بخار کی شدت سے عروسہ کا جسم پھنا جارہا تھا۔ وہ وحشت زدہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ایک ایک کو دیکھ رہی تھی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں بندھ گئی تھیں۔ آنکھیں دہکتے ہوئے انگاروں کیطرح سرخ ہورہی تھیں۔ خوبصورت چہرہ جو بالکل ترو تازہ پھول کی طرح کھلا رہتا تھا۔ اب بالکل کمرلا گیا تھا۔"

تمام دن اسی حال میں گذر گیا۔ مگر پھر کسی نے پلٹ کر نہ پوچھا۔ آیا ہی اس کے پاس بیٹھی اور جو کچھ اس کی سمجھ میں آیا کرتی رہی۔ دن گذرنے پر رات بھی آئی اور وہ بھی چپ چاپ منٹ بن کر گھنٹے اور گھنٹوں کے بعد پھر دن میں گذرنے لگی۔ لیکن عروسہ کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ آخر خدا خدا کر کے صبح ہوئی تو عروسہ کی حالت بجائے بہتر ہونے کے اور بدتر ہوگئی۔

جب توفیق احمد ناشتہ کی میز پر بیٹھے تو سب بچوں کو موجود پاکر انھوں نے حسینہ بیگم سے پوچھا۔

عروسہ کہاں ہے وہ کیوں نہیں ناشتہ کرنے آئی؟

حسینہ بیگم نے جواب دیا۔ بھائی جان عروسہ کو کل سے زکام و نزلہ ہورہا ہے۔ تھوڑی سی حرارت بھی ہوگئی ہے اس وجہ سے اماں جان نے اس کو کمرے سے نکلنے کو منع کردیا ہے۔ وہیں اس کا ناشتہ بھیج دیا جائے گا۔ سردی

بہت ہے۔"

نعیمہ بیگم بھی نماز وظیفہ سے فارغ ہوکر تسبیح ہلاتے ہوئے بولیں۔

ہاں میں اسی کے پاس سے آرہی ہوں۔ ایک سوا ایک الحمد شریف پڑھ کر اس پر دم کئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے بچی کو نظر لگ گئی ہے۔ بدن ابھی کچھ گرم ہو رہا ہے۔"

یہ باتیں سنکر توفیق احمد نے کوئی خیال نہیں کیا اور چائے پی کر کمرہ سے نکل گئے۔ آیا دروازہ کی آڑ سے تمام باتیں سن رہی تھی۔ جب توفیق احمد کو باہر جاتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے باہر نکلی اور ادب سے بولی۔

سرکار عروسہ بی بی کو آپ دیکھ لیجئے کل سے ان کی طبیعت بہت خراب ہے۔

توفیق احمد نے اس کو تعجب سے دیکھا پھر کچھ سوچ کر بولے۔

" اچھا جاؤ تم ہم آتے ہیں۔"

چند منٹ بعد توفیق احمد عروسہ کے کمرے میں داخل ہوئے وہ آنکھیں بند کئے غفلت میں پڑی تھی۔ انہوں نے جھک کر اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا۔ انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے جلتے توے پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ گھبرا کر انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور عروسہ کو پکارا۔

باپ کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دیں اور گھبرا کر انھیں دیکھنے لگی۔ پھر گم سم ہو کر اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ توفیق احمد نے باہر جاکر ڈاکٹر لانے کے لئے نوکر بھیجدیا۔

اے ہے یہ ڈاکٹر کیوں آیا ہے؟

توفیق احمد نے جواب دیا۔ اماں جان عروسہ کو بخار ہے۔ میں نے اسے

دکھانے کے لئے ڈاکٹر صاحب کو بلایا ہے۔"

اماں نے ناک چڑھا کر جواب دیا۔

ارے بیٹا کیا غضب کرتے ہو۔ میں اپنی بچی کو وہ نگوڑی کڑوی دوائی نہیں پلاؤں گی۔ وہ معصوم کیسے پئے گی؟ میں تو اس کو کل سے اپنے حکیم جی کی دوا دے رہی ہوں۔ خدا نے چاہا تو دو ایک دن میں ٹھیک ہو جائے گی۔

مگر ان کی باتیں سننے سے پہلے ہی توفیق احمد ڈاکٹر کو لیکر عروسہ کے کمرے میں جا چکے تھے۔

ڈاکٹر نے بڑی توجہ سے عروسہ کو دیکھا۔ نسخہ لکھا اور فیس لیکر چلا گیا۔

کئی روز تک برابر ڈاکٹر آتا رہا۔ روزانہ نسخہ بدلتا۔ ہر طرح سے علاج میں الٹ پلٹ کرتا رہا۔ مگر عروسہ کی حالت میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ روز بروز مضمحل اور نڈھال ہوتی گئی۔ اس نے اب ماں کو پکارنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ صرف اس کی بڑی بڑی مغموم آنکھیں خاموشی سے فریاد کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں وہ منہ سے کچھ نہ کہتی تھی اس کی آواز حلق میں آکر اٹک جاتی تھی۔

رات کے بارہ بج چکے تھے توفیق احمد اپنے بستر پر آنکھیں بند کئے لیٹے تھے انھیں نیند آ رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں عروسہ کا مغموم چہرہ پھر رہا تھا۔ اس کی معصوم اور حسرت ناک نگاہیں رہ رہ کر ان کے دل میں نشتر کی طرح چبھ رہی تھیں، وہ سوچ رہے تھے۔

یہ میں نے غلطی کی۔ مجھے ایسا ہرگز ظلم نہ کرنا چاہیے تھا۔ عروسہ بغیر ماں کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس کا ننھا سا دل ماں کی جدائی نہیں برداشت کر سکتا مگر وہ بہت حساس بچی ہے۔ میرے سامنے ماں کا نام بھی نہیں لیتی۔ دوسری طرف انجم جہاں بھی اس کیلئے بیقرار ہوں گی۔ یہ تو قدرتی لگاؤ ہے اسے کوئی نہیں

توڑ سکتا۔ حسینہ بیگم و نعیمہ بیگم کی یہی عادت ہے عارفہ کی ماں بھی انھیں لوگوں کی باتوں سے جل جل کر ٹی بی میں مبتلا ہو کر ختم ہو گیئں۔ اب حسب عادت ان لوگوں نے انجم جہاں سے مخالفت پیدا کر لی۔ مگر اب میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ صبح ضرور انھیں بلوا لوں گا۔ میں دوبے گناہوں کی آہ نہیں برداشت کر سکتا۔ صبح ضرور عروسہ کو اس کی ماں مل جائیں گی کل میں سب سے پہلا کام یہی کروں گا۔"

اپنے دل میں پختہ ارادہ کر کے توفیق احمد مطمئن ہو گئے۔ ان کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ اور کچھ دیر بعد انھیں نیند آ گئی۔

عروسہ کے کمرہ میں دھیما لیمپ جل رہا تھا۔ اور آیا اس کی مسہری سے لگی بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اب اس سے عروسہ کی بے چینی نہ دیکھی جاتی تھی۔ اس کا دل جذبۂ ہمدردی اور جوش سے بھرا ہوا تھا۔

یکایک عروسہ نے ماں کو پکارنا شروع کیا۔ اب آیا سے نہ رہا گیا وہ جلدی سے اٹھی اور عروسہ کے کان میں چپکے سے بولی۔

"چلو بیٹی تم کو تمہاری امی جان کے پاس لیکر چلتی ہوں۔"

یہ سنکر عروسہ نے آنکھیں کھول دیں اور منتظر نگاہوں سے آیا کو دیکھنے لگی۔ آیا نے جلدی سے ایک گرم کمبل میں عروسہ کو لپیٹ لیا۔ اور گود میں اٹھا کر کمرہ کا دروازہ کھولکر باہر نکل گئی۔ کوٹھی کے احاطہ میں بالکل اندھیرا اور خاموشی تھی، ٹھنڈی ہوا کی سائیں سائیں کے علاوہ کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ آیا نے آہستہ سے پھاٹک کھولا اور عروسہ کو گود میں اٹھائے ہوئے سڑک پر چلنے لگی۔"

صبح کو جب سب نے عروسہ اور آپا کو کمرے میں نہ پایا تو سارے گھر میں غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ انجم جہاں کی چالاکی اور چال بازی کا حسینہ بیگم اور نعیمہ بیگم نے خوب ڈھنڈورا پیٹا۔ اور توفیق احمد کو اچھی طرح بتا دیا کہ عروسہ کے ذریعہ انجم جہاں توفیق احمد سے زیادہ سے زیادہ روپیہ گھسیٹنا چاہتی ہیں۔

توفیق احمد کے مات والے جذبات یکایک مٹ کر رہ گئے۔ اور طیش میں آکر انہوں نے انجم جہاں کو لکھ کر بھیجدیا کہ آج سے عروسہ ان کی بیٹی نہیں ہے۔ وہ یہی سمجھیں گے کہ عروسہ مرگئی ہے۔"

زمانہ کے سرد و گرم جھکولوں کے ساتھ چودہ پندرہ سال کی مدّت آہستہ آہستہ بیت گئی۔

⁘

شہر کی آبادی سے دور بس ٹھہر گئی۔ عروسہ اس میں سے اتر کر سڑک کے کنارے پر ہولی۔ وہ آسمانی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ اور اپنے پرانے سے گھسے گھسائے سلیٹی رنگ کے کوٹ کو جسم پر اچھی طرح لپیٹے ہوئے تھی دوپٹہ گلے میں مفلر کی طرح لپٹا ہوا تھا۔ سردی کی وجہ سے چہرہ کا سفید رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں میں ہوا کی تیزی سے پانی بھرا چلا آ رہا تھا۔ لیکن وہ اپنی دھن میں برابر چل رہی تھی۔ آسمان پر گہرے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔

کچھ فاصلہ پر اس کو ایک پرانا سا باغ نظر آیا۔ عروسہ سڑک چھوڑ کر باغ کی طرف چلنے لگی۔ باغ کے چاروں طرف نیچی نیچی دیوار بنی ہوئی تھی جو نہایت شکستہ حالت میں تھی۔ اور جس کی اینٹیں جگہ جگہ سے اکھڑی ہوئی تھیں۔ کائی اور خود رو گھاس نے دیوار کو سبز کر دیا تھا عروسہ نے دیوار پر دور تک نظر ڈالی۔ مگر باغ میں جانے کا راستہ نظر نہیں آیا۔

شاید وہ دوسری طرف تھا۔ راستہ تلاش کرنے میں بیکار وقت ضائع ہوگا یہ سوچ کر اس نے اپنے جوتوں کو ٹوٹی پھوٹی دیوار کی اینٹوں میں چھپایا اور دیوار کے اوپر چڑھ کر باغ کے اندر کود گئی۔ اس نے دیکھا یہ ایک پھل دار درختوں کا باغ ہے۔ مالٹے، سنترے، آم، امرود وغیرہ کے بے شمار درخت لگے ہوئے ہیں۔ عروسہ کو حکیم جی نے یہی بتایا تھا کہ وہ سبز پتوں والی بوٹی اکثر پرانے اور گھنے باغوں میں پائی جاتی ہے۔ یکایک اس کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ کچھ دور درختوں کے نیچے وہی سبز پتے پھیلے پڑے تھے۔ جن کی تلاش میں وہ یہاں تک پہونچی تھی۔ کل رات حکیم جی نے کہا تھا کہ یہی سبز پتوں والی بوٹی اس کی ماں کا واحد علاج ہے۔ اگر عروسہ اس کے لانے میں کامیاب ہوگئی تو اس کی ماں ضرور اپنے مرض پر فتح پالیں گی۔

وہ خوشی خوشی سبز پتوں کو اکھاڑنے میں مصروف تھی کہ پیچھے سے بھاری سی آواز آئی۔

ارے تم کون ہو؟ . . . . باغ میں چوری کر رہے ہو؟ مالی پکڑو اسے دیکھو یہ بدمعاش جانے نہ پائے۔ اسی طرح باغ کا ستیاناس ہوتا ہے۔ اس کی آواز کے ساتھ ہی کسی کے بھاری بھاری قدموں کی چاپ اور ایک بڑے سے کتے کی گرجدار آواز نے اس کو سہما دیا۔ وہ فوراً پیچھے پلٹی۔ اپنے مالک کے ساتھ ایک خوفناک چوڑے کلے جبڑے والا کتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک چیخ مار کر چند قدم پیچھے ہٹی۔ مگر فوراً ہی کتے کے مالک نے آواز دیکر کتے کو روک دیا۔ پھر عروسہ سے مخاطب ہوا۔

نہیں نہیں۔ اب آپ بالکل نہ ڈریں یہ کچھ نہ بولے گا۔"

اس کی آواز میں ندامت کی جھلک تھی۔ عروسہ نے گھبرا کر نگاہ:

اٹھائی اور دیکھا تو اپنے سامنے ایک بہت ہی شکیل اور مہذب نوجوان کو کھڑا پایا۔ کتنا نابعہ اری سے کھڑا دم ہلا رہا تھا۔ عروسہ نے پھولے ہوئے سانس سے کہا۔

مجھے معاف کیجئے میں بغیر اجازت آپ کے باغ میں گھس آئی۔

یہ کہہ کر وہ سبز پتے جو اس نے باغ میں سے چند منٹ پہلے توڑے تھے نوجوان کی طرف بڑھاتے ہوئے پھر کہا۔

اس کی مجھے بیحد ضرورت تھی اور یہاں کے علاوہ یہ چیز مجھے کہیں نہیں ملی۔

نوجوان نے جلدی سے جواب دیا۔ نہیں کوئی بات نہیں۔ میں خود آپ سے معافی چاہتا ہوں۔ میری آواز سے شاید آپ ڈر گئیں۔ دراصل لوگ باغ میں گھس کر سارے پھل توڑ کر لے جاتے ہیں۔

عروسہ نے جواب دیا۔ "جی ہاں یہ تو آپ صحیح فرماتے ہیں۔" اس کو اپنے بچپن کا زمانہ یاد آگیا۔ توفیق احمد بھی اکثر اسی قسم کی شکایت کیا کرتے تھے نوجوان نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

حالانکہ مالی موجود رہتے ہیں مگر لوگ اس کی آنکھ بچا کر دیوار پر سے کود آتے ہیں۔"

عروسہ کی خوبصورت آنکھوں میں مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔ اور اس نے اقرار کیا۔ "جی ہاں میں بھی تو اسی طرح باغ میں داخل ہوئی تھی۔ کیوں کہ راستہ نہیں ملا تھا۔"

یہ سنکر نوجوان بھی مسکرا کر اس کو بغور دیکھنے لگا پھر بولا۔

مجھے سخت افسوس ہے کہ میں نے آپ کو ٹوکا۔"

عروسہ بولی۔ "میں اس کتے سے بیشک ۔۔۔۔ ڈر گئی۔"

اور کھسیانی ہنسی ہنس کر کتے کو دیکھنے لگی پھر دو قدم آگے بڑھی اور بات ٹالنے کے لئے بولی۔

مجھے بھی اچھے کتے پالنے کا بہت شوق ہے۔

نوجوان نے کہا پھر تو مجھے یقین ہے کہ آپ کے پاس بھی ضرور کسی اچھی نسل کا کتا ہوگا۔

عروسہ نے رنجیدہ لہجہ میں جواب دیا۔

جی نہیں میں کتا پال ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ میں تو ایسی گنجان قسم کی گلیوں اور تنگ مکان میں رہتی ہوں کہ جہاں انسان بھی مشکل سے رہ سکتے ہیں۔

عروسہ باتیں کر رہی تھی اور نوجوان کی نظریں اس کے خوبصورت چہرہ پر جمی ہوئی تھیں۔ عروسہ کی معصومیت اور چہرہ کی دلکشی نے نوجوان کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ اس کا سرخ و سفید رنگ چوڑی ابھری ہوئی پیشانی جس کے اوپر سیاہ چمکدار گھونگر والے بال ہوا سے اڑ اڑ کر بکھرے چلے آرہے تھے اور وہ بے خیالی میں انھیں سمیٹے جا رہی تھی اس کا چہرہ اس وقت ندامت سے اور بھی سرخ ہو رہا تھا۔ کیونکہ وہ پرائے باغ میں چوری سے داخل ہوئی تھی۔ اور باغ کے مالک نے اسے حقیقت میں چور سمجھا تھا اب وہ سچ مچ بڑی خجالت محسوس کر رہی تھی۔ اور برابر کھسیانی ہنسی ہنسے جا رہی تھی۔ اس کے خوبصورت دہانہ میں سے آبدار موتی جیسے دانت بڑے اچھے معلوم ہو رہے تھے ــــ اور نوجوان پسندیدہ نظروں سے اس کو دیکھے جا رہا تھا۔ یکایک بارش شروع ہو گئی ــ اور نوجوان بولا۔

آپ نے ہم ایک قریب کے چھپر میں چلتے ہیں، جلدی بھاگئے۔ ورنہ آپ بھیگ جائیں گی۔

قریب ہی ایک پرانا سا چھپر پڑا ہوا تھا۔ وہ دونوں اس میں جا کر کھڑے ہو گئے۔ اور نوجوان نے عروسہ سے پوچھا کیا آپ بھیگ گیئں؟"

عروسہ نے بارش کے قطرے اپنے سر اور کوٹ سے جھاڑتے ہوئے جواب دیا۔ جی نہیں خوش قسمتی سے آپ یہاں موجود تھے۔ ورنہ بھیگنے میں کسر ہی کیا رہ گئی تھی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں کوئی جھونپڑی بھی ہے۔"

نوجوان کی نظریں پھر اس کے چہرہ پر جم گیئں۔ اور اس نے بے ساختہ پوچھا۔ کیا آپ پہلے کبھی یہاں آچکی ہیں؟"

عروسہ نے جلدی سے گردن ہلا کر انکار کیا۔

جی نہیں آج میں پہلی مرتبہ یہاں آئی ہوں۔ اصل میں مجھے محلہ کی ایک عورت نے کل اس باغ کا پتہ بتایا تھا... میں... میری...

اتنا کہہ کر وہ مناسب الفاظ کی جستجو میں بھٹک گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے۔ نوجوان معنی خیز نظروں سے اس کو دیکھنے لگا۔ عروسہ نے اس کے تعجب کو رفع کرنے کو کہا۔

اصل میں میری امی جان سخت بیمار ہیں اور جو حکیم جی ان کا علاج کر رہے ہیں وہ زیادہ تر جنگلی جڑی بوٹیوں سے دوائیں تیار کرتے ہیں۔ امی جان کی دواؤں کے لئے میں اکثر جڑی بوٹیاں ادھر ادھر تلاش کرتی پھرتی

ہوا ہے۔

پھر اس نے رومال میں لپٹے ہوئے سبز سبز پتوں کے پودوں کو دیکھا جو کچھ دیر پہلے توڑے تھے اس کے خوبصورت چہرہ پر رنج و پریشانی کا پردہ چھا گیا۔ اور وہ دور بہت دور خیالوں میں کھو گئی۔ نوجوان نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس وجہ سے یہاں آئی ہیں چلئے بارشوں کے تھمتے ہی میں آپ کو ایسے بہت سے پودے خود دکھا دوں گا لیکن آپ اپنی امی جان کو ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتیں۔"

عروسہ نے گہرا سانس لیکر جواب دیا۔

بہت عرصہ تک تو مجھے بھی ان کی بیماری کا پتہ نہیں چلا۔ امی جان مجھ سے بھی نہ کہتی تھیں۔ کہ انھیں کچھ تکلیف ہے۔ جب بالکل بستر پر پڑ گئیں۔ تو ہمارے پڑوس کے حکیم جی ان کا علاج کرنے لگے۔ انہوں نے مجھے پختہ یقین دلایا ہے۔ ان کی دوا سے امی جان کو ضرور فائدہ ہو جائے گا۔"

نوجوان نے پوچھا کیا آپ تنہا اپنی والدہ کے ساتھ رہتی ہیں۔

یہ سنکر عروسہ سوچنے لگی۔ کسی کو کیا خبر کہ امی جان شہر کے مشہور نامور معزز آدمی کی بیوی ہیں اور میں ان کی لڑکی ہوں۔ میں کس زبان کس دل سے لوگوں کو اپنا حال اور پتہ بتا سکتی ہوں۔ اور پھر اس نے بات ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

جی ہاں میں اور وہ بس دونوں رہتے ہیں ان کی بیماری کی وجہ سے میں نے پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ ان کی تمام تر ذمہ داری صرف مجھ پر ہے۔

نوجوان افسوس اور ہمدردی سے اس کو دیکھتے ہوئے بولا۔

" آپ زیادہ پریشان نہ ہوا کریں، خدا نے چاہا تو وہ ضرور تندرست

ہو جائیں گی۔ آپ ان کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھائیں آجکل سائنس نے بڑی ترقی کر لی ہے۔ کوئی بیماری ایسی نہیں ہے جس کا علاج نہ ہو۔ اور انسان پر ہمیشہ ایک سا وقت نہیں رہا کرتا برے دنوں کے بعد اچھے دن ضرور آتے ہیں۔"

عروسہ نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

" جی ہاں یہ سب باتیں میں جانتی ہوں لیکن کروں کیا مجبور ہوں۔"

نوجوان نے پھر پوچھا۔

" معلوم ہوتا ہے آپ ہر وقت فکر مند اور پریشان رہتی ہیں؟"

عروسہ نے اب سر اٹھا کر نوجوان کو دیکھا اور بولی۔

اس کے علاوہ میں کر ہی کیا سکتی ہوں۔"

نوجوان نے متاثر ہو کر کہا۔

" جی ہاں یہ سب ٹھیک ہے اور انسانی فطرت کا تقاضا بھی یہی ہے لیکن کبھی کبھی انسان کو اس کے خلاف بھی لڑنا چاہیئے اس سے انسان بہادر اور نڈر ہو جاتا ہے۔ اب دیکھیئے آپ کو اپنے اوپر بھی تو نظر رکھنی چاہیئے۔ آپ ابھی ان باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ اس کو پھر غور سے دیکھنے لگا۔ اور عروسہ کے چہرہ پر طنز کا ہلکا سا تبسم پھیل گیا۔ اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

" جی نہیں میں بہت عرصہ سے اپنے گردوپیش کے حالات کو سمجھتی ہوں اور بچپن سے اپنے ایک ماحول کی عادی ہوں۔ جب امی جان تندرست تھیں جب بھی حالات کچھ اسی قسم کے تھے۔ وہ اسکول میں پڑھانے چلی جاتی تھیں اور میں اپنے کالج۔ لیکن اب سوائے انکی تیمارداری کے میرے لئے کوئی دوسرا شغل نہیں رہا ہے۔"

نوجوان نے پوچھا "آپ کالج میں کون سے سال میں پڑھتی ہیں؟"
عروسہ نے سامنے درختوں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
میں نے اسی سال بی اے کر لیا ہے اس کے بعد سے حالات نے
اجازت نہیں دی کہ تعلیم جاری رکھتی۔
وہ دور خالی فضا کو گھورنے لگی۔ اس کے حساس چہرہ پر مایوسی اور
سنجیدگی چھا نے لگی۔ اور نوجوان کا دل اس کے اداس چہرہ کو دیکھ کر بے چین
سا ہو گیا۔"
اب بارش رک چکی تھی۔ بادلوں میں سے سورج نے جھانکنا شروع کر دیا
تھا زرد دھوپ درختوں کے سبز سبز دھلے دھلائے پتوں پر پڑ کر ساری
فضا کو سنہری کر رہی تھی۔ یکایک نوجوان نے عروسہ سے پوچھا۔
" کیا آپ واپس شہر جائیں گی؟"
عروسہ جو اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ چونک کر بولی!
" جی ہاں اب میں بڑی سڑک پر جا کر گذرتی ہوئی بس کو پکڑوں گی۔"
یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ کے پودوں کو اچھی طرح رومال میں لپیٹ لیا۔ اور
نوجوان کے ساتھ چھپر کے باہر نکل کر آسمان کو دیکھنے لگی۔ بارش کا پانی چھوٹے
موٹے گڑھوں میں بھر گیا تھا بڑی سرد ہوا چل رہی تھی۔ سردی کی وجہ سے
جسم سن ہوا جا رہا تھا۔"
نوجوان نے عروسہ سے کہا۔ گھر پہونچتے ہی آپ اپنے کپڑے ضرور
تبدیل کر لیں سردی کا زمانہ ہے آپ کو ٹھنڈ لگ جانے کا اندیشہ ہے۔
عروسہ نے گردن ہلا کر جواب دیا۔
"جی نہیں مجھے آسانی سے سردی نہیں لگ سکتی۔ میں تو صرف زندگی

میں ایک بار بیمار پڑی ہوں اور جس کو بہت عرصہ گذر گیا۔"

اور وہ گذرے ہوئے زمانہ کے ان ناخوشگوار دنوں کی یاد میں محو ہو گئی جب اس کو زبردستی الجم بہار سے چھڑایا گیا تھا۔

نوجوان اس کو دیکھے جا رہا تھا۔ پھر وہ بولا۔ میرا خیال ہے کہ اس دنیا میں آئے ہوئے بھی آپ کو بہت عرصہ نہیں گذرا۔

عروسہ نے قدرے خفیف ہو کر جواب دیا۔ نہیں میں اپنی زندگی کے اکیسویں سال میں قدم رکھ چکی ہوں۔ اچھا اب مجھ کو چلنا چاہئے۔ ورنہ بس گذر جائے گی۔ امی جان میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

یہ کہہ کر وہ نوجوان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بولا۔

"چلئے میں پہلے آپ کو یہ پودے اکھاڑ دوں۔"

عروسہ نے جواب دیا۔ "جی نہیں۔ یہی بہت ہیں۔"

نوجوان نے کہا۔ "بہت اچھا لیکن جب آپ کو ان کی ضرورت ہو، یہاں آکر حاصل کر لیں۔"

عروسہ نے جواب دیا۔

ممکن ہے آپ کا مالی مجھے باغ میں گھسنے کی اجازت نہ دے۔"

یہ سنکر نوجوان نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور بولا۔

" دیکھئے، میں آپ کو چٹ لکھدوں گا اگر کوئی باغ میں جانے سے آپ کو روکے تو آپ میری لکھی ہوئی چٹ اس کو دکھا دیں۔"

عروسہ نے مسکرا کر کہا۔ "گویا آپ مجھے پرمٹ دے رہے ہیں۔ جس کا حاصل کرنا تو ایک جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا۔

نوجوان نے مسکرا کر جواب دیا۔ جی ہاں لیکن یہ پرمٹ آپ کو

بڑی آسانی سے مل رہا ہے یعنی آپ کے لئے خاص رعایت ہے ذرا ٹھہریئے!"

یہ کہہ کر اس نے جیب سے پنسل نکالی اور اپنے نام کے چھپے ہوئے کارڈ کے پیچھے کچھ لکھ کر عروسہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ عروسہ نے کارڈ ہاتھ میں لیکر پہلے اس کا نام پڑھا "سرورش خوش بخت" اور پھر وہ الفاظ پڑھے جو اس نے پنسل سے لکھے تھے۔ "ان بیگم صاحبہ کو باغ کی ہر چیز لینے کی اجازت ہے"۔ یہ پڑھ کر عروسہ بے اختیار ہنس پڑی اس کا پھول جیسا چہرہ ہنسنے سے اور بھی دلکش ہوگیا۔ اس کی آنکھوں میں ہنسی ناچ رہی تھی۔ اور خوبصورت دانت چمک رہے تھے۔ اس نے نوجوان کیطرف دیکھ کر کہا۔ مجھے صرف ان چند سبز پتیوں کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں آپ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں۔"

نوجوان نے دھیمی آواز سے کہا۔ یہ آپ کی خوشی ہے آپ جو چاہیں اس باغ میں سے لے سکتی ہیں بلکہ باغ کو اپنا ہی سمجھیں۔ تکلف ہرگز نہ کریں اور جو بھی خدمت میرے لائق ہو بے تکلف کہیئے۔ شکریہ کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

یہ سنکر عروسہ نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ اگر میں تکلف کرتی تو پھر چوری سے آپ کے باغ میں کس طرح گھس آتی۔ یہ باتیں تو خود دار لوگوں کے لئے زیبا ہیں اور یہاں تو کسی چیز کا احساس ہی نہیں رہا۔

نوجوان جلدی سے بولا۔ نہیں نہیں آپ ایسا نہ کہیئے میں سخت نادم ہوں مجھے بڑی غلط فہمی ہوئی۔ خدا کے لئے آپ مجھے معاف کر دیں۔"

یہ کہہ کر وہ عروسہ کیطرف دیکھنے لگا۔ عروسہ نے مسکرا کر کہا آپ ناحق ایسی باتیں کر رہے ہیں، یہ تو وہی بات ہوگئی۔ الٹا چور کوتوال

کوڑا نہ ہے

یہ کہہ کر اس نے بھی نظر بھر کر نوجوان کو دیکھا جو ایک دراز قد اور خوبصورت شخص تھا۔ اس کا رنگ نہ بہت گورا تھا نہ بہت سانولا۔ بلکہ کھلتا ہوا گندمی تھا۔ آنکھوں میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس سے چہرہ بہت ہی پرکشش ہو گیا تھا۔ اس کی چوڑی پیشانی پر گہرے رنگ کے بال اوپر کو ایک طرف بڑی لاپرواہی سے مڑے ہوئے تھے۔ وہ بہت قیمتی گرم چار خانے کا کوٹ اور سلیٹی رنگ کی پتلون پہنے ہوئے تھا۔ یکایک عروسہ نے اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

" اب چلنے سے پہلے میں پھر آپ کی مہربانی اور ہمدردی کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں "

نوجوان نے ہاتھ ہلا کر منع کیا۔ جی نہیں شکریہ کی بالکل ضرورت نہیں۔ آپ بلاوجہ ایسی باتیں کر رہی ہیں۔ مجھے خود بہت افسوس ہے کہ اس وقت میری موٹر یہاں موجود نہیں ہے ورنہ آپ کو بس پر جانے کی ضرورت نہ پڑتی اس کا مجھے بیحد افسوس ہے "

عروسہ نے شوخی سے کہا۔ "یعنی آپ نے مجھ پر احسان کرنے کی ٹھان لی ہے میں پہلے ہی آپ کی مہربانیوں میں دبی جا رہی ہوں اور پھر آپ شکریہ بھی نہیں ادا کرنے دیتے "

نوجوان نے ہنس کر جواب دیا۔ "بس آپ نے بہت شکریہ ادا کر دیا اس قدر کہ میں خود اس کے بوجھ سے گردن نہیں اٹھا سکتا۔ چلئے سڑک تک میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں "

عروسہ بولی۔ نہیں نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے آپ کیوں خواہ مخواہ

تکلیف کرتے ہیں۔ میں جسطرح آئی تھی اسی طرح چلی جاؤں گی۔
نوجوان نے مسکراکر اس کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ کیا آپ پھر دیوار پھاند کر جائیں گی۔ آپ تو اسی طرح آئی تھیں؟"
عروسہ نے جواب دیا۔ اس وقت مجبوری تھی۔ لیکن اب تو سامنے پھاٹک نظر آرہا ہے۔"
اب یہ دونوں ٹہلتے ہوئے پھاٹک پر پہونچ گئے عروسہ نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔"
میں پھر کہتی ہوں۔ اب آپ تکلیف نہ کریں میں چلی جاؤں گی۔"
نوجوان نے رک کر اس کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
محترمہ مجھے بالکل تکلیف نہیں ہو رہی ہے آپ اطمینان رکھیں، بلکہ عین راحت محسوس کر رہا ہوں۔"
وہ یہ سنکر خاموش ہو گئی۔
سروش خوش بخت کی وضع قطع، چال ڈھال، بات چیت، صورت شکل، اور سب سے بڑھ کر اس کا خلوص، نیک نیتی، یہ سب چیزیں ایسی تھیں کہ پہلی ہی نظر میں ہر کسی کا دل اس کی طرف آپ ہی آپ کھینچ لیتی تھی۔
سڑک کے ایک طرف کچھ فاصلہ پر بس کا اسٹینڈ تھا۔ وہ عروسہ کے ساتھ بس کے آنے تک وہیں ٹھہرا رہا۔ پھر دور سے بس آتی ہوئی نظر آئی تو سروش خوش بخت نے کہا۔ "مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ سے اس قدر کم عرصہ شرف ملاقات رہا۔"
یہ سنکر عروسہ نے اس کی طرف نظریں اٹھائیں اور پھر نیچی کر لیں۔
سروش اس کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کسی نے اس

عجیب نظروں سے اسے نہ دیکھا تھا۔ عروسہ گھبرا سی گئی۔ اور بس کے آتے ہی بڑی جلدی سے خدا حافظ کہہ کر اس میں سوار ہو گئی۔ پھر چلتی ہوئی بس میں سے دیر تک پیچھے گھوم کر اس کو دیکھتی رہی۔ اور وہ بھی اس طرح خاموش کھڑا جاتی ہوئی بس کو دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد راستہ کے ایک گول موڑ نے آکر عروسہ کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔

٭

عروسہ جب اپنے گندے محلہ کی گنجان اور غلیظ گلیوں میں پہونچی تو شام ہو رہی تھی۔ گلیوں میں کوڑے کرکٹ اور غلاظتوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن کی بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ وہ جلدی جلدی لوگوں کی نظروں اور گستاخ نگاہوں سے بچتی ہوئی گھر کی طرف چلی آرہی تھی دل و دماغ میں سرورش خوش بخت کا خیال چکر لگا رہا تھا۔ اور آنکھوں میں اس کی صورت پھر رہی تھی۔ وہ ایک تنگ گلی میں پہونچ کر ایک چھوٹے سے مکان کے دروازے میں گھس گئی۔ اندر پہونچتے ہی انجم جہاں کے کراہنے اور کھانسنے کی آواز آنے لگی۔ وہ جلدی سے ماں کے پاس پہونچی۔ جو ایک صاف ستھرے بستر پر لیٹی ہوئی کھانس رہی تھیں۔ انہوں نے عروسہ کو دیکھتے ہی کمزور آواز میں کہا۔ عروسہ بیٹی تم نے بہت دیر لگادی۔ تم اس طرح تنہا میری دوا کے لئے نہ جایا کرو مجھے بہت پریشانی ہوتی ہے۔ تم نہیں سمجھتی ہو کہ تم کس کی لڑکی ہو اور کس خاندان سے تعلق رکھتی ہو شکر ہے کہ تم آگئیں۔

اب میں تمہیں کل سے ہرگز دوا وغیرہ کی تلاش میں نہ جانے دونگی۔

عروسہ نے ان کا بخار ہاتھ سے محسوس کرتے ہوئے کہا۔

" امی جان آج تو آپ کو بخار زیادہ معلوم ہو رہا ہے حکیم جی کی دوا بڑی مشکل سے ملی ہے معلوم نہیں وہ کیسا علاج کر رہے ہیں۔ کل تو میں ضرور آپ کو کسی بڑے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی"

انجم جہاں نے بات ٹالتے ہوئے کہا"

" نہیں بیٹی پریشانی کی کیا بات ہے۔ بیماری پرانی ہو گئی ہے۔ رفتہ رفتہ جائے گی۔ حکیم صاحب بیچارے کا کیا قصور ہے۔ تم چائے وغیرہ تو پی لو بہت تھکی ہوئی معلوم ہوتی ہو"

عروسہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ مایوس و مغموم ہو کر ماں کا سر دبانے لگی انجم جہاں کی حالت کافی خراب ہو چکی تھی۔ لیکن ناتجربہ کار عروسہ کو بالکل اندازہ نہ تھا۔ انجم جہاں کو صدمے، فکر و پریشانی نے اندر ہی اندر بالکل گھلا دیا تھا۔ لیکن وہ عروسہ کی وجہ سے ایک لفظ زبان سے نہیں نکالتی تھی ان کی عمر چالیس سال سے کچھ ہی اونچی ہوگی۔ لیکن حسن و جمال کا عکس اس خراب حالت میں بھی ان کے چہرے سے جھلکتا تھا۔

آیا کریمن نے چاء لاکر میز پر رکھدی۔ عروسہ نے پہلے ماں کے لئے چاء بنائی اور بمشکل چمچہ سے آہستہ آہستہ انھیں پلانے لگی۔ آج ان کے حلق سے کوئی چیز بھی نہیں اتر رہی تھی۔ وہ اپنی حالت کو اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔ وہ خوب جانتی تھیں کہ اب ان کی زندگی کچھ ہی دنوں کی رہ گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مغموم اور متفکر تھیں۔ انھیں عروسہ کا خیال تھا جو بالکل سیدھی سادی اور ناتجربہ کار تھی وہ سمجھتی تھیں کہ اس کے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا۔ جوان

کے ساتھ ہو چکا ہے۔ وہ اب اچھی طرح جان گئی تھیں اور انھیں تجربہ ہو گیا تھا کہ حق و انصاف اب اس دنیا سے نیست و نابود ہو چکا ہے۔"

چائے کے بعد انہوں نے اپنی ناتواں آواز سے کہنا شروع کیا۔

"بیٹی مسعود علی وکیل آج پھر آئے تھے۔"

عروسہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا "آج وہ کیا نئی بات کہنے آئے تھے؟"

انجم جہاں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"وہی جو پہلے کہہ چکے تھے۔ اب پھر سمجھانے آئے تھے۔"

عروسہ نے تنک کر کہا۔

"میں نے تو پہلے ہی ان کو صاف جواب دے دیا تھا۔ اب آج انہوں نے کیسے کیوں تکلیف کی۔ میں ان کی رائے پر ہرگز نہیں چل سکتی۔"

انجم جہاں نے جواب دیا۔ بیٹی تم ٹھنڈے دل سے غور کرو۔ اور سوچو میری رائے تو یہ ہے تم کو ان کی بات مان لینی چاہئے۔ وہ تمہارے ہی بھلے کو کہہ رہے ہیں۔ اس میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ تو ہے نہیں پھر میں کہتی ہوں کہ تم کیوں اس طرح تکلیف اٹھاؤ۔ مصیبتیں جھیلتی پھرو۔"

عروسہ نے عاجز ہو کر جواب دیا۔ "امی جان آپ بھی کیسی باتیں کرتی ہیں میں آپ کو چھوڑ کر ہرگز ابا جان کے پاس جا کر نہیں رہ سکتی۔ میں کس طرح آپ کو اس حالت میں چھوڑ دوں۔ مجھے نہیں چاہئے ان کی دولت۔ افسوس آپ اس حال میں پڑی ہیں اور وہ لوگ ہم سے بے نیاز دنیا کے ہر قسم کے عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کے ساتھ میں ہر مصیبت بڑی خوشی سے برداشت کروں گی۔"

انجم جہاں نے پھر مایوسی سے کہا۔ نہیں بیٹی تم میری ہرگز فکر نہ کرو۔

کیوں نہ تم ... باپ کے پاس جاکر رہو۔"

عروسہ نے جواب دیا۔

" امی جان آپ مجھ سے تو ایسی باتیں کہہ رہی ہیں لیکن میں یہ پوچھتی ہوں کہ آپ نے خود کیوں نہیں اپنا حق طلب کیا۔ آپ کیوں اتنے عرصہ خاموش رہیں۔ آپ کیوں اس طرح مصیبتیں جھیلتی رہیں؟"

انجم جہاں نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ عروسہ میرا ذکر مت کرو۔ مجھے خود معلوم ہے کہ میں بہت پست ہمت اور ڈرپوک ہوں۔ اگر مجھ میں ذرا بھی ہمت ہوتی تو میری یہ حالت نہ ہوتی۔ خدا نہ کرے جو کوئی عورت میری طرح ہو جائے۔ اور بیٹی اب زمانہ بھی بدل گیا ہے اب وہ چودہ سال پہلے والا زمانہ نہیں رہا ہے تم سمجھدار ہو۔ تمہیں اب کوئی مجھ سے نہیں چھین سکتا۔ تم روزانہ مجھ سے ملتی رہنا۔ میرا وقت تو کسی نہ کسی طرح گذر گیا۔ لیکن اب میں کس طرح اپنی آنکھوں سے تمہیں۔ تمہارے حق سے محروم ہوتے ہوئے دیکھوں۔ اب تمہیں باپ کی سرپرستی کی اشد ضرورت ہے۔"

عروسہ نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ نہیں امی جان چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مجھے ابا جان کے روپیہ پیسہ کی ضرورت نہیں۔ اب مجھے ان کی کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے ان کی سب چیزیں عارفہ کو مبارک رہیں مجھے معلوم ہے وہ اپنے آپ کو ابا جان کی اکلوتی بیٹی مشہور کر رہی ہیں۔

انجم جہاں نے پھر کہا۔ نہیں بیٹی یہ کوئی عقلمندی نہیں وہ تمہارے باپ ہیں چاہے جیسے بھی ہیں تم کیوں میری وجہ سے باپ کی شفقت سے

محروم رہو؟ میری غلطی سے تمہاری زندگی کیوں برباد ہو؟"
عروسہ نے جواب دیا۔" امی جان یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ آپ کو چھوڑ کر ابا جان کے پاس نہیں جاؤں گی۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ جب آپ ایسی ہی قابلِ نفرت تھیں تو ابا جان نے آپ سے شادی کیوں کی تھی؟"
یہ سنکر انجم جہاں کچھ دیر خاموش رہیں پھر آہستہ سے بولیں۔
"بیٹی یہ میری قسمت ہی میں لکھا تھا۔ میں مالدار گھرانے کی نہیں تھی۔ میرے والدین شریف اور متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ہمارے ہاں صرف تعلیم کو عورت مرد کیلئے سب سے بڑی دولت سمجھا جاتا تھا۔ میں تعلیم سے فارغ ہوئی تو۔۔۔"
اتنا کہہ کر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہوگئیں۔ عروسہ نے چمچہ سے پانی ان کے منھ میں ڈالا۔ اور بولی۔
امی جان آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے۔ تھکان ہو جائے گی۔ آپ ہرگز کسی قسم کا رنج نہ کریں خدا نے چاہا تو ہمارے پھر اچھے دن آجائیں گے۔" اس کے دل میں سرورش خوش بخت کی بات گھر کر گئی تھی۔
انجم جہاں نے جواب دیا۔
نہیں بیٹی میں جو کچھ کہنا چاہتی ہوں مجھے کہہ لینے دو۔ پورے واقعات تمہیں نہیں معلوم۔ کیوں کہ میں تو آج تک حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائی میں خوب سمجھتی ہوں تمہارے ابا جان کا اس میں زیادہ قصور نہیں ہے۔ بیٹی مرد آنکھوں سے نہیں دیکھتے صرف کانوں سے سنتے ہیں۔ انھیں دل کی خاموش صدا سنائی نہیں دیتی۔ جب تک اس میں آواز نہ ہو۔ خیر تو میں کہہ رہی تھی۔ کہ جب عارفہ کی ماں کا انتقال ہوا تو عارفہ پانچ چھ سال کی تھی ہمارے

ابا جان نے دوسری شادی کرنی چاہی ۔ اور جب ان کی طرف سے میرے واسطے پیغام گیا تو ہمارے ہاں والوں نے بخوشی منظور کر لیا قسمت کی خبر تو کسی کو نہیں ہوتی ۔ خاندان اور گھرانہ اونچا تھا ۔ بڑے لوگ تھے ۔ لیکن میری شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد تمہاری دادی اور پھوپھیوں نے اپنا طرز عمل بدل دیا ۔ وہ مجھ کو خوش دیکھنا نہیں چاہتی تھیں ۔ وہ ہرگز یہ نہیں چاہتی تھیں کہ میں گھر والی کی حیثیت سے رہوں ۔ میری ہر بات اور ہر کام پر ہزاروں عیب نکالے جانے لگے ۔ میری ہستی ہی انھیں ناگوار تھی ۔ ان کا خیال تھا کہ میں ان لوگوں کے برابر کی حیثیت کی نہیں ہوں ۔ وہ ہر وقت تمہارے ابا جان کے کان میرے خلاف بھرا کرتی تھیں ۔ میرے ساتھ بدسلوکی اور بدزبانی کی حد گذار دی تھی ۔ وہ مجھے نوکروں سے بدتر سمجھتی تھیں ۔ لیکن میں نے کبھی الٹ کر جواب نہ دیا اور یہی میری غلطی تھی ۔ چند ہی سال بعد تمہارے ابا جان کو ان کی ماں بہنوں نے میری طرف سے ایسا متنفر کر دیا کہ وہ میری صورت تک دیکھنے کے روادار نہ رہے ۔ تمہاری پھوپھیوں کی عجیب حالت تھی حسینہ اگرچہ بچوں والی تھیں ۔ لیکن وہ بھی بھائی کے گھر ہی رہا کرتی تھیں ۔ اور تمہاری پھوپھی نعیمہ بیگم تو جوانی ہی میں بیوہ ہو گئی تھیں ۔ تمہارے ابا جان کے گھر کا سارا انتظام وہی کرتی تھیں ۔ ہر چیز کی وہی مالک و مختار تھیں وہ مجھے گھر کی چیز کو بھی ہاتھ نہیں لگانے دیتی تھیں ۔ روپیہ پیسہ غرض کہ کل گھر انھیں کے ہاتھ میں تھا ۔ اور حقیقتاً ۔ ۔ ۔ وہی گھر والی تھیں ۔ میں تو صرف ایک ناخواندہ مہمان کی طرح بیٹھی رہا کرتی تھی زبان ہلانے کی بھی مجال نہ تھی ۔ لیکن پھر بھی صبر سے کام لیتی رہی ۔ میں نے زبان سے اف تک نہ کی ۔ میں تو حق و صداقت کی قائل تھی نہ کہ ظاہر داری اور دنیا سازی کی

نہیں آتی تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ ایک نہ ایک دن تمہارے ابا جان کی آنکھیں
کھل جائیں گی۔ اور وہ میری حالت کا اندازہ کر سکیں گے۔ لیکن میری قسمت
ہی خراب تھی۔ وہ اپنی ماں اور بہنوں کو حق پر سمجھتے تھے دونوں بہنیں
بہت ہوشیار قسم کی ہیں بھائی کی خوشامد اور بے جا تعریف کرنا ان کا
ایمان ہے اسی وجہ سے تمہارے ابا جان ان کی ہر بات مانتے اور سنتے
تھے حسینہ نے شادی کے بعد کبھی اپنا گھر نہ بسایا حالانکہ ان کے
شوہر احمد پور کے رئیس ہیں لیکن انھوں نے کبھی اپنے شوہر کی پروانہ
کی۔ اب سنتی ہوں بچوں کے بڑے ہونے پر اپنے گھر چلی گئی ہیں۔ اور
نعیمہ بیگم نے اپنے حصہ کی ساری جائداد اونے پونے بیچ ڈالی تھی۔ اور
اب بھائی کے گھر پر ان کا قبضہ ہے خیر مجھے ان باتوں سے کیا سروکار۔
اگر تمہارے ابا جان انصاف سے کام لیتے اور مجھے بیوی کی طرح سمجھتے اور
ماں بہنوں کو ان کی جگہ رکھتے تو میں ایسی نہ تھی کہ ان لوگوں سے نباہ نہ
کرتی۔ ان لوگوں کی باتوں اور سلوک نے میرے دل و جگر میں ناسور
ڈال دیئے تھے۔ ایک دن تمہاری دادی اور پھوپھیوں نے نہایت ہی
چھوٹی سی بات پر خواہ مخواہ کا جھگڑا کھڑا کر دیا۔ یہ اس وقت کا ذکر
ہے جب تم پانچ سال کی تھیں۔ تمہارے ابا جان کے دل میں تو پہلے ہی
میری طرف سے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ انھوں نے موقعہ غنیمت جانا
اور بغیر کسی بات یا قصور کے مجھے نکال دیا۔ اور تمہیں اپنے ہی پاس
رکھ لیا۔۔۔ لیکن تم۔۔۔"

اتنا کہہ کر انجم جہاں کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں بہنے لگیں۔
روتے روتے ہچکی بندھ گئی۔ ماضی کی بھولی بسری کہانی انھیں از سر نو یاد

آ گئی عروسہ ماں کی حالت دیکھ کر گھبرا گئی۔ انھیں بچوں کی طرح بہلانے لگی۔ اور طرح طرح سے تسلی دینے لگی۔ غصہ سے اس کا برا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنی پھوپھیوں اور باپ سے ان کے ظلم کا بدلہ لے۔ انجم جہاں کی نفرت کی بناء پر توفیق احمد نے عروسہ سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ وہ اسے اپنی بیٹی کہتے ہوئے بھی گریز کرتے تھے۔ وہ عارفہ ہی کو بے حد چاہتے تھے۔ لیکن ان کے قانونی مشیر مسٹر مسعود علی کو انجم جہاں اور عروسہ سے ہمدردی تھی۔ اور وہی توفیق احمد جہاندار سے انجم جہاں اور عروسہ کیلئے روپیہ وصول کر کے ان کی گذر اوقات کیلئے لایا کرتے تھے۔ اور انجم جہاں کو آکر سمجھایا کرتے تھے۔ کہ وہ عروسہ کو باپ کے گھر رہنے کے لئے بھیجدیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ عروسہ اپنے حق سے محروم رہے اور ہر چیز کی مالک عارفہ ہی سمجھی جائے۔ لیکن عروسہ کسی طرح ماں کو چھوڑنے پر رضامند نہ ہوئی تھی۔

جب انجم جہاں کی حالت ذرا درست ہوئی تو انھوں نے پھر کہنا شروع کیا تمہاری جدائی نے جو کچھ میرا حال کیا۔ وہ میں نہیں بتا سکتی بس یہ سمجھو کہ میں بالکل دیوانی سی ہو گئی تھی۔ ادھر تم پانچ برس کی جان میرے لئے تڑپتی تھیں۔ اور آخر تم ایسی بیمار پڑیں کہ تمہاری جان کے لئے کے دینے پڑ گئے۔ بہترا علاج ہوا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ آخر اس کرمین بیچاری کا خدا بھلا کرے اس سے تمہاری حالت نہ دیکھی گئی۔ اور ایک رات چپکے سے وہ تمہیں لیکر کسی نہ کسی طرح میرے پاس آ گئی۔ اس واقعہ نے اور بھی آگ پر تیل کا کام کیا۔ تمہارے ابا جان تو غصہ سے آپے سے باہر ہو گئے۔ اور اسی دن مجھے لکھ بھیجا۔ کہ آج سے عروسہ میری بیٹی نہیں ہے

اور میں نے اس کو غنیمت جانا کہ تم مجھے مل گیئں۔ تمہیں پاکر میں اپنے سارے غم بھول گئی۔

عروسہ نے لمبا سا سانس کھینچ کر کہا۔ ابّا جان کے کہہ دینے سے تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں ان کی بیٹی نہیں ہوں زبان سے انسان معلوم نہیں کیا کچھ نہیں کہتے۔ لیکن حقیقت، حقیقت ہی رہتی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ میں ان کی لڑکی ہوں۔ آپ میری وجہ سے پریشان نہ ہوا کریں۔ امی جان مجھے کچھ نہیں چاہیئے آپ کے ساتھ میں ہر سختی بڑی خوشی سے برداشت کر سکتی ہوں۔ یہ دنیا ایسی جگہ ہے یہاں لوگ۔ دوسروں کو تنگ کر کے نقصان پہونچا کر ہر قسم کی اذیت دیکر خوش ہوتے ہیں۔ امی جان آپ بالکل رنج نہ کیا کریں۔ یہاں کا یہی دستور اور قاعدہ ہے۔ انسان اپنی فطرت سے مجبور ہے ہر طاقتور کمزور کو دباتا ہے۔"

نجم جہاں نے رکتے ہوئے سانسوں سے کہا۔ بیٹی میں چاہتی کہ تم امیر زادی در بدر ماری ماری پھرو۔ تمہارے باپ مشہور آدمی ہیں۔ اتنی جائداد کے مالک ہیں۔ تجارت علیحدہ کرتے ہیں۔ کیوں نہ تم بھی انہیں کے پاس رہو۔ وہ تمہیں نکال تو سکتے نہیں ہیں۔ اب تم سمجھدار ہو۔ اپنا حق ثابت کرو۔ میری پرواہ مت کرو۔ میں تو اب چند دن کی مہمان ہوں۔"

اس کے آگے وہ کچھ نہ بول سکیں۔ عروسہ نے رنجیدہ لہجہ میں جواب دیا۔ امی جان آپ ایسی باتیں نہ کیجئے کیا فائدہ مجھے رنج پہونچانے سے میں ویسے ہی پریشان ہوں۔

نجم جہاں نے بیکسی سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ اچھا بیٹی اب میں کچھ نہ کہوں گی۔

بڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ عروسہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے وہ برابر ماں کا سر دبا رہی تھی۔

اب رات زیادہ آ گئی تھی۔ جاڑے کی لمبی اور سنسان رات۔ گھر کا کام دھندا کر کے کریمن بھی وہیں آکر بیٹھ گئی تھی۔ انجم جہاں کو غنودگی سی آ رہی تھی لیکن عروسہ سمجھ رہی تھی۔ کہ وہ سو گئی ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ تھکن سی ہو کر وہ بھی فرش پر تکیہ رکھ کر خاموش پڑ گئی۔ دماغ میں طرح طرح کے خیالات چکر لگا رہے تھے۔ توفیق احمد جہاندار، عارفہ، حسینہ بیگم، نعیمہ بیگم اور دادی کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ حسینہ بیگم اور نعیمہ بیگم کی صورتیں اس کے دماغ میں بن بن کر بگڑ رہی تھیں۔ اس کو ان کی شکلیں بڑی بھیانک اور ڈراؤنی معلوم ہو رہی تھیں۔ وہ سوچتی آخر امی جان نے ایسا کیا قصور ہوا تھا جس کی انھیں ایسی سخت سزا دی گئی۔ کاش میں امی جان کا بدلہ ان لوگوں سے لیتی۔ افسوس میں تو امی جان کیلئے کچھ بھی نہیں کر سکی۔ وہ بڑی دیر تک خاموش پڑی رہی۔ خیالات کا ایک سیلاب سا امنڈا چلا آ رہا تھا۔ سوچتے سوچتے اس کو نیند آنے لگی۔ اور کچھ دیر کے بعد غفلت کی نیند نے اس کو تمام الجھنوں سے چھٹکارا دلا دیا۔ اور خواب میں سر دتی؟ خوش بخت اسکے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا اور عروسہ کے ہونٹ بھی متبسم تھے۔ ادھر انجم جہاں بیچاری اپنی زندگی کی گنتی کے آخری سانس پورے کر کے رنج و غم سے آزاد ہو رہی تھیں۔ اور حکیم جی کی دوا کے سبز سبز پتے ایک طرف کونے میں پڑے مرجھا رہے تھے۔"

⁂

صبح جب عروسہ کی آنکھ کھلی تو اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ وہ ماں کے مردہ جسم سے لپٹی بری طرح رو رہی تھی۔ امی جان مجھے نہیں معلوم تھا۔ آپ مجھے تنہا چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلی جائیں گی۔ ہائے میری امی جان اب میں کہاں جاؤں۔ میں آپ کو کہاں تلاش کروں۔ اب مجھے کون تسلی دے گا۔ کس کی محبت کے سہارے جیوں گی۔ آپ نے میری حالت پر بھی تو رحم نہ کھایا۔ خداوندا اس اپنی آنکھوں سے یہ کیا دیکھ رہی ہوں ... کوئی بتائے کہ انھیں کیا ہو گیا۔ امی جان بولتی کیوں نہیں ... اب میں کیا کروں۔ شام تک تو اچھی خاصی باتیں کر رہی تھیں! ... افسوس مجھے نیند کیوں آ گئی ... میں تو سمجھ رہی تھی کہ یہ سو رہی ہیں۔

یہ نہیں معلوم تھا کہ ہمیشہ کیلئے سونے والی ہیں افسوس امی جان اب زندگی بھی بے کار ہو گئی ہے۔ میں کہاں کہاں ماری ماری پھروں گی۔ کہاں کہاں ٹھوکریں

کھاؤں گی۔ مجھے یہ امید نہ تھی کہ اتنی جلدی آپ سے ہمیشہ کیلئے جدائی ہو جائیگی افسوس امی جان زندگی میں آپکی کسی نے قدر نہ کی آپ کو ٹھکرا دیا گیا۔ آپ نے کیسی کیسی سختیاں جھیلیں لیکن زبان سے اف تک نہ کی آپ کی جگہ کوئی دوسری عورت ہوتی تو یہ نوبت نہ آتی امی جان آپ تو صبر و ضبط کی دیوی تھیں اب میں آپ کو کہاں پاؤں گی ؟"

لیکا یک ایسے بڑے صدمہ نے اس کا دماغی توازن کھو دیا تھا اور وہ اپنی رو میں کہے چلی جا رہی تھی۔ اور ماں کی پٹی سے سر ٹکائے مچھلی کیطرح تڑپ رہی تھی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی کہ اس کا گھر محلہ پڑوس کی عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ کچھ نہ دیکھ سکتی تھی۔ انجم جہاں کی موت کی خبر محلہ میں جس کو پہنچی وہی گھر میں آتا۔ زیادہ تر عورتیں نیچے طبقے کی تھیں۔ سب کو عروسہ کے ساتھ دلی ہمدردی تھی۔ اس کی حالت دیکھ دیکھ کر سب رو رہی تھیں اور اپنی اپنی عقل اور سمجھ کے مطابق اسے تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھیں۔ محلہ کے ماسٹر کی بیوی نے آکر عروسہ کو گلے لگایا۔ وہ بیقراری میں انھیں سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس کا اپنا تو کوئی تھا ہی نہیں۔

دو تین گھنٹے اس کو اسی طرح ماں کی مسہری کے قریب روتے تڑپتے گذر گئے۔ محلہ کی شریف اور ہمدرد عورتوں نے مل کر انجم جہاں کی تجہیز و تکفین کی تیاری شروع کر دی۔ عروسہ ایک ایک چیز اور پھر ماں کو پھٹی پھٹی آنکھوں اور حسرت کی نظر سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ بس وہ تو ایک بات جانتی تھی۔ کہ یہ سب تیاری اس کی ماں کو ہمیشہ کیلئے اس کی آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لئے ہو رہی ہے۔ دوپہر تک انجم جہاں کا جنازہ تیار ہو گیا۔

عروسہ دروازہ میں کھڑی حسرت و یاس سے ماں کے جنازہ کو جاتا
ہوا دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں سے زار و قطار آنسوؤں کی لڑیاں بہہ رہی تھیں
لیکن اس وقت وہ بالکل خاموش تھی صرف آنسوؤں کا سیلاب رواں
تھا۔ جب اسکی ماں ہمیشہ کیلئے آنکھوں سے اوجھل ہوگئیں تو وہ بھی
نڈھال ہوکر کمرہ میں آکر فرش پر گر پڑی اور پھر اسے بڑی دیر تک ہوش نہ آیا۔
شام ہوگئی اور عروسہ خاموش پڑی تھی۔ چاروں طرف سے باتوں کی
آوازیں آرہی تھیں۔ لیکن وہ سمجھ کچھ بھی نہ سکی تھی۔ اس کو اگر کسی سے
محبت تھی تو وہ ماں تھی اور کسی کی محبت اسے معلوم ہی نہ تھی کہ کیا ہوتی
ہے۔ اب رات ہوگئی تھی اور دالان کے ستون کے سہارے سنگ مرمر کے بت
کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ اس کی سمجھ کام نہیں کررہی تھی کہ یہ ہوکیا گیا۔
اس کا دل و دماغ سُن ہوچکا تھا۔ جب سے اس وقت تک اس کے منہ میں
کھیل کا دانہ تک نہ پہونچا تھا۔ کریمن نے بمشکل اس کو ایک پیالی چاء پلائی
لیکن اس کا حلق جیسے بالکل سوکھ گیا تھا۔ رات کو ماسٹر کی بیوی اور لڑکی
اس کے پاس رہیں۔ وہ بڑی ہمدرد اور شریف عورت تھیں۔ لیکن عروسہ کی
تمام رات ٹہل ٹہل کر گذری۔ آخر صبح ہوتے ہوتے وہ بالکل ہی بے دم ہوکر پڑ گئی۔
اسی حالت میں کئی دن گذر گئے۔ کریمن بڑی مشکل سے اس کو دن
میں دو چار لقمے کھلا دیا کرتی تھی۔ اس کا پھول سا چہرہ بالکل مرجھا گیا تھا
بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں ہر وقت ماں کو تلاش کرتی ہوئی ایک ایک
چیز پر آکر ٹھہر جاتی تھیں۔ وہ نہیں سمجھتی تھی کہ اس کی بقیہ زندگی کس طرح
گذرے گی۔ اسے اپنی حالت کا اب اندازہ ہوچلا تھا۔ اسے انجم جہاں
کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط بھی ملا تھا جس میں انہوں نے خواہش ظاہر کی

تھی کہ وہ ان کے بعد فوراً باپ کے پاس چلی جائے گی لیکن توفیق احمد جہاندار کے ہاں سے کسی نے الٹ کر پوچھا تک بھی نہیں۔

انجم جہاں کو مرے ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہو چکا تھا۔ شام کا وقت تھا۔ عروسہ چھوٹے سے دالان میں غم کی تصویر بنی ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی کچھ سوچ رہی تھی۔ کریمن اس کی کرسی کا پایہ پکڑے ادھر ادھر کی گپ شپ کر کے اس کا غم غلط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

دروازہ میں کچھ آہٹ ہوئی اس نے نگاہ اٹھائی تو اپنے باپ توفیق احمد جہاندار کو اندر آتے ہوئے دیکھا۔ اس کی یاد میں یہ پہلا موقع تھا۔ جو اس نے اپنے باپ کو اس گھر میں قدم رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔ ویسا وہ باپ کو پہچانتی ضرور تھی۔ ایک آدھ مرتبہ بازار یا سڑکوں وغیرہ پر وہ انھیں دیکھ چکی تھی۔ لیکن توفیق احمد نے اس کو چودہ سال سے نہ دیکھا تھا۔ انھیں وہ پانچ چھ سال کی بچی ہی یاد تھی۔ کریمن نے چپکے سے کہا۔

بی بی آپ کے ابا جان آرہے ہیں۔

توفیق احمد جہاندار کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان ہوگی۔ وہ بھورے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ کافی جسیم آدمی تھے۔ چہرہ داڑھی مونچھ سے صاف تھا۔ لیکن رعب اور امارت چہرہ سے ٹپکتی تھی۔ سیاہ موٹے فریم کا چشمہ لگائے ہوئے تھے ہاتھ میں ایک موٹی سی چھڑی لئے ہوئے تھے وہ آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھ رہے تھے۔ عروسہ کرسی سے کھڑی ہو گئی اور سہمی ہوئی نگاہوں سے ان کو دیکھنے لگی۔ انہوں نے اس کو شرمسار نگاہوں سے دیکھا وہ کچھ بولنا چاہتے تھے۔ لیکن بول نہ سکے۔ لیکن عروسہ کو دیکھ کر ان سے ضبط نہ ہو سکا۔ جلدی سے ہاتھ پھیلا کر اسکی طرف بڑھے

۔

عروسہ جو ماں کی محبت ہمیشہ کیلئے کھو چکی تھی لیکن ایک غیر متوقع طور پر باپ کی شفقت دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ اور وہ بے اختیار دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ باپ نے اس کو گلے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہہ نکلا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں پہلی بار بیٹی پر پیار کر رہی تھی۔ اس کی ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ توفیق احمد کی بھی یہی کچھ حالت تھی۔ آنسو ان کی آنکھوں سے رواں تھے پشیمانی میں وہ اپنے ہاتھ مل رہے تھے انھیں شان و گمان بھی نہ تھا کہ انجم جہاں اس قدر جلد دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہو جائیں گی۔ اب انھیں رہ رہ کر بیتے ہوئے مظالم اور زیادتیاں یاد آ رہی تھیں، جو انہوں نے ان کے ساتھ کی تھیں۔ وہ اپنے دل میں خود کو ایک مجرم ایک قاتل تصور کر رہے تھے۔ انجم جہاں کی تصویر صورت ان کی آنکھوں میں پھر رہی تھی۔ اب انھیں اپنی زبردست غلطی، ایک بھول کا بری طرح احساس ہو رہا تھا۔ ان کے دل کو جیسے کوئی چٹکیوں سے مسل رہا تھا۔ اس وقت انھیں شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ انھوں نے قدرت کا دیا ہوا ایک بہت قیمتی عطیہ ہمیشہ کے لئے کھو دیا ہو۔ اب حقیقت ان کے دل اور آنکھوں سے پردے ہٹ گئے تھے لیکن اب وقت گذر چکا تھا۔

جانے کب تک وہ عروسہ کو گلے لگائے روتے رہے۔ اور کچھ دیر بعد ان کی حالت درست ہوئی تو عروسہ سے کہا:

بیٹی گھر چلو۔ میں تمھیں اب اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔ مجھے ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ اتنی جلد تمہاری ماں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ افسوس تو یہ ہے کہ میں شہر میں بھی موجود نہ تھا۔ آج ہی شام کو واپس آیا ہوں۔ تو یہ خبر سنی۔

اُف تنہائی میں تم پر اتنا بڑا صدمہ پڑا۔ بیٹی میں تم سے بہت نادم ہوں اور یہ افسوس مجھے تمام زندگی رہے گا۔ کہ آخری وقت میں تمہاری ماں سے اپنی ناانصافیوں کی معافی نہ مانگ سکا۔"

عروسہ جو اب ایک کرسی پر خاموش بیٹھی تھی۔ توفیق احمد کی باتیں سنکر بے حد متعجب ہوئی۔ لیکن اُس کا غم آنسوؤں سے کچھ ڈھل گیا تھا۔ اور باپ کی طرف سے جو میل اور کدورت اس کے دل میں تھی۔ وہ اب ان کی شفقت سے چھٹ چکی تھی۔ اور وہ کچھ بھی نہ بول سکی۔ توفیق احمد نے اُس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لیکر باہر چلے گئے۔ اور موٹر میں بیٹھا دیا۔ وہ چپ چاپ گردن جھکا کر باپ کے پاس بیٹھ گئی

•
∴

"جہاندار منزل" شہر کے سب سے بہتر علاقہ میں آباد تھی اور جب عروسہ وہاں پہونچی تو شام ہو چکی تھی۔ توفیق احمد اُس کو اپنے ساتھ لئے ہوئے گھر میں پہونچے۔ کمرہ میں قالین پر ایک طرف۔ نعیمہ بیگم پاندان کھولے بیٹھی ہوئی تھیں جب انہوں نے عروسہ کو آتے ہوئے دیکھا تو جلدی سے آگے بڑھ کر جھپٹ عروسہ کو گلے سے چمٹا لیا اور لمبی لمبی آہیں بھرنے لگیں۔ پھر بولیں۔"

بہت اچھا کیا بھیا جو بچی کو تم یہاں لے آئے خدا کی قسم مجھے تو بھابی کے مرنے کی خبر ابھی ہوئی ہے۔ میں نے نماز پڑھ کر وظیفہ ختم ہی کیا تھا جو اس نامراد کلو نے مجھے یہ بدخبر سنائی ہے۔ اور بتایا کہ صاحب وہیں گئے ہوئے ہیں۔ مجھے تو معلوم ہی نہ ہوا۔۔۔ کیا بیوی نہ تھا۔ ہے"

کلو بھی خوش خوش عروسہ اور توفیق احمد کے پیچھے ہی چلا آرہا تھا۔ نعیمہ بیگم کی بات سنکر بولا "نہیں تو بیگم صاحب، جس دن ان کا انتقال ہوا

تھا مجھے اسی دن پتہ چل گیا تھا۔ میں تو ان کے زمانہ میں بھی شریک ہوا تھا اسی وجہ سے تو مجھے آنے میں دیر ہوئی تھی۔ اور جب میں نے آپ سے کہا تھا تو یاد ہے آپ نے مجھے کس قدر ڈانٹا تھا۔"

اب نعیمہ بیگم عروسہ کو چھوڑ کر کلو کی طرف لپکیں "چل کمبخت جھوٹ بولتا ہے اور وہ بھی مجھ سے۔ اتنا بڑا موذی اور بے ایمان تو میری نظر سے نہیں گذرا۔ جیسا تو ہے۔ بھیا تم نے اس کو بہت سر چڑھا رکھا ہے۔ میرا بس چلے تو فادر جوتیوں سے اس کا نرشوں کروادوں۔"

کلو جھوٹ کمرہ کے باہر نکل گیا۔ اور نعیمہ بیگم پھر عروسہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔"

اے بچی چار دن میں سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ ہائے ماں کا غم بہت بڑا ہوتا ہے ہمارا تو بڑھاپا آگیا۔ لیکن اماں کا صدمہ نہیں جاتا۔ معلوم ہوتا ہے جیسے وہ آج مری ہیں۔"

یہ کہہ کر انھوں نے پھر دو چار سرد آہیں بھریں اور بولیں۔

اے بچی بھوکی ہوگی۔ ارے کلو اس کے کھانے کے لئے الماری میں سے مٹھائی نکال کرلے آ۔ دیکھ اور کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا بٹو۔"

کلو نے پھر کمرے میں سر ڈال کر کہا۔

بیگم صاحبہ، الماری میں اب ہے ہی کیا چیز جس کو میں ہاتھ لگاؤں گا تھوڑی مٹھائی تھی وہ بھی معلوم ہوتا ہے بلی کھا گئی۔

نعیمہ بیگم۔ نے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔

مٹھائی بلی کھا گئی تو بازار سے لیکر آ۔ بچی کو کیا کھلاؤں گی۔ جو چیز ہوتی ہے ختم ہو جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہاں سے بلی آجاتی ہے۔"

توفیق احمد نے بات ٹالتے ہوئے جواب میں کہا۔
یہ مٹھائی کھانے کا وقت نہیں ہے رات کو کھانے پر دیکھا جائیگا۔
پھر عروسہ سے بولے چلو بیٹی اب تم اپنی بڑی بہن عارفہ سے مل لو۔
اس کو تمہارے آنے کی خبر نہیں ہے۔"
یہ کہہ کر وہ اس کو اپنے ساتھ لئے ہوئے عارفہ کے کمرے میں گئے عارفہ اس وقت کمرہ میں صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی عروسہ نے اس کو نظر بھر کے دیکھا اسکی عمر پچیس چھبیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔اس کا رنگ اچھا خاصا گوارا تھا اور چہرہ بار سنگھار سے آراستہ تھا۔ کچھ کچھ موٹے ہونٹ بالکل گلنار رنگ کے لپ اسٹک سے رنگے ہوئے تھے۔بڑی بڑی سنجیدہ آنکھیں ولایتی کاجل سے خوب روشن تھیں۔رخساروں کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں اور پوڈر سے گلابی تھیں۔چوڑی پیشانی پر سیدھے بالوں کی چھوٹی چھوٹی کٹی ہوئی جھالر سی پڑی ہوئی تھی۔پیچھے کے بال بہت زیادہ اونچے ترشے ہوئے تھے۔وہ سر سے پیر تک سیاہ لباس پہنے ہوئے تھی۔توفیق احمد نے کہا۔
عروسہ بیٹی ان سے ملو یہ تمہاری بڑی بہن عارفہ ہیں۔"
یہ سنکر عارفہ کھڑی ہوگئی۔ عروسہ اس کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرنے لگی۔لیکن عارفہ اس کو دیکھ کر غمزدہ صورت بنانے کی فکر کررہی تھی کچھ دیر دونوں ایکدوسرے کو دیکھتی رہیں۔آخر توفیق احمد نے دونوں کو گلے ملوایا اور عارفہ سے کہا۔
بیٹی یہ تمہاری چھوٹی بہن ہے ابھی یہ غمزدہ اور دل شکستہ ہے رفتہ رفتہ تم سے گھل مل جائے گی۔امید ہے تم اس کا خیال رکھو گی مجھے بڑی خوشی ہوگی۔جب تم دونوں بہنیں مل جل کر ہنستی خوشی رہوگی اور ایکدوسرے

کا خیال رکھوگی ۔ اچھا اب تم دونوں باتیں کرو ۔ میں کلو سے کہہ کر عروسہ کے لئے تمہارے برابر والا کمرہ درست کرائے دیتا ہوں ۔"

یہ کہہ کر وہ کلو کو کمرے کے متعلق ہدایت دیکر اپنے کمرہ میں چلے گئے اس وقت وہ بھی بڑے دل شکستہ ہو رہے تھے اور انھیں رہ رہ کر بیس سال پہلے کا زمانہ یاد آ رہا تھا ۔ اور پھر اس کے بعد کا عرصہ بھی ان کے پیش نظر تھا انھیں اپنے ظلم و زیادتیاں رہ رہ کر ستا رہی تھیں ۔ وہ یہ بھی سوچ نہیں سکتے تھے کہ ان کے کھیلے ہوئے ناٹک کا انجام اس قدر المناک ہوگا ۔ وہ تو صرف اپنی طاقت اور امارت کا تماشہ دکھا رہے تھے ۔ انھیں کیا معلوم تھا کہ کمزور اس میں اس قدر جلد کچل کر بے نام و نشان ہو جائیگا ۔ وہ کف افسوس ملتے ہوئے اپنے بستر پر خاموش آنکھیں بند کرکے لیٹ گئے ۔"

عارفہ نے عروسہ کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے ہمدردی سے کہا ۔

" مجھے تمہارے ساتھ دلی ہمدردی ہے تمہاری امی کے انتقال کو سنکر مجھے بہت صدمہ ہوا ۔ ہم لوگ شہر میں نہ تھے ۔ ابا جان شکار کیلئے باہر گئے تھے اور میں بھی انکے ساتھ گئی تھی ۔ ہم لوگ آج ہی واپس آئے ہیں ۔"

عروسہ خاموش تھی ۔ آخر اس نے کہا ۔

عارفہ آپا میں آپ کی ہمدردی کی دل سے شکر گذار ہوں ۔ میرا دماغ بیکار ہو رہا ہے ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا بات کروں ۔

عارفہ نے پھر اسی لہجہ سے کہا ۔ واقعی مجھے بہت افسوس ہے کہ اس وقت ہم تمہارے پاس موجود نہ تھے ۔

اب عروسہ نے بات کو بدلنا چاہا ۔ وہ جانتی تھی کہ یہ سب بالکل رسمی چیزیں ہیں ورنہ حقیقت تو کچھ اور ہی تھی ۔

عروسہ محسوس کر رہی تھی کہ باوجود اس قدر عیش و آرام کے عارفہ کچھ کھوئی کھوئی اور متفکر سی ہے نہ معلوم کیا وجہ ہے، کہ یہ ہر چیز سے بیزار سی معلوم ہوتی ہے۔ اس کو ایک سال کی پیشتر کی وہ تصویر یاد آگئی۔ جب عارفہ نے ایم۔اے پاس کیا تھا۔ اور کسی اخبار میں اس کی تصویر چھپی تھی اس تصویر میں تو عارفہ بہت خوش اور بشاش معلوم ہوتی تھی۔ خوشی اور شادمانی اس کی آنکھوں سے ٹپکتی تھی لیکن اب یہ بجھی بجھی سی دکھائی دیتی ہے۔"

یکایک عارفہ نے اپنا پرس کھول کر اس میں سے رومال نکالا۔ رومال کے ساتھ ہی پرس میں سے ایک کاغذ کا ٹکڑا سا نکل کر عروسہ کے پیروں پر گر پڑا۔ عارفہ اپنی پیشانی پونچھ رہی تھی۔ عروسہ نے جھک کر وہی کاغذ کا ٹکڑا اپنے پیروں سے اٹھالیا۔ اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہ تو سرورش خوش بخت کی تصویر ہے۔ وہ تصویر کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ سرورش کا مسکراتا ہوا چہرہ اس کے سامنے تھا پھر اس نے وہ تصویر عارفہ کو دیتے ہوئے کہا "لیجئے یہ تصویر رومال کے ساتھ آپ کے پرس میں سے نکل پڑی۔"

عارفہ نے لاپرواہی سے تصویر لیکر اپنے بٹوہ میں ڈال لی۔ اور عجیب مایوسی کے انداز سے بولی۔

"اوہو! کوئی بات نہیں اگر یہ تصویر بھی میرے پاس نہیں رہنا چاہتی تو میں کیا کروں؟"

یہ کہہ کر وہ ایک کھوکھلی ہنسی ہنس پڑی۔ عروسہ اس کو بغور دیکھ رہی تھی۔ آپ ہی آپ معلوم نہیں کیوں اس کے دل پر ایک دھکا سا لگا۔ عارفہ پھر خود ہی اس طرح بولی جیسے اپنے آپ سے کہہ رہی ہو۔

لیکن سروش کو میں ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ میرا خیال تھا وہ دوسرے لوگوں سے مختلف ہا ہے۔"

عارفہ کے لب ولہجہ میں کچھ عجیب درد اور سوز تھا جو عروسہ نے اچھی طرح محسوس کیا۔

عروسہ کو جہاندار منزل میں رہتے ہوئے دو مہینہ سے زیادہ ہو چکے تھے۔ اس کی پہلی اور موجودہ زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اب اسے بے فکری سے اچھے سے اچھا کھانے کو ملتا۔ قیمتی سے قیمتی لباس وہ بھی پہنتی۔ باپ اس کی بہت دلجوئی کرتے تھے۔ اب وہ اپنی ظلم و زیادتی کی کسر اچھی طرح نکال رہے تھے اس کے آرام و آرائش کا بیحد خیال رکھتے تھے۔ اور اپنے حتی الامکان اس کا دل بہلانے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ ہر بات میں وہ عارفہ کی برابر کی شریک سمجھی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اس کی چھوٹی پھوپھی حسینہ بیگم ان کی لڑکی روح افزا اور لڑکا آفتاب بھی تقریباً روزانہ آتے رہتے تھے۔ اور خلاف توقع وہ لوگ اس سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ اور اس کے لئے روزانہ کسی نہ کسی نئی تفریح کا انتظام کرتے تھے۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود عروسہ کے دل سے ماں کا صدمہ کم نہ ہوتا تھا۔ دن کے ہنگامہ میں تو کچھ ایسا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن رات کو جب وہ اپنے کمرے میں سونے کے لئے لیٹتی تو ماں کی صورت اس کی آنکھوں میں پھرنے لگتی۔ ان پر جو مظالم اور سختیاں اس گھر میں ہوئی تھیں۔ ان کا خیال کر کے اس کا دل یہاں کی ہر چیز سے بیزار ہو جاتا کچھ دیر کے لئے سب لوگ اسے اپنے دشمن معلوم ہونے لگتے۔ اسے سب سے نفرت ہو جاتی ماں کی بیماری کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھر جاتا حکیم جی کا دیکھنا اور طرح طرح کی جڑی بوٹیوں کی فرمائش کرنا اور پھر اس کا ان کی تلاش میں

ادھر ادھر جانا اس وقت یہ سب لوگ۔ کہاں گئے کیا یہ لوگ عیش و آرام سے اپنا وقت نہیں گذار رہے تھے اور پھر سب سے آخر میں سروش خوش بخت کے بڑے باغ میں جانا اس سے بات چیت کرنا اس کا سنجیدہ اور خوبصورت چہرہ اس کی آنکھوں میں پھر سے لگا۔ سروش کے کہے ہوئے ہمدردی کے الفاظ اسے ابھی تک یاد تھے۔ اس دن کے بعد سے سروش سے پھر کبھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ پھر عارفہ کے پاس اس کی تصویر دیکھی اور عارفہ کے کہے ہوئے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

لیکن خوش بخت کو وہ یہاں کے لوگوں سے مختلف سمجھتی تھی۔

اس دو مہینہ کے عرصہ میں عروسہ نے کبھی کسی کے منہ سے سروش کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔ لیکن عارفہ کی باتوں اور طرز عمل سے اس کو یہ ضرور معلوم ہوگیا تھا کہ پچھلے دو سال میں عارفہ اور سروش کے تعلقات اور مراسم بہت گہرے تھے۔ اور پھر یک لخت ان دونوں میں کچھ ایسی نااتفاقی ہوگئی کہ گھر میں کوئی بھی سروش کا نام نہیں لے سکتا تھا۔

آخر کو عروسہ اپنی بے چینی پر قابو پانے پر مجبور ہو جاتی تھی، نہ ماں باپ اس کو مل سکتے تھے اور نہ اب سروش خوش بخت سے دوبارہ ملنے کی امید رہی تھی۔ آخر یہ سب اس کے ساتھ ہی کیوں ہوا؟

آنسوؤں سے اس کا تکیہ دیر تک بھیگتا رہا۔

سردی کا موسم ختم ہو رہا تھا۔ گرمی کا آغاز تھا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔
توفیق احمد دن کے وقت زیادہ تر اپنے کاموں میں رہتے تھے اس کے بعد وہ
اپنا وقت زیادہ تر عبادت میں گذارنے لگے تھے۔ انجم جہاں کی موت کے
بعد یہ بڑی تبدیلی ان میں رونما ہوئی تھی۔
اور نعیمہ بیگم دالان میں تختوں کے فرش پر پاندان کے قریب بیٹھی ہوئی
چھالیاں کاٹا کرتی تھیں۔ اور کسی کو قریب آتا دیکھ کر جلدی سے تسبیح کے
دانے پھرانے لگتی تھیں۔ یا پھر کلو سے حساب فہمی کرتی رہتی تھیں۔ اس کے
علاوہ ادھر ادھر کے آنے جانے والوں سے حلوا سوہن اور بالوشاہیوں کا بھاؤ
معلوم کرنے کی فکر میں رہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ کلو جو چیز بازار سے لاتا
ہے ضرور مہنگی لاتا ہے اور دو چار آنے یقینی بچا لیتا ہے ان سب باتوں کے
علاوہ ان کا ایک مشغلہ اور بھی تھا۔ وہ دن میں کئی کئی مرتبہ اپنے کمر بند سے
چابیوں کا گچھا نکال کر اپنے مخصوص بکس کو جو ان کے پلنگ کے نیچے رہتا تھا

کھولتی تھیں اور گھر کے خرچ میں سے بچائے ہوئے روپیہ کو کئی کئی بار گنتی تھیں۔ انکے خیال میں کلو حد درجہ کا چور بھی ہے اور ضرور موقع پا کر ان کی محنت اور دماغ سے بچائے ہوئے روپیہ پر ہاتھ صاف کریگا۔ جس وقت وہ بکس کھولکر یہ کام کر رہی ہوتی تھیں تو آپ ہی آپ کہتی جاتی تھیں۔

اے ایسے موئے دھوبی کو تو دیکھو کم بخت نے میرے سارے دوپٹے پھاڑ ڈالے لو اس میں تو نمک باندھنے تک کو جگہ نہیں رہی اب اوڑھوں کیا؟" ستیاناس جائے موئے بے ایمان کا۔

اور جب دروازے پر کسی قسم کی آہٹ ہوتی تو فوراً بکس کا ڈھکنا بند کر دیتیں تھیں۔

اور عارفہ! اس کا تو طریقہ ہی عجیب تھا۔ عروسہ اس کی باتیں بہت کم سمجھتی تھی۔ اول تو عارفہ خود ہی بہت کم کسی سے بات چیت کرتی تھی اور اگر کبھی اتفاق سے گھر آئے ہوئے کسی مہمان سے بات کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں جلے کٹے فقرے اور طعن آمیز گفتگو سے آنے والے کی اچھی طرح تواضع کرتی تھیں۔ عروسہ نے کبھی اس کو سیدھی سادی بات کرتے نہیں سنا۔ وہ بڑی پر معنی بات کہتی تھی۔ جس کا مفہوم اس کے طنز بھرے جملوں میں بخوبی پایا جاتا تھا۔ وہ دنیا اور دنیا والوں سے بیزار معلوم ہوتی تھی۔ اس کو ہر طرح کا عیش و آرام تھا۔ نوکر چاکر ہر وقت اس کے اشاروں پر ناچتے تھے توفیق احمد اس کی بیجا ناز برداری کرتے تھے۔ اور نعیمہ بیگم بھی جب اس کو کمرے سے نکلتا دیکھ لیتی تھیں تو چپکے سے اپنی تسبیح جیب میں رکھ لیا کرتی تھیں۔ ان کی بھی اس کے سامنے تسبیح کے دانے پھرانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔ لیکن عارفہ کے مزاج کا پارہ ہر وقت بہت اونچا رہتا تھا۔ وہ کبھی کسی سے سیدھے منہ بات

نہیں کیا کرتی تھی ہر ایک کو جھڑک کر جواب دینا اسکی عادت میں شامل تھا۔ اگر کسی دعوت یا پارٹی کا ذکر سنتی تو بڑے طنز سے کہتی۔

مجھے معلوم ہے یہ دعوتیں اور پارٹیاں کیوں ہوتی ہیں۔ ان کی حقیقت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ سب ایک طرح کا ڈھونگ ہے جو رچایا جاتا ہے۔ دنیا خود ہی محض ایک ڈھکوسلا ہے۔ لڑکے لڑکیاں ایکدوسرے کو دھوکا دینے کے لئے بن سنور کر اپنا اپنا بازار لگاتے ہیں۔ مرد لڑکیوں کو رجھانے کے لئے بڑی بڑی دعوتیں اور پارٹیاں کرتے ہیں۔ اور وہ بے وقوف خوب ان کے پھندے میں پھنستی ہیں ان کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔ اس قدر ناچتی ہیں کہ آخر چکرا کر گر پڑتی ہیں۔ اور پھر وہ مرد انھیں چھوڑکر اوروں کی طرف چل دیتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مرد کے وجود سے ہی عورت کی زندگی مسرت سے محروم ہوگئی ہے مگر ان کی آنکھیں پھر بھی نہیں کھلتیں۔ یہاں تک کہ ان کی تمنائیں مرجاتی ہیں اور مرد ان کی مسرت کو کھوکر پھر ایک دنیا بسا لیتا ہے۔ لیکن عورت اس کے فریب میں آکر اپنا سب کچھ کھو بیٹھتی ہے دھوکہ فریب دغا بازی۔ یہی تو اصلیت ہے۔

ایک روز سب لوگ بیٹھے ہوئے ڈرائنگ روم میں شام کی چاء پی رہے تھے۔ عارفہ کی چائے اس کے کمرے میں جاچکی تھی۔ کیونکہ وہ کبھی کسی کے ساتھ چائے وغیرہ نہیں پیتی تھی۔ توفیق احمد بھی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ نعیمہ بیگم نکتیاں چکھنے میں مصروف تھیں۔ اور عروسہ سے کہہ رہی تھیں۔

اے لڑکی چکھ کر تو دیکھو۔ خانساماں نے اچھی خاصی تو بنائی ہیں۔ ایک ذرا تو الم بیتلا ہوگیا ہے آئندہ جو بنائے گا تو اس کا خیال رکھے گا۔

توفیق احمد نے عروسہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

عروسہ بیٹی میرے واسطے اوولٹین بنا دو۔ بلکہ ہلکی سی چائے بنا کر اس میں اوولٹین بھی ملا دو اور تم خود اس وقت بھی ایک گلاس دودھ پیا کرو۔

عروسہ نے جواب دیا۔ ابا جان آپ کے حکم سے دودھ میں رات کو گلاس بھر کر پیتی ہوں۔

توفیق احمد نے سر ہلا کر کہا۔ نہیں بیٹی تم صبح و شام بجائے چائے وغیرہ کے دودھ ہی پیا کرو رات کو ایک گلاس پینے سے کوئی فائدہ نہیں۔

عروسہ نے سر جھکا کر جواب دیا۔ بہت اچھا۔

نعیمہ بیگم نے اپنی پلیٹ چمچے سے صاف کرتے ہوئے بڑے حوصلہ اور فیاضی سے کہا۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے اب میں دودھ والے سے کہلوا دوں گی۔ کہ کل سے دودھ اور زیادہ لیا جائے گا۔ کچھ بھی ہو بچی کی صحت سے زیادہ کوئی چیز تھوڑی ہے۔ وہ نگوڑا ایک گلاس ہوتا ہی کتنا ہے جو یہ پیتی ہے۔

توفیق احمد نے کہا جی ہاں یہ دبلی اور کمزور ہے بیٹی تم ناشتہ پر عیدہ اور مکھن کی ٹکیہ اور پنیر کھایا کرو۔ آخر یہ سب چیزیں کس لئے آتی ہیں۔

یہ سنکر نعیمہ بیگم دل میں گھبرائیں۔ لو یہ ایک خرچ اور بڑھا۔ اب ایک نیجواد اس کے لئے بھی مکھن لیا جایا کریگا۔ تو اس حساب سے چار مکھن روزانہ کے ہوئے دو ٹکیہ عائشہ کی تو الگ ہوتی ہی ہیں۔ ایک عروسہ کی اور بڑھ گئی۔ خیر اس کی کسر کہیں اور سے نکالوں گی۔

عروسہ نے اپنے واسطے گلاس میں دودھ نکالا ہی تھا کہ حسینہ بیگم کے لڑکے آفتاب احمد نے کمرے میں جھانکا۔ اور توفیق احمد کو دیکھ کر ذرا ٹھٹکا لیکن نعیمہ بیگم نے اس کو دیکھ لیا تھا۔ وہ بولیں۔

آؤ آفتاب بیٹے آؤ۔ وہاں کیوں کھڑے ہو۔ اندر آجاؤ۔ بہن کو کیوں شرماتے

لیتے آئے؟

آفتاب آکر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ ماموں کے سامنے آتے ہوئے ذرا گھبراتا تھا۔ اس لئے خاموش ہی بیٹھا رہا۔ دو چار ادھر ادھر کی باتیں کرکے توفیق احمد تو اپنے کمرے میں چلے گئے۔ باتوں کی آواز سنکر عارفہ نے آکر ڈرائنگ روم کے دروازے میں سے جھانکا۔ اور آفتاب کو دیکھ کر بولی۔ اوہو آفتاب صاحب کہئے کیسے آنا ہوا۔ آپ نے اس دھوپ میں کیوں تکلیف فرمائی۔

آفتاب نے مسکرا کر جواب دیا۔ عارفہ آپا میرا آنا کوئی نئی بات نہیں ہے میں تو روزانہ ماموں جان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔

عارفہ نے کچھ طنزیہ انداز سے کہا۔ جی ہاں بے شک میرا بھی یہی خیال ہے کہ کچھ دنوں سے آپ کو اباجان سے ذرا زیادہ لگاؤ ہوگیا ہے۔

آفتاب یہ سنکر کچھ سٹپٹا گیا۔ عارفہ کی بات پر وہ اکثر لاجواب ہوجاتا تھا۔ پھر سوچ کر بولا۔ اس وقت تو اباجان نے مجھے ایک خاص کام سے بھیجا ہے ورنہ خود نہیں آیا ہوں۔

عارفہ بولی۔ اچھا۔۔۔ معلوم ہوتا ہے وہ خاص کام بھی کسی خاص ہی آدمی سے ہوگا اور کسی کو تو اس سے واسطہ ہوگا نہیں۔"

آفتاب نے جلدی سے کہا۔

"نہیں نہیں، آپ کے سمجھنے کا ہے کسی خاص شخص کے پاس میں نہیں آیا ہوں۔"

عارفہ بولی — پھر کب ڈنر دے رہے ہیں؟ کس دن سینما کا پروگرام بنا رہے ہیں؟ اور کس دن عروسہ کے اعزاز میں پارٹی دیں گے؟ کس دن سے پکنک پر جانا ہے؟ کس شام کو ڈرائیونگ اور سومنگ کے لئے جا

رہے ہیں؟

آفتاب نے ہنس کر جواب دیا۔

ارے عارفہ آپا آپ نے سوالوں کی ریل گاڑی چھوڑ دی۔ آپ کمرے میں تو آکر بیٹھئے ابھی باری باری سب کا جواب دوں گا۔ ذرا پیاس تو بجھا لوں۔ میں یہی سوچ کر آیا تھا کہ چائے آپ لوگوں کے ساتھ پیوں گا۔

یہ کہہ کر اس نے عروسہ کی طرف دیکھا جو دودھ میں اوالٹین گھول کر پی رہی تھی پھر بولا۔ آپ نے تو خیر سے دودھ پینا شروع کر دیا لیکن ہمیں جھوٹے منہ چائے کو بھی نہ پوچھا۔

عروسہ نے کچھ مسکرا کر کہا۔

ارے معاف کیجئے گا۔ آفتاب بھائی میں تو واقعی بالکل بھول گئی۔

نعیمہ بیگم نے آفتاب کی طرف چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے کہا۔

لو بیٹا چائے پیو۔ میں کسی کو نہیں بھولتی۔

آفتاب نے پوچھا۔ خالہ اماں آپ نے اس میں چینی کتنے چمچ ڈالی ہے۔

نعیمہ بیگم بولیں۔ "بس یہی جیسی تم لوگ پیتے ہو۔ کم میٹھا صرف چھ چمچے ڈالے ہیں۔"

آفتاب چونک کر بولا۔

خالہ اماں مجھے تو پہلے ہی معلوم تھا۔ اب یہ چائے تو آپ خود پی لیجئے۔

نعیمہ بیگم نے جواب دیا۔ نہیں بیٹا۔ میں ایسی کم چینی کب پیتی ہوں۔ (اور یہ کالی سیاہ چائے بھی میں نہیں پیتی ہیں برائے نام چائے ڈالتی ہوں)۔ لو بیٹا یہ نکتساں تم ہی کھالو۔ میں تو بڑے شوق سے سب کے لئے یہ چیزیں بنواتی ہوں لیکن کوئی ہاتھ نہیں لگاتا ان کو۔"

عارفہ نے دروازہ میں سے کہا۔ علاوہ دوسرے کاموں کے یہ کیلی آپ کے لئے موزوں ہے۔"

نعیمہ بیگم ناک چڑھا کر بولیں۔

" اسے تو کیا یہ سب چیزیں میں اپنے لئے بنواتی ہوں۔ ہاں چکھنے کی گنہ گار ضرور ہوں۔ کیونکہ یہ کم بخت مٹھائیں مجھے پسند ہی بہت ہے۔"

کلو جو ایک طرف کھڑا سب کی سن رہا تھا۔ آخر بول ہی اٹھا۔

جی بیگم صاحب! اس مہینہ سے چینی کا راشن آدھا ہو گیا ہے مجھے آج ہی خبر ملی ہے۔ کیونکہ دو مہینہ بعد راشن کے کنٹرولر صاحب کے لڑکے اور لڑکی کی شادی ہو رہی ہے اب تو خیر میں کہیں نہ کہیں سے انتظام کر کے آپ کے واسطے فالتو چینی لے ہی آتا ہوں۔ مگر اگلے مہینے سے تو بھنگن بھی اپنا راشن کارڈ نہیں دے گی۔

نعیمہ بیگم غصہ سے بولیں۔

چپ نامراد، تجھ سے کون بات کر رہا ہے جو تو اپنی بکے جا رہا ہے بڑا آیا چینی کا انتظام کرنے والا۔ نکل یہاں سے۔"

کلو نے پھر کہا۔

قسم اللہ کی کھا کر کہتا ہوں۔ بیگم صاحب مجھے آپ کی بڑی فکر ہو گئی ہے صاحب اور بی بی لوگ تو خیر پھیکی چائے اور دودھ پی سکتے ہیں مگر آپ کا کام کس طرح چلے گا۔ ان دنوں اگر آپ روزے رکھنے لگیں تو بڑا اچھا ہو۔

اب نعیمہ بیگم سے ضبط نہ ہو سکا۔ پیر سے جوتی اتار کر کلو کی طرف پھینکتے ہوئے چیخیں۔ میں نے ہزار بار کہہ دیا ہے کہ تو میری بات میں

نہ بولا کر مگر تو اتنا بڑا بے حیا ہے کہ کچھ اثر ہی نہیں ہوتا۔ بڑا آیا مجھے دروازے رکھوانے والا اتنی جوتیاں ماروں گی کہ ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔ مجھے اپنا صاحب نہ سمجھیو یہاں۔"

اور کلو چپکے سے باہر نکل گیا۔ آفتاب اور عروسہ اندر ہی اندر مسکرانے لگے۔

عارفہ نے آفتاب سے کہا۔ آپ وہ اپنا خاص کام تو بیان کریں میں بڑی دیر سے کھڑی ہوں۔ ذرا جلدی کیجئے میرے پاس وقت نہیں ہے مجھے ایک ضروری کام سے ایک جگہ جانا ہے۔"

آفتاب نے کہا "بہت بہتر ابھی لیجئے بات یہ ہے کل۔۔۔"

عارفہ نے بات کاٹ کر کہا۔

"یعنی معلوم ہوتا ہے کہ کل آپ کوئی ڈنر وغیرہ دے رہے ہیں۔

آفتاب نے مسکرا کر جواب دیا۔ دراصل کل میری سالگرہ ہے اماں جان نے کہا: ہے کل آپ سب کا آنا بے حد ضروری ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے چھپے ہوئے کارڈ سب کو نام بنام دیئے۔ عارفہ منہ بنا کر بولی۔ جی ہاں یہ تو ہمیں پہلے ہی معلوم تھا کہ کل راجہ اندر کے اکھاڑے میں پریوں کا ناچ ہونے والا ہے لیکن میں تو اس بات کی منتظر تھی اور سوچ رہی تھی کہ شاید آپ شادی کے بلاوے دے رہے ہوں۔

آفتاب نے مسکرا کر کہا۔ شادی کے بلاوے تقسیم کرانا تو آپ کا کام ہوگا۔ اس وقت میں یہ سب کام نہیں کرواں گا۔

نعیمہ بیگم نے پیار سے آفتاب کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ہاں ہاں اللہ کریگا اب شادی کے بلاوے بھی تقسیم ہوں گے۔

عارفہ نے مسکرا کر عروسہ کی طرف دیکھا اور پھر طنز سے بولی۔
جی ہاں کیوں نہیں ہم تو پہلے ہی سمجھتے تھے کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ضرور ٹوٹے گا۔

اس قدر کہہ کر وہ اپنے کمرے میں جانے لگی۔ تو آفتاب نے جلدی سے کہا۔ عارفہ آپا کل آپ ضرور ہمارے ہاں آیئے گا۔ آپ کا کوئی عذر نہیں سُنا جائے گا۔

عارفہ نے بڑبڑاتے ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔
میرے پاس اس قدر فالتو وقت نہیں ہے جو ایسی لغو اور بیکار باتوں میں ضائع کروں۔ تم اپنے چاہتیوں کو لے جاؤ۔
آفتاب نے نعیمہ بیگم سے ذرا سنجیدگی سے کہا۔
خالہ اماں کل عارفہ آپا کو ضرور ہمارے ہاں جانا چاہیئے آپ کوشش کیجئے کہ وہ ہمارے ہاں جائیں کیونکہ فرحت صاحب بھی آئیں گے میں نے انھیں بھی بڑی مشکل سے راضی کیا ہے۔
نعیمہ بیگم نے ناک چڑھا کر کہا۔ بیٹا تم دیکھتے ہو میں کیا کر سکتی ہوں وہ کسی کی سنتی بھی ہے میں تو کسی گنتی ہی میں نہیں ہوں۔ لیکن میں یہ پوچھتی ہوں کہ فرحت نے یہاں آنا جانا چھوڑ کیوں دیا؟۔
آفتاب نے ذرا تن کر جواب دیا۔ خالہ اماں آپ کو کیا خبر کہ جب فرحت صاحب یہاں آتے تھے عارفہ آپا ان سے کیا سلوک کرتی تھیں؛ بات کرنی تو در کنار لوگوں کے سامنے ان کی اچھی خاصی توہین کرتی تھیں۔ ایسی صورت میں وہ کس طرح یہاں آسکتے ہیں۔ وہ بیچارے معلوم نہیں کس ٹھنڈے مزاج کے شخص ہیں۔ اگر میرے ساتھ کوئی بھی لڑکی ایسی باتیں کرے تو خدا

کی قسم اس کا منھ نوچ لوں۔ معلوم نہیں یہ لڑکیاں اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہیں
کہ ذرا منھ لگایا اور وہ اینٹھیں ناشپاتی کی طرح۔
نعیمہ بیگم نے اپنے ٹوٹے پھوٹے سیاہ دانت مسکراتے ہوئے باہر
نکال کر کہا۔

ارے میاں یہ نئے زمانے کی نئی نئی باتیں ہیں سب۔ بھلا ہم کیا جانیں۔
تم بیٹھو میں ذرا نماز پڑھ لوں۔ میں نے ایک نیا وظیفہ شروع کیا ہے۔ دیکھو
شاید اسی کی برکت سے کچھ کام ہو جائے۔ اللہ کے کلام میں بڑی قوت اور
قدرت ہے۔"
یہ سنکر آفتاب کھڑا ہو گیا اور عروسہ سے بولا۔
ذرا ایک عدد پان تو کھلا دیجئے۔
عروسہ نے کریمن سے پان بنوا کر لانے کو کہا۔
آفتاب نے مسکرا کر کہا۔ ایسے پان تو میں ہر جگہ کھا سکتا ہوں
اس وقت تو آپ کے ہاتھ کا بنا ہوا پان کھانے کو دل چاہ رہا تھا۔
عروسہ نے لاپرواہی سے بغیر مسکرائے جواب دیا۔ مجھے پان بنانے
سے چڑھ ہے میں نے آج تک یہ کام نہیں کیا ہے سب ہاتھ خراب ہو جاتے
ہیں اگر میں خود بھی کبھی کھاتی ہوں تو کریمن ہی بناتی ہے۔"
آفتاب کوئی جواب دیئے بغیر کمرے سے نکل گیا۔

⁂

فرحت علی، توفیق جہاندار کے بہت ہی عزیز دوست مسرت علی کا
اکلوتا لڑکا تھا۔ کافی ذہین، خوش اخلاق، خوش طبع انسان تھا۔ وہ
اور عارفہ بچپن ہی سے ایک دوسرے سے بہت مانوس تھے۔ شروع میں

دونوں ایک ہی اسکول میں داخل ہوئے تھے۔ اور بچپن ہی سے انھیں ایک دوسرے کے بغیر چین نہیں آتا تھا۔ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا سب ساتھ ہی ہوتا تھا عمر کے ساتھ ساتھ ان دونوں کا میل جول اور زیادہ ترقی کرتا گیا۔ ان کی باہمی محبت اور میل ملاپ دیکھ کر سب کا یہی خیال تھا کہ بڑے ہونے پر بھی یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی بن کر بڑی کامیاب زندگی گزاریں گے ـــــ

توفیق احمد فرحت کو مثل اپنے بچوں کے چاہتے تھے اور دونوں کو ساتھ دیکھ دل ہی دل میں مطمئن تھے اور یہی حالت فرحت کے باپ کی تھی۔ لیکن کالج میں قدم رکھتے ہی عارفہ کی حالت بدل گئی۔ وہ علاوہ فرحت کے دوسرے لڑکوں کے جھمگھٹ میں رہنے لگی۔ اور رفتہ رفتہ اس کے خیالات بالکل بدل گئے۔ اب وہ فرحت سے بہت کم ملتی تھی۔ اور اکثر ہفتوں مختلف لڑکوں کے ساتھ شہر کے باہر سیر و تفریح میں وقت گذار دیا کرتی تھی۔ وہ مردوں اور لڑکوں کی سوسائٹی کی جان بن کر رہ گئی تھی۔ اول تو اسے خود باپ کی بالکل پرواہ نہ تھی۔ دوسرے خود غرضی اور خودپرستی نے اسے دنیا کی ہر چیز سے بلند کر دیا تھا۔ اس کی نظروں میں کسی کی اہمیت اور وقعت نہ تھی۔ وہ توفیق احمد کی بہت لاڈلی تھی۔ اور اپنی ہر جا و بے جا ضد ان سے منوا لیا کرتی تھی۔ توفیق احمد اس سے بے حد دبتے تھے۔ عارفہ انھیں بیوقوف بنا کر اپنا الو خوب سیدھا کر لیا کرتی تھی۔ توفیق احمد سب کچھ جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے بھی کچھ نہ بول سکتے تھے۔ وہ حد درجہ کی آزاد خود مختار اور اپنی مرضی کی خود مالک تھی۔ اس نے باپ سے صاف طور سے کہہ دیا تھا۔ کہ وہ اس کی زندگی کے کسی بھی مسئلے پر زبان ہلانے کا حق نہیں رکھتے ـــ توفیق احمد اس سے کسی طرح کی باز پرس نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن فرحت نے بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ وہ عارفہ پر بچپن سے فریفتہ تھا اور اس کی ہر غلطی معاف کر دینے پر ہر وقت تیار رہتا تھا۔ لیکن عارفہ اس کو منہ نہ لگاتی تھی۔ جب کھلے طور پر عارفہ اور سرور خوش خوش بخت ہر وقت اور ہر جگہ ایک دوسرے کے ساتھ رہنے لگے اور دیکھنے والوں کو یہ یقین کامل ہو گیا کہ بہت جلد یہ دونوں شادی کی مضبوط زنجیروں میں جکڑ جائیں گے۔ اس وقت فرحت بیچارہ بالکل مایوس ہو گیا۔ اس کی زندگی کے سنہری سپنے ٹوٹ گئے اور وہ بہت اداس رہنے لگا۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد سرور نے آپ ہی آپ عارفہ سے میل جول کم کر دیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان دونوں کے تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ اب فرحت کو پھر کچھ امید کی کرن نظر آئی۔ اور اس نے پھر عارفہ کے گھر آنا جانا شروع کر دیا۔ لیکن عارفہ اب بالکل بدل گئی تھی۔ اس کے لئے یہ صدمہ بہت بڑا تھا۔ اب اس کو ہر مرد سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ بہت کم اپنے ہم عمر لڑکے لڑکیوں میں آتی جاتی تھی۔ اکثر راتوں کی خاموشی میں وہ تنہا اپنی موٹر لئے گھوما کرتی تھی۔ اس کا مزاج بہت چڑچڑا ہو گیا تھا۔ وہ ہر ایک سے جھڑک کر بات کرنے لگی تھی۔ طعنہ طشنہ اس کی خصلت بن کر رہ گئی تھی۔ اس کی دنیا ہی عجیب ہو گئی تھی۔ باپ کی مجال نہ تھی کہ کوئی بات اس سے پوچھ سکیں وہ اس کی حالت دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہتے۔

دوسرے دن آفتاب کی سالگرہ کی شاندار دعوت تھی۔ وہ اپنے رئیس ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا اور خاندان میں اس کی بہت چاہت تھی۔ حسینہ بیگم اس کی ہر جا اور بے جا ضد پوری کرتی تھیں۔ وہ اپنے ماں باپ کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا تھا۔ اور اپنی ہی من مانی کیا کرتا تھا۔ کئی

سال سے وہ قانون پڑھ رہا تھا ویسے اس کا شغل طرح طرح کی لڑکیوں اور لڑکوں میں گپ شپ کرنا اور کچھ نہ ملے تو کالجوں اور سڑکوں پر گذرتی ہوئی لڑکیوں اور عورتوں سے اپنی آنکھیں سینکتا تھا۔ وہ ایک مکمل مہذب عیاش اور شریف غنڈہ تھا۔ جب دن سے اس نے عروسہ کو دیکھا تھا وہ تقریباً روزانہ ہی جہاندار منزل کے پھیرے لگانے لگا تھا۔ بلکہ حسینہ بیگم بھی اب پہلے سے زیادہ آنے جانے لگی تھیں وہ عروسہ سے بہت زیادہ پیار و محبت کا برتاؤ کرتی تھیں۔ اور دل ہی دل میں اس کو اپنی بہو بنانے کا خواب دیکھنے لگی تھیں۔ ان کی دلی خواہش تھی کہ آفتاب اس کو پسند کرنے لگے۔ وہ خوب جانتی تھیں بھائی کی دولت کی مالک یہی دو لڑکیاں ہیں پھر کیوں نہ اس دولت کا آدھا حصہ ان کے اپنے گھر آجائے۔ عروسہ کی شادی آخر کہیں نہ کہیں تو ہوگی۔

دونوں بہنوں نے آپس میں صلاح مشورہ بھی کر دیا تھا اور نعیم بیگم نے انہیں پورا یقین دلا دیا تھا کہ ایسا ضرور ہوگا وہ خوب اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ عروسہ انجم جہاں کی ہی لڑکی تو ہے۔ جن کو ان لوگوں نے محض ایک کٹھ پتلی بنا لیا تھا۔ عروسہ بھی ماں کی سی خصلتیں رکھتی ہوگی اس کو اپنی راہ پر لگانا کچھ مشکل نہ ہوگا۔

آفتاب تو عروسہ پر ایک طرح کا اپنا حق سمجھنے لگا تھا۔ اس کی ایسی باتیں اکثر عروسہ کو ناگوار بھی گذرتی تھیں اور وہ صاف طور سے آفتاب کو جواب دے دیا کرتی تھی وہ بھی سمجھتی تھی انجم جہاں کو ایسے زبانی ہی نے تو ان لوگوں کے ہاتھوں انھیں موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اسے اپنی ماں کے ساتھ پھوپھیوں کا برتاؤ خوب معلوم تھا اس کے دل میں ان لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ لیکن ظاہر داری یوں وہ پھوپھیوں سے تعلقات نباہ رہی تھی۔

عارفہ نے آفتاب کی سالگرہ میں جانے سے انکار کر دیا جب عروسہ کو معلوم ہوا تو اس نے کہا۔

"جب آپ اور پھوپھی اماں نہیں جا رہی ہیں تو پھر میرے جانے کی کیا خاص ضرورت ہے؟ مجھے تنہا جاتے ہوئے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔"

عارفہ نے جواب دیا "نہیں نہیں تم ضرور جاؤ ورنہ پھوپھی جان یہی خیال کریں گی کہ میں نے تمہیں بھی بھڑکا دیا ہے۔ میں تو آفتاب اور روح افزا کی وجہ سے نہیں جاتی مجھے اس سے چڑ ہے۔ جب بات کرتا ہے تو اپنے آپ کو معلوم نہیں کیا سمجھتا ہے۔"

عروسہ بولی "ہمت نہیں ہوتی تنہا اتنی بڑی محفل میں جانے کی اصل میں مجھے دعوتوں اور پارٹیوں میں جانے کی عادت ہی نہیں ہے۔"

عارفہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تم نہ معلوم کون سی انوکھی عادت کی ہو اور تم اب تک کس بل میں رہا کرتی تھیں، اور خبر نہیں تم نے بی۔ اے۔ تک تعلیم کیسے حاصل کر لی ذرا وہاں جا کر رنگ تو دیکھو، آفتاب کی سہیلیوں کو دیکھو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس قسم کی لڑکیاں ہیں جو سٹہ آفتاب جیسے پینڈے آفتاب چندے ماہتاب کے گرد گھومتی ہیں۔"

یہ کہہ کر عارفہ نے ایک قہقہہ لگایا کیونکہ آفتاب کا رنگ گہرا سانولا تھا [illegible] خاموش ہو گئی اگر وہ کچھ [illegible] تو عارفہ [illegible] جھاڑ کا کانٹا [illegible] جاتی [illegible] بیگم [illegible] سا تو ضرور [illegible] مدت [illegible] نہیں [illegible] لیکن مجھے ایک ضروری وظیفہ پڑھنا ہوتا ہے [illegible] ورنہ

تمہارے ابا کی گھر داری میرا بھیجا کب چھوڑتی ہے گھر سے ایک منٹ کو نکلنا نہیں ہو سکتا آنکھ بچی اور ان نوکروں نمک حراموں نے ہاتھ صاف کئے میں تو اب اس مال پر سانپ کی طرح ہو گئی ہوں اس گھر میں۔"

کلو نے کپڑے سے الماری پونچھتے ہوئے بڑے ادب سے کہا۔

"بیگم صاحب آپ بالکل بے فکر ہو کر آفتاب میاں کے ہاں کل جائیے۔ میں گھر کی دیکھ بھال کر لوں گا بلکہ میرا تو خیال ہے کہ آپ شام کو بھی ضرور سیر کیلئے جایا کیجئے گھر میں پڑے پڑے آپ کی صحت خراب ہو گئی ہے۔"

نعیمہ بیگم نے غصہ سے کہا۔

"میں گھر سے چلی جاؤں تاکہ خوب تو اپنا ہاتھ صاف کرے ارے میں تیری باتیں خوب سمجھتی ہوں خبردار جو آئندہ میری بات میں بولا۔"

کلو نے جواب دیا "بہت اچھا جو آپ حکم دیں میں تو تابعدار ہوں۔"

اب رات خاصی ہو چکی تھی عروسہ اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلی گئی عارفہ کے کمرے سے ہلکے ہلکے ستار بجنے کی آواز آنے لگی اور دھیمے سروں میں عارفہ ایک درد بھری غزل گانے لگی۔

عارفہ بڑے پر درد لہجے میں گا رہی تھی اس کی آواز میں بلا کا سوز تھا۔ ایک ایک لفظ اس کے دل سے نکلتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ عروسہ آنکھیں بند کئے اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور عارفہ کی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی وہ اچھی طرح سمجھتی تھی کہ عارفہ اب بھی سروش کی یاد میں غم گین رہتی ہے اس کے گانے کا عجیب اثر اس کے اپنے دل پر ہو رہا تھا سروش کا خوبصورت چہرہ اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا اگرچہ اس کو دیکھے ہوئے کئی مہینے گذر گئے تھے۔ لیکن اس کی یاد عروسہ

کے دل میں اب تک موجود تھی بلکہ اور زیادہ دل کی گہرائیوں میں اتر گئی تھی اور باوجود کوشش کے بھی دل سے محو نہ ہوتی تھی اس نے سوچا "سروش پر میرا حق ہی کیا ہے مجھے اس کی یاد دل سے نکال دینی چاہئے ممکن ہے خفیہ طور پر وہ عارفہ سے منسوب ہو چکا ہو" اس کے آگے وہ کچھ نہ سوچ سکی اس کا دل رقابت سے بھر گیا۔ ایک جلن اور خلش سی عارفہ کی طرف سے اس کے دل میں جاگ گئی اور اس نے سوچا سروش سے ملنا اب زندگی میں ناممکن ہے۔

⁂

آفتاب کے ہاں دعوت میں جانے کے لئے عروسہ تیار ہو رہی تھی۔ اس نے ہلکے پیازی رنگ کے کپڑے پہنے اور اسی رنگ کا باریک دوپٹہ اوڑھا گلے میں سچے موتیوں کی تین لڑی کی مالا پہنی جو اس کے پاس انجم جہاں کی نشانی تھی اور جس کو وہ اکثر ماں کی یاد میں گلے میں ڈال لیا کرتی تھی۔ کانوں میں بڑی بڑی موتیوں کی بالیاں پہنیں اور پھر قد آدم آئینے کے سامنے اپنا عکس دیکھا اس کا آبدار سچے موتی کی طرح چمکتا ہوا رنگ، خوبصورت پیشانی، بڑی بڑی سرمگیں آنکھیں، سب سے بڑھ کر اس کا خوبصورت دہانہ اور دانت وہ اس وقت اپنی ہی نظروں میں بڑی دل فریب معلوم ہو رہی تھی۔ اس کو اپنے آپ میں ماں کی جھلک نظر آئی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فوراً آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی اور اپنے آنسو پی گئی۔ اب اس کو اپنا غم برداشت کرنے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔ اب وہ کسی کے سامنے غمگین اور رنجیدہ نہیں رہتی تھی۔ اپنے اوپر جبر کر کے بشاش اور خوش

رہا کرتی تھی وہ جانتی تھی کسی کو اس کے ساتھ قطعی ہمدردی نہیں ہے۔ عارفہ اور نعیمہ بیگم اس کی حالت کا ہرگز اندازہ نہیں کر سکتیں وہ اپنا غم سب کے سامنے ظاہر کرنا اپنی مظلوم ماں کی توہین سمجھتی تھی۔ رہ گئے باپ تو وہ اب بالکل ہی بدل گئے تھے وہ اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتے وہ نہیں چاہتے تھے کہ رنج و غم اس کے پاس بھی پھٹکے وہ اپنی پچھلی ناانصافی کی تلافی کر رہے تھے۔ چاہتے تھے کہ وہ پچھلے ناخوشگوار واقعات بھول جائے اور نئے سرے سے اس کی زندگی شروع ہو۔ انجم جہاں کی موت کے بعد سے انھیں اپنی غلطی کا شدید احساس ہو گیا تھا۔ وہ اپنا فرصت کا وقت زیادہ تر عبادت الٰہی میں گذارتے تھے۔

عروسہ تیار ہو کر اپنے بڑے میں رومال رکھ رہی تھی، عارفہ اس کے کمرے میں آکر مسہری کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس پر تنقیدی نظر ڈال کر بولی۔
"آج تو تم نوک پلک سے درست ہو کر جا رہی ہو کہیں آفتاب کی نظر نہ لگ جائے۔"

عروسہ نے لاپرواہی سے جواب دیا" میں نے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی۔ یہ کپڑے بے شک بہن لئے ہیں لیکن شاید مجھ پر زیب نہیں دے رہے ہیں۔ اگر آپ کہیں تو دوسرے بہن لوں۔"

عارفہ بولی" مجھے کیا ضرورت ہے جو کپڑے بدلنے کو کہوں لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ آفتاب آج تم کو دیکھ کر دیوانہ ہو جائے گا۔"

یہ سن کر عروسہ نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا وہ عارفہ کی اس قسم کی بات پر ہمیشہ خاموش ہو جاتی تھی۔ وہ اس سے الجھنا نہیں چاہتی تھی، وہ جانتی تھی کہ عارفہ کو سوائے اپنی ذات کے اور کسی سے دلچسپی نہیں

ساتھ ہے وہ [illegible] مذاقاً عروسہ سے اس قسم کی باتیں کرتی تھی۔

عارفہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"معلوم نہیں لوگوں کو دعوتیں اور پارٹیاں کرنے کا اس قدر شوق کیوں ہوتا ہے، اور آفتاب کو تو یہ بھی ایک لت ہے، جب تک ہفتے میں ایک مرتبہ لڑکے لڑکیوں کا مجمع نہیں کرتا، اس کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوتا۔ جب سنو کوئی نہ کوئی تقریب پھوپی جان کے ہاں رہتی ہے۔"

عروسہ بولی:

"آفتاب بھائی کی سالگرہ ہے اس میں تو دعوت ہونی ضروری ہے۔"

عارفہ ہنس کر بولی "ہاں یہ بھی پھوپی جان کا ایک چونچلہ ہے جو ہر سال نئی نئی چیزوں کے انجام پاتا ہے اور اسی کے ساتھ آفتاب میاں ہر سال ایک نئی علت کے مالک بھی ہو جاتے ہیں۔ ہماری پھوپی جان خوب اپنے لڑکے اور لڑکی کی دھوم دھام سے سالگرہ مناتی ہیں اور جو شریک نہیں ہوتا اس سے خفا ہو جاتی ہیں۔ اور تم نے تحفہ بھی ضرور خریدا ہوگا؟"

عروسہ نے آہستہ سے جواب دیا "جی ہاں آج صبح بازار سے ایک سگریٹ کیس خرید لائی تھی وہی دے دوں گی۔"

عارفہ مسکرا کر بولی "اگر میں ان کی سالگرہ میں جاتی تو تحفتاً آفتاب صاحب کو ایک جوڑا ٹائرسول کا جوتا پیش کرتی۔"

عروسہ نے مسکرا کر کہا:

"اس کا ثواب بھی وقت ہے ضرور چلئے، بہت لطف آئیگا۔"

عارفہ نے ناک چڑھا کر جواب دیا "بس معاف ہی رکھو۔ مجھے خوشامد خورے لڑکے لڑکیوں کی محفل سے نفرت ہے۔ اس سے تو میرا تنہا کمرہ بھلا ہے۔"

عروسہ نے کہا۔ اگر آپ نہ جائیں گی تو پھوپی جان ضرور برا مان جائیں گی آپ کا جانا بھی ضروری ہے۔

عارفہ نے کہا۔ تمہارا جانا ضروری ہے، لہذا تم جا ہی رہی ہو میری کمی بھی پوری کر دینا، میں جانتی ہوں آفتاب آجکل تم پر ریجھا ہوا ہے اس کی یہ بھی ایک عادت ہے۔

عروسہ نے کہا۔" یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تو آفتاب صاحب کو اچھی طرح جانتی بھی نہیں ہوں۔"

عارفہ نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔" سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تم آفتاب کی ماموں زاد بہن ہو اس لئے اس کا حق ہے تم پر، بولو کیا میں غلط کہتی ہوں، اچھا اب جاؤ کار بڑی دیر سے کھڑی ہے۔

دونوں بہنیں کمرے سے باہر نکلیں۔ عروسہ برآمدے کی سیڑھیوں سے اتر کر موٹر میں بیٹھ کر روانہ ہو گئی۔

حسینہ بیگم کا مکان کچھ زیادہ دور نہ تھا تھوڑی ہی دیر میں موٹر ان کے پھاٹک میں داخل ہو گئی۔ بہت سے لوگ ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔ نوکر چاکر ادھر ادھر مصروفیت کے عالم میں پھر رہے تھے۔ عروسہ زیادہ مجمع میں جانے کی عادی نہ تھی۔ وہ اس وقت بہت گھبرا رہی تھی۔ لیکن موٹر رکتے ہی آفتاب اور روح افزا نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور موٹر سے اتروا کر اندر کمرے میں لے گئے۔ حسینہ بیگم نے اس کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

" بیٹی تم تنہا آئی ہو، عارفہ اور آپا جان نہیں آئیں؟ بھائی جان نے تو کل ہی کہدیا تھا کہ وہ نہ آسکیں گے۔"

عروسہ نے جواب دیا۔" پھوپھی جان عارفہ آپا کو تو آپ جانتی ہی ہیں کہ

وہ بہت کم کہیں آتی جاتی ہیں اور پھوپھی اماں کو شاید کوئی کام ہوگا۔ اس وجہ سے وہ نہ آسکیں۔

حسینہ بیگم سرد آہ بھر کر بولیں:

"ہاں آپا جان بیچاری تو اس گھرداری میں ایسی پھنسی ہیں کہ ایک منٹ کو باہر نہیں نکل سکتیں اور عارفہ کا تو یہی رویہ ہے ہم غریبوں کے ہاں وہ کیوں آئیں خدا انھیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے۔ انہوں نے کس دن پھوپھی سے سیدھے منہ بات کی ہے۔ خیر چلو تم ہی آگئیں میرا دل اسی سے خوش ہوگیا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے عروسہ کو پھر گلے سے لگالیا اور پیار کیا پھر آفتاب سے بولیں۔

"بیٹا ان کو بڑے کمرے میں لے جاؤ سب سے ملواؤ۔"

آفتاب اس کو لئے ہوئے بڑے کمرے میں آیا۔ یہاں بہت سے لوگ مرد، عورتیں، لڑکے لڑکیاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ لوگ محض یونہی ادھر ادھر کی گپ شپ میں مصروف تھے۔ کچھ بیٹھے ہوئے خواہ مخواہ فقرے بازی کر رہے تھے۔ کہ کس کا فقرہ کس پر پورا اترتا ہے۔ کچھ لوگ الگ ایک پارلیمنٹ سی بنائے چپکے چپکے کسی خاص اور اہم مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ چند لڑکیاں ایک کونے میں بیٹھی ہوئی۔ نئی اور پرانی فلموں پر تبصرے کر رہی تھیں اور کچھ ایک طرف کھڑی ہوئی اپنے اپنے کالجوں کے متعلق یا کسی خاص استانی اور کھیلوں وغیرہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھیں۔ کچھ لڑکیاں نئے نئے لڑکوں سے میل ملاقات پیدا کر رہی تھیں اور چند بے فکرے ہر ایک کو دیکھ دیکھ کر یونہی حظ اٹھا رہے تھے۔ محفلوں میں ہر انسان اپنی اپنی دلچسپی کا سامان مہیا کر ہی لیتے ہیں۔

آفتاب نے کمرے میں پہنچکر عروسہ کا تعارف کرایا۔ اب سب لوگ اس کو دیکھنے لگے، عروسہ بھی ایک ایک کو دیکھ رہی تھی لیکن کوئی بھی اس کا شناسا یہاں موجود نہ تھا، نئے نئے لوگ تھے وہ اس وقت گھبرائی ہوئی سی تھی اس کے منہ سے اچھی طرح الفاظ بھی ادا نہیں ہو رہے تھے۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ چاروں طرف سے لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں اس کو دیکھ کر چند لڑکیاں آپس میں کھسر پھسر کرنے لگیں۔ کوئی دیکھ کر مسکرانے لگا، کوئی محو حیرت سا ہو گیا۔ کسی نے اس کو خواہ مخواہ ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھا۔ کسی نے یونہی طنز بھری نظریں اس پر ڈالیں۔ آفتاب نے اس کا تعارف فرحت سے کرایا۔ فرحت اسقدر سفید چوڑی دار پاجامہ اور سیاہ شیروانی پہنے ہوئے تھا۔ وہ بہت وجیہہ نوجوان تھا، چہرہ بڑا بھولا بھالا اور ہنس مکھ تھا۔ اس کا رنگ گندمی اور نقش و نگار تیکھے تھے وہ کھڑے ہو کر عروسہ سے ملا اور بہت مہذب طریقے سے اس کی خیریت پوچھی اور بولا:

"میرے ہوش میں یہ پہلا اتفاق ہے جو میں آپ سے مل رہا ہوں بچپن کا زمانہ کچھ کچھ یاد ہے، آپ کو تو کیا یاد ہوگا۔ آپ بہت چھوٹی تھیں اور بالکل ایک چینی کی گڑیا معلوم ہوتی تھیں۔

یہ سنکر عروسہ ہنسنے لگی، فرحت نے پھر پوچھا۔

"جہاندار منزل سے آپ تنہا آئی ہیں؟"

عروسہ مسکرا کر بولی۔ "جی ہاں اس وقت میں تنہا آئی ہوں۔"

فرحت نے آہستہ سے کہا "جی ہاں میں پہلے ہی سمجھا تھا کہ آپ ہی آئیں گی۔"

اس کے چہرے پر مایوسی اور افسردگی چھا گئی، آفتاب نے عروسہ سے کہا۔
"اور تم نے بھی تو آنے میں بہت دیر کر دی آئس کریم کا ایک دور تو ہو چکا تمہارے واسطے میں لاتا ہوں تم یہاں بیٹھو۔
یہ کہہ کر وہ کمرے سے جانے لگا تو عروسہ بھی جلدی سے اس کے پیچھے باہر نکل آئی وہ کمرے میں انجان لوگوں میں کسی طرح بھی نہیں ٹھہر سکتی تھی اس کی گھبراہٹ اور پریشانی پر کمرے میں دبی دبی ہنسی اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر وہ بھی آفتاب کے پیچھے آ گئی اس کو دیکھ کر آفتاب بولا۔ "تم یہاں کیوں آ گئیں چلو میں ابھی تمہارے لئے آئس کریم لیکر آتا ہوں۔"
عروسہ نے جواب دیا۔ "نہیں وہاں تو میرا دم گھٹتا ہے۔ اس کے علاوہ میں کسی کو جانتی ہی نہیں۔ معلوم نہیں روح افزا آپا کدھر چلی گئیں۔"
آفتاب نے جواب دیا۔ روح افزا تو ٹیلی فون پر بیٹھی ہوئی ہے اچھا تم یہاں لان میں بیٹھو۔" پھر اس کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔
اف اس وقت تو تم بہ سچ مچ ایک گلاب کا پھول معلوم ہو رہی ہو کہیں میری نظر نہ لگ جائے۔ رات کو اماں تمہاری بڑی تعریف کر رہی تھیں۔ اور کہہ رہی تھیں کہ تم آجکل کی لڑکیوں کیطرح آزاد اور بے باک نہیں ہو۔
آفتاب کی للچائی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ عروسہ نے نہایت لاپرداہی سے جواب دیا۔
"جی ہاں مجھے خود معلوم ہے کہ میں بہت بیوقوف ہوں۔"
یہ سنکر آفتاب نے خواہ مخواہ ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔
" ہاں ہمارے دل سے کوئی آپ کی قدر پوچھے ہم تو کہتے ہیں کہ خدا کرے

کل جہاں کی لڑکیاں ایسی ہی بیوقوف ہو جائیں جیسی آپ ہیں، اچھا پہلے میں آئس کریم لے آؤں پھر باتیں ہوں گی، خدا کی قسم بہت ہی لذیذ بنی ہے۔ ابّا نے خود اپنی نگرانی میں تیار کرائی ہے، پہلے میں کرسی لے آؤں، تم بیٹھ جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ پیچھے پلٹا، سلیٹی سوٹ پہنے ایک نوجوان لان کی دوسری طرف سے آرہا تھا آفتاب نے اس پر نظر ڈالتے ہی زور سے کہا۔

"آخاہ۔ جناب بھی تشریف لے ہی آئے، میں تو سمجھا تھا کہ۔۔۔۔ اچھا چلو خیر۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔۔۔۔

عروسہ نے جلدی سے گھوم کر اپنے پیچھے دیکھا جیسے ہی اس کی نگاہیں آنے والے کی نگاہوں سے ملیں اس کا چہرہ یکلخت موسم بہار کے پھول کی طرح کھل اٹھا آنکھوں میں روشنی اور چمک پیدا ہو گئی اور وہ خود بخود مسکرا اٹھی لیکن پھر فوراً ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اور دوسری طرف سروش خوش بخت کی آنکھوں میں حیرت اور مسرت کی ملی جلی چمک پیدا ہو گئی اور اس کے منہ سے بیساختہ نکلا" ارے آپ یہاں کہاں ؟"

آفتاب نے جلدی سے پوچھا۔

" کیا تم دونوں پہلے سے ایک دوسرے کو جانتے ہو؟"

اور پھر خود ہی اس نے ہنس کر خوش بخت کی پیٹھ پر ایک ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

" ارے یار ہم خوب سمجھتے ہیں۔ دنیا کی شاید ہی کوئی ایسی لڑکی ہو گی جس کو تم نہ جانتے ہو۔"

سروش بھی مسکرا دیا اور بولا۔

" آپ کی اس تواضع اور عزت افزائی کا بہت بہت شکریہ۔"

آفتاب نے کہا "اچھا تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں یہ کچھ مہمان آئی ہیں "
یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔ خوش بخت نے عروسہ سے کہا۔
"آپ کو یہاں دیکھ کر بڑی حیرت اور ساتھ ہی بہت خوشی ہوئی۔ میں اکثر یہی سوچتا تھا کہ معلوم نہیں کبھی آپ سے ملاقات ہوگی یا نہیں؟ لیکن یہاں ملنے کی قطعی توقع نہیں تھی"
عروسہ نے لرزتی ہوئی آواز سے جواب دیا۔
"تعجب تو یہ ہے کہ آپ نے مجھے یاد کیسے رکھا؟"
پھر اس کی آواز مدھم پڑ گئی۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ سرورش خوش بخت نے کہا "یہ بھی کوئی بھولنے کی بات تھی؟ اس دن کے بعد پھر کبھی آپ باغ میں گئی تھیں؟"
عروسہ نے کہا "جی نہیں"
پھر اس کو خیال آیا اس دن کے بعد ہی تو اس کی زندگی میں ایک زبردست انقلاب پیدا ہو گیا تھا۔
سرورش خوش بخت نے کہا۔
" میں تو اس کے دوسرے اور تیسرے روز بھی گیا تھا میرا خیال تھا کہ آپ ضرور وہاں جائیں گی اور اسی وجہ سے میں گیا بھی تھا"
یہ کہہ کر سرورش اس کو دیکھنے لگا کچھ توقف کے بعد عروسہ نے آہستہ سے کہا "پھر مجھے وہاں جانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی اسی روز رات کو امی جان کا انتقال ہو گیا تھا"
آخری الفاظ اس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔
" ارے مجھے نہیں معلوم تھا ۔ ۔ ۔ بڑا افسوس ہوا مجھے یہ خبر سنکر"

سروش کے منہ سے ایکدم نکلا اور پھر اسی وقت آفتاب دونوں کے لئے آئیسکریم کپ لئے ہوئے وہاں آگیا اور بولا۔

"لو بھئی اب جلدی کرو ورنہ سب جاتی رہے گی۔"

سروش نے ایک کرسی عروسہ کی طرف بڑھادی وہ بالکل خاموش تھا۔ اس وقت عروسہ کو دیکھ کر اس کی عجیب حالت ہوگئی تھی۔ حیرت اور خاموشی سے اس کے جسم میں بجلی کی سی سنسناہٹ دوڑ گئی تھی وہ بالکل مبہوت سا ہو رہا تھا۔ دوسری طرف عروسہ کی بھی یہی حالت تھی لیکن ساتھ ہی اس کو عارفہ کا خیال کھائے جا رہا تھا۔ اور اس پر افسردگی سی چھا گئی تھی وہ کرسی پر خاموش بیٹھ گئی۔

سروش اور آفتاب کھڑے ہی رہے۔ کمرے میں سے روح افزا تیزی سے نکلی اور ان لوگوں کو وہاں کھڑا دیکھ کر ادھر ہی آگئی پھر سروش کو وہاں موجود پاکر خوشی سے چیخ پڑی۔

" ارے آپ آگئے میں نے تو کئی ٹیلیفون بھی کئے تھے۔ آپ کو لیکن آپ گھر پر موجود نہ تھے معلوم ہوا کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں تو بالکل مایوس ہوگئی تھی۔"

سروش، خوشی بخت نے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔

" جی ہاں میں ایک ضروری کام سے چلا گیا تھا لیکن دعوتی کارڈ تو مجھے کل ہی مل گیا تھا مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے زحمت ہوئی۔"

روح افزا نے ذرا اترا کر جواب دیا۔" جی ہاں دوپہر سے آپکا انتظار کر رہی ہوں شکر ہے اس وقت تو آپ کی صورت نظر آئی۔ ذرا آپ میرے ساتھ ادھر آیئے میں آپ کو ایک خاص چیز دکھاؤں۔"

یہ کہہ کر وہ بڑی بے تکلفی سے سروش کی کمر کے گرد ہاتھ ڈال کر اس کو کھینچتی ہوئی ایک طرف لیکر چلی گئی۔ سروش نے پیچھے مڑکر ایک نظر عروسہ پر ڈالی اور بحالت مجبوری روح افزا کے ساتھ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد آفتاب نے عروسہ سے کہا۔

"عروسہ تعجب ہے کہ تمہاری اور سروش کی ملاقات پہلے کی ہے کیونکہ پہلے تو تم کسی سے ملتی جلتی نہیں تھیں۔"

پھر خود ہی جلدی سے بولا۔

اوہو ٹھیک تو ہے عارفہ آپا کی وجہ سے شاید تم جانتی ہوگی۔ میں بھی بعض وقت ذرا بہک جاتا ہوں کوئی بات ہی یاد نہیں رہتی۔"

یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑا۔ عروسہ اس ٹیڑھے سوال پر ذرا گھبرا گئی تھی لیکن پھر اس قدر آسانی سے خود ہی آفتاب سے جواب بھی سنکر اس کو غنیمت معلوم ہوا اور کچھ نہ بولی آفتاب پھر بولا۔

"بھئی ہماری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ عارفہ آپا نے سروش سے تعلقات ختم کیوں کر دیئے۔ وہ تو ایسی تنگ مزاج ہیں کہ ان سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے، ان دونوں کے اس قدر گہرے تعلقات تھے کہ ہم سب کو یقین ہو چلا تھا کہ جلد ہی یہ دونوں ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔ سروش کو میں ہمیشہ سے دیکھتا چلا آرہا ہوں جو بہت سی خوبیوں کا مالک ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں اس کے علاوہ دولت مند بھی کافی ہے۔ تین سال سے بیرسٹری کر رہا ہے۔ پریکٹس خوب چمک گئی ہے۔ باپ نے ورثہ میں لاکھوں روپے کی جائداد چھوڑی ہے۔ بینک بیلنس بھی کافی سے زیادہ ہے اب اور کیا چاہیئے۔

عارفہ آپا کو؟ اس کو بڑے بڑے آدمی اپنی لڑکیاں دینے کو تلے بیٹھے ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر لڑکی اس کی شریک حیات بننے کو فخر سمجھتی ہے لیکن وہ اس قسم کا آدمی نہیں ہے۔"

عروسہ نے خشک منہ بناکر جواب دیا "عارفہ آپا نے مجھ سے تو کسی قسم کی بات نہیں کی اور نہ میں نے ان سے پوچھا اس لئے مجھے ان واقعات کی خبر ہی نہیں مجھ سے زیادہ تو آپ خود جانتے ہیں۔"

آفتاب بولا "ہاں عارفہ آپا کا دماغ ذرا زیادہ ہی افلاطونی قسم کا ہے۔ بچپن میں تو ان سے بہت ڈرتا ہوں وہ اپنے آپ کو سمجھتی زیادہ ہیں اور مجھ پر تو خاص طور سے بہت مہربان رہتی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ ہنس پڑا اور عروسہ بھی مسکرادی۔ اس کو عارفہ کا نامُر سول جوتا تحفہ یاد آگیا۔ اندر سے آفتاب کو بلانے کے لئے آوازیں آنے لگیں آفتاب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

چلو اندر معلوم ہوتا ہے کھانا شروع ہوگیا۔

جب وہ دونوں کمرے میں پہنچے تو انواع واقسام کا کھانا بڑی بڑی میزوں پر چنا ہوا تھا خوشبو سے سارا کمرہ مہک رہا تھا۔ سب لوگوں نے آفتاب کو ہزاروں دعائیں اور مبارک باد دیکر کھانا شروع کیا۔ روح افزا حسینہ بیگم اور ان کے شوہر انور احمد مہمانوں کی خاطر تواضع کر رہے تھے۔ نوکر پانی پلانے اور دوسری خدمات کیلئے دست بستہ کھڑے ہوئے تھے اور انور احمد ایک ایک سے کھانے کا مزہ اور حلاوت معلوم کر کے اپنی کارگذاریوں کی داد لے رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

عروسہ بھی اپنی پلیٹ میں کھانا جس کو آفتاب نے چوٹی تک

بھر دیا تھا۔ لیکر ایک طرف کھڑی ہو کر کھانے لگی۔ سامنے سے فرحت پلیٹ ہاتھ میں لئے اس کی طرف آیا اور مسکرا کر بولا۔

مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی آپ کی عادت اب بھی وہی بچپن والی ہے آپ جب بھی بالکل خاموش رہا کرتی تھیں۔ مجھے یہ معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا کہ آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ اب تو آپ جہاندار منزل ہی میں رہتی ہوں گی؟

عروسہ نے جواب دیا۔ جی ہاں اور آپکی ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔

فرحت نے پوچھا۔ گھر میں اور سب لوگ تو اچھے ہیں؟

عروسہ بولی۔ جی ہاں شکر ہے سب ٹھیک ہیں اکثر پھوپھی اماں اور ابا جان آپ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

فرحت نے لمبا سانس لیکر کہا۔ ہاں بیچاری پھوپھی اماں اور چچا جان کو میرا بہت خیال ہے کسی دن حاضر ہوں گا۔

یہ کہہ کر وہ میز کی دوسری طرف چلا گیا۔ عروسہ نے دیکھا کہ سروش بھی اپنی پلیٹ لئے ایک کونے میں کھڑا مسعر خاتون سے باتیں کر رہا ہے۔

عروسہ نے جلدی جلدی اپنا کھانا ختم کیا اور سب کی نظروں سے بچ کر باہر نکل آئی۔ باہر بالکل سناٹا تھا۔

سروش نے بھی اپنا کھانا جلدی ختم کر دیا اور کمرے میں چاروں طرف نگاہ ڈالی اور عروسہ کو وہاں موجود نہ پاکر وہ بھی باہر نکل گیا۔

عروسہ بھی بیٹھی ہوئی عارفہ کے متعلق سوچ رہی تھی اور فرحت کا خیال کر رہی تھی۔ پھر اس کو یکایک سروش کا خیال آیا اور اپنے خیال کے ساتھ ہی وہ خود آکر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا۔

میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ آپ یہاں ہوں گی کسی چیز کی ضرورت ہو تو لاؤں ۔"

عروسہ نے گھبرا کر جواب دیا۔

جی نہیں شکریہ ۔ اصل میں میری کسی سے واقفیت نہیں ہے اسوجہ سے میں باہر نکل آئی سب کے سامنے خاموش بیٹھنا اچھا معلوم نہیں ہوتا۔

سروش نے اس کے برابر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

یہاں آفتاب کے ہاں آپ کو دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہو رہا ہے حالانکہ مجھے ہمیشہ سے یہی امید تھی کہ آپ سے کہیں نہ کہیں دوبارہ ملاقات ضرور ہوگی ۔ آفتاب کے ہاں میں ہمیشہ سے آتا جاتا ہوں لیکن میں نے کبھی آپ کو یہاں نہیں دیکھا کیا آپ پہلی مرتبہ آئی ہیں؟

عروسہ نے کچھ رکتے ہوئے جواب دیا ۔ نہیں تو میں اکثر یہاں آتی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہوگئی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ حالات کس طرح سروش کو سمجھائے وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگی ۔ لاکھوں ستارے جگمگا رہے تھے آسمان بہت صاف تھا ۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد سروش نے پوچھا آپ کیا سوچ رہی ہیں؟

عروسہ نے لاپروائی سے جواب دیا ۔" کچھ بھی نہیں میں یہ دیکھ رہی تھی کہ آج ستارے کتنے روشن ہیں ۔

سروش بولا ۔ ہاں آجکل چاند دیر سے طلوع ہوتا ہے ۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ کہاں رہتی ہیں ؟

عروسہ کے منہ سے " جہاندار منزل " کا نام نکلتے نکلتے رہ گیا ۔ وہ رک گئی ۔ جانتی تھی کہ سروش کو یہ نہیں معلوم کہ وہ کون ہے، کیا فائدہ بات

کو تفصیل میں بتا نہ سکی، اس نے صرف اتنا کہا کہ میں یہاں سے کچھ دور کے فاصلے پر رہتی ہوں
کچھ دیر بعد سروش نے کہا۔
مجھے آپ کی والدہ کا بہت صدمہ ہوا ہے واقعی آپ کے ساتھ قدرت نے بڑی زیادتی کی جب پہلی مرتبہ آپ سے ملاقات ہوئی تھی تو وہ بیمار تھیں لیکن یہ امید نہیں تھی کہ دوسری ملاقات میں یہ خبر سن لوں گا۔
عروسہ نے متاثر ہو کر جواب دیا۔ اس دن مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اتنی جلد وہ ہمیشہ کیلئے جدا ہو جائیں گی۔
سروش نے بڑی ہمدردی سے کہا۔ ہاں بہت سی باتیں جن کا انسان کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا وہ یکایک ہو جاتی ہیں۔
عروسہ نے سوچ کر کہا۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں کہ موت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے بعد انسان کو حقیقی سکون اور دائمی اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ دنیاوی الجھنوں کا علاج صرف موت ہے اور یہی سوچ کر مجھے بھی کچھ سکون ہو جاتا ہے کہ امی جان تمام فکروں سے آزاد ہو گئیں۔
سروش نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
معلوم ہوتا ہے آپ تنہائی میں ہر وقت یہی باتیں سوچتی رہتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کے خیالات اس قدر دل شکستہ ہو گئے ہیں لیکن آپ کو ابھی سے ایسے خیالات دل میں نہ لانے چاہئیں آپ بہت کم سن ہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کو بہت صدمہ ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے کسی نے کبھی ہمدردی نہیں کی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس زمانے میں کوئی کسی سے جھوٹی ہمدردی کے چار الفاظ کہنے بھی گناہ سمجھتا ہے۔ یہ باتیں

محض ایک ڈھونگ ہو کر رہ گئی ہیں اور کوئی سچا غم خوار نظر نہیں آتا لیکن میں آپ کو کسی طرح بھی نہیں بتا سکتا کہ مجھے آپ سے کس قدر ہمدردی ہے اس دن کے بعد سے مجھے روزانہ آپ کی والدہ کا خیال آتا تھا لیکن مجھے تو آپ کا نام و پتہ نہیں معلوم تھا کہ جا کر حال معلوم کرتا۔اس دن مجھ سے یہ بڑی غلطی ہو گئی تھی کہ آپ کا نام نہ پوچھا تھا اور اب بھی مجھے آپ کا نام نہیں معلوم۔

یہ سنکر عروسہ آہستہ سے مسکرادی اور بولی۔

اور مجھے تو آپ کا نام معلوم ہے۔آپ کو شاید یاد ہو گا اس دن باغ میں آپ نے مجھے اپنے نام کا کارڈ دیا تھا۔

اس کا خوبصورت چہرہ ہنسنے میں اور بھی پر کشش ہو گیا۔سروش نے جھینپ سے جواب دیا۔

ہاں خوب یاد ہے۔بعد میں میں نے اپنی غلطی بڑی شدت سے محسوس کی۔

تھوڑی دیر بالکل خاموشی رہی پھر سروش نے اپنا منہ آگے بڑھا کر پوچھا۔کیا آپ مجھے اپنا نام بتائیں گی؟ ایسی صورت میں آفتاب سے پوچھنا پڑے گا اور مجھے یہ اچھا معلوم نہیں ہوتا کیوں کہ آفتاب یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم دونوں پہلے سے ایک دوسرے سے واقف ہیں۔

عروسہ کچھ دیر تو خاموش رہی پھر بولی میں آفتاب بھائی کے ماموں کی لڑکی ہوں اور میرا نام "عروس انجم جہاندار" ہے۔ مجھے سب عروسہ کہتے ہیں۔

سروش نے حیرت سے اس کو دیکھا اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔جہاندار؟ عروسہ؟

اس نے اپنے ہاتھ کا جلتا ہوا سگریٹ دور پھینک دیا اور چند لمحے بالکل خاموش بیٹھا رہا پھر بولا۔ اچھا تو آپ عارفہ کی چھوٹی بہن عروسہ ہیں۔

عروسہ نے جواب دیا "جی ہاں"

کچھ دیر بالکل خاموشی چھائی رہی آخر سروش نے ایک پھیکا سا قہقہہ لگایا اور عروسہ کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

پھر تو آپ مجھ کو اچھی طرح جانتی ہوں گی۔

اس کے ابرو ایک طرف کھنچے ہوئے تھے ہونٹ ایک دوسرے سے ملے ہوئے مضبوطی سے بند تھے اس نے پھر کہا۔

کیا آپ کو معلوم ہے کچھ دن ہوئے میرے اور عارفہ کے تعلقات اچھے تھے یعنی ہم لوگ آپس میں بے تکلفی سے ملتے تھے۔

عروسہ نے ایک تلخ مسکراہٹ سے جواب دیا۔ جی ہاں مجھے معلوم ہے

سروش نے پوچھا۔ اور اس روز باغ میں بھی آپ کو معلوم تھا؟

عروسہ نے مختصراً کہا۔ جی نہیں۔

اور ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی۔ اب اندر چلنا چاہیئے کھانا ختم ہو چکا ہے پھوپھی جان مجھے تلاش کر رہی ہوں گی۔

سروش بھی کرسی سے اٹھا بالکل اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ عروسہ اس کے قد آور اور سڈول جسم کو دیکھنے لگی سروش نے کہا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ بعض وقت ایسا ہو جاتا ہے جس کا انسان کو شبہ تک نہیں ہوتا کہ ان حالات سے بھی زندگی میں کبھی دوچار ہونا پڑے گا؟ لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ان باتوں سے ہمارے درمیان کچھ فرق تو نہ پڑیگا؟

عروسہ نے تعجب سے پوچھا۔ میں آپکی باتوں کا مطلب نہیں سمجھی؟
سرودش نے جواب دیا۔ مطلب کچھ نہیں۔ اب دوبارہ جو میں نے آج آپ کو یہاں دیکھا تو بہت خوش ہوا کہ اب ہم اکثر ملتے رہا کریں گے۔ لیکن آپ تو عارفہ کی بہن نکلیں اس لئے ممکن آپ کے خیالات میری طرف سے خراب ہوں اور مجھ سے ملنا پسند نہ کریں بس صرف یہی فکر ہے۔
عروسہ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔
مجھے ان سب باتوں سے کیا مطلب۔
یہ کہہ کر وہ اندر جانے کے لئے بڑھنے لگی سرودش بھی گردن نیچی کئے پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا اور کچھ سوچتے ہوئے اس نے کہا۔
میں نے آپ کی آواز سے اندازہ لگالیا ہے آپ کو مجھ سے ملنے میں ضرور اعتراض ہے۔ آپ خیال کرتی ہوں گی کہ ایک لڑکی اور لڑکے کا اس قدر آزادی اور بے تکلفی سے عرصہ تک تعلقات قائم رکھنا اور پھر کنارہ کشی اختیار کر لینا بڑی افسوسناک بات ہے اور آپ کا یہ خیال ایک حد تک صحیح ہے۔
عروسہ نے کچھ جلے ہوئے انداز سے کہا۔
مجھے ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں ہے اور نہ مجھے اس قسم کا کوئی تجربہ ہے۔
یہ کہہ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی اور جب وہ دونوں بڑے کمرے میں پہنچے تو آفتاب نے سرودش کی ٹانگ لی۔
ارے بھئی تم کہاں تھے؟ کیا عروسہ بھی تمہارے ساتھ تھیں؟ معلوم ہوتا ہے نصیحت

اور عذرا اپنا گانا سنا رہی تھیں اور مس ثریا بہترین رقص کر رہی تھیں وہاں عروسہ تم ایسی پر لطف موسیقی سے محروم رہ گئیں۔

سروش نے مسکرا کر کہا۔

کبھی کبھی تم سے ہزار دفعہ معافی مانگتے ہیں لو اپنی امانت۔

یہ کہہ کر اس نے عروسہ کی طرف دیکھا لیکن عروسہ کو اس کی یہ بات ناگوار گذری اور وہ آہستہ سے بولی۔

خدانخواستہ میں کسی کی ملکیت ہوں جو امانت اور خیانت کا سوال پیدا ہوا۔

سروش نے ایک لمحہ کیلئے اس کو بغور دیکھا اور پھر ایک طرف چل دیا۔ آفتاب نے عروسہ سے کہا۔

میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم اماں جان کے پاس ہو اس وجہ سے میں نے کوئی فکر نہ کی۔

عروسہ نے جواب دیا۔

پھوپھی جان کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میری فکر کرنے کی آپ کو ضرورت ہی کیا تھی میں کوئی ننھی بچی تو نہیں ہوں۔ میں اور مسٹر سروش بخت لان میں بیٹھے ہوئے ستاروں کو دیکھ رہے تھے۔

یہ سنکر آفتاب نے معنی خیز نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

بھلا سروش کے ایسے لطیف احساسات کہاں ہیں جو وہ ستاروں کے وجود پر غور کرے، وہ تو محض عملی انسان ہے اور اس قسم کی شاعرانہ باتوں سے اسے نفرت ہے وہ صرف تمہیں بہلا رہا ہوگا۔

عروسہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

پھر وہی بات آپ نے کہی میں چھوٹی بچی نہیں ہوں جو کوئی مجھے بہلائے۔
آفتاب خاموش ہو کر تعجب سے اس کو دیکھنے لگا۔
اس رات عروسہ اور سروش کی پھر کوئی بات نہیں ہوئی اس کے بعد
دن روح افزا ہی کے ساتھ نظر آیا۔ عروسہ دیکھ رہی تھی کہ روح افزا اس
کے ساتھ سایہ کی طرح لگی ہوئی ہے۔
جب کافی رات گذر جانے پر وہ گھر پہنچی تو عارفہ جاگ رہی تھی
اور ایک رسالہ دیکھ رہی تھی اس نے عروسہ کو اپنے کمرے میں بلایا اور پوچھا
تم کس کے ساتھ آئی ہو؟
عروسہ نے جواب دیا۔ آفتاب بھائی مجھے پہنچا کر گئے ہیں۔
عارفہ نے کہا۔ میں تم سے کئی مرتبہ کہہ چکی ہوں کہ ابا جان سے
کہہ کر ایک چھوٹی سی کار لیکر عیش کرو۔ کیوں کسی کے ساتھ آتی جاتی پھرتی
ہو۔ ابا جان کا روپیہ کس کام آئے گا۔ جب تک تم ان سے ضد نہ کرو
گی وہ کبھی خود تمہیں موٹر خرید کر نہیں دیں گے میں جانتی ہوں۔ انہیں
روپیہ بنک میں رکھنے کا مرض ہے خرچ مشکل ہی سے کرتے ہیں اور
مجھے ایسی یہودیوں کی سی عادت سے نفرت ہے۔
عروسہ نے جواب دیا۔ اچھی بات ہے میں ابا جان سے کہوں گی
عارفہ نے کہا۔ تمہیں خالی کہنے سے کام نہیں چلے گا بلکہ ان سے
ضد کرو۔
عروسہ مسکرا کر بولی۔ بہت اچھا ایسا ہی کروں گی۔
عارفہ بولی۔ اچھا اب تم دعوت کا حال بیان کرو کس کس سے ملیں
کیا کیا ہوا اور کتنے آدمی تھے؟

عروسہ نے جواب دیا۔ بہت سے مہمان تھے مرد عورتیں لڑکے لڑکیاں اور سب سے میرا تعارف تو ضرور ہوا لیکن مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔

عارفہ نے پوچھا۔ کیوں کیا تم سب سے علیحدہ بیٹھی تھیں؟

عروسہ بولی۔ ہاں واقعی مجھے اتنے بہت سے نئے لوگ دیکھ وحشت ہونے لگی تھی اور میں باہر لان میں آکر بیٹھ گئی تھی۔

عارفہ نے پوچھا۔ اچھا کون کون تھا جس کو میں جانتی ہوں؟

عروسہ نے کہا۔ میرا خیال ہے سب کو ہی آپ جانتی ہوں گی اکثر لوگ آپ کا ذکر بھی کر رہے تھے۔

عارفہ نے تلخ مسکراہٹ سے کہا۔

ہاں لوگوں کو غیبت کرنے کا مرض ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے سروش خورشید بخت تو وہاں ضرور رہا ہوں گے۔

وہ اپنے دل میں اس وقت چوری سی محسوس کر رہی تھی۔ شرمندگی کی وجہ سے عارفہ سے آنکھیں چار نہیں ہو رہی تھیں۔ عارفہ بولی۔

آفتاب تو آج تمہارے ساتھ سایہ کی طرح لگا ہوا ہوگا اسے تو اب ہمارے بغیر چین ہی نہیں آتا۔ اور ہماری پھوپھی جان کے منہ میں بھی پانی بھر آیا ہے میں خوب سمجھتی ہوں سب کی باتیں۔

عروسہ اب کچھ نہ بولی اور چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ لیکن دل و دماغ اور کہیں تھا۔ وہ اس وقت کھوئی ہوئی تھی اس نے عالم خواب میں کپڑے بدلے اور کمرے کی روشنی گل کر کے کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب کھڑی ہو گئی اس کے دل و دماغ پر سروش اور اس کا خیال بسا ہوا تھا۔ عرصہ بعد اچانک اس کو

دیکھا تھا اور پھر اس کا یہ کہنا کہ "آپ کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، تمام باتیں اس کو اب تک سنائی دے رہی تھیں بے خیالی میں اس نے اپنے گلے کے ہار کو اتار لیا اور ماں کی نشانی کو چوم کر آنکھوں سے لگا لیا۔ انجم جہاں کی صورت اس کی آنکھوں میں پھرنے لگی۔۔ وہ محسوس کر رہی تھی۔ سروش آج پہلا انسان تھا جس نے سچے دل سے اس کی ماں کے غم میں ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔ اس سے پہلے کسی کے الفاظ اس کے دل میں اترتے ہوئے نہیں معلوم ہوئے تھے۔

سامنے کھڑکی میں سے وہ ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کو سروش خوش بخت کا سڈول جسم سلیٹی سوٹ میں اپنی زندگی اور ستاروں کے درمیان نظر آ رہا تھا۔ وہ اسی طرح خاموشی سے کھڑی اس کو بڑی دیر تک دیکھتی رہی۔ اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سروش خوش بخت اس سے منت کر رہا ہے کہ وہ برابر اس سے ملتی رہا کرے۔ سروش کی التجا بھری آنکھیں وہ اب اچھی طرح دیکھ سکتی تھی۔ اس کا دل بھر آیا، اس وقت وہ اس کی باتوں کا جواب دینے سے قاصر تھی۔ لیکن وہ اس کے خیالی مجسمے کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی اور اس کی باتوں کا جواب دے رہی تھی ۔۔۔"

"سروش! میں تم سے ضرور ملا کروں گی، مجھے کسی کی پرواہ نہیں جب کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں تو مجھے کیوں اس قدر دوسروں کا خیال رہتا ہے" وہ بڑی دیر تک کھڑی اس کو تکتی رہی، دور کسی گھنٹے نے بارہ بجائے اب وہ چونکی اور اپنی مسہری

پھر جاکر لیٹ گئی۔

"الٰہی مجھے کیا ہوگیا، میں کس طرح سروش کے خیال کو اپنے دل سے نکال دوں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔" اس کے دل میں سروش کی لگن تھی، وہ سوچنے لگی "آخر اس کا انجام کیا ہوگا؟"

∴

شام کا وقت ہے سرد تھی خوش بخت اپنی مختصر سی صاف ستھری کوٹھی کے ایک کمرہ میں بیٹھا ہوا ہے۔ قلم اس کے ہاتھ میں ہے وہ بظاہر کچھ لکھنے کی کوشش کر رہا ہے وہ اس وقت ہلکے بھورے رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے ہے آنکھیں کسی حد تک خمار آلود ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تمام رات جاگ کر کاٹی ہے۔ وہ کسی نہ کسی فکر میں ڈوبا ہوا ہے۔

یکایک اس نے قلم میز پر پٹخ دیا اور کرسی سے اٹھ کر جیب میں ہاتھ ڈال کر ٹہلنے لگا۔ اس کے متین اور پرکشش چہرے سے تفکر صاف جھلک رہا تھا۔ وہ بڑی دیر تک خاموشی سے سر جھکائے ٹہلتا رہا پھر اس نے کمرہ کی ایک ایک چیز کو خواہ مخواہ دیکھنا شروع کر دیا۔ کمرے میں دو طرف بڑی بڑی شیشوں کی الماریاں ہیں ان میں قانون کی موٹی موٹی کتابیں رکھی ہوئی تھیں ایک میز جس پر سبز رنگ کا

میز پوش پڑا تھا ایک کونہ میں رکھی ہوئی تھی جس پر بہت قیمتی گملا نما گلدان تھا اس میں طرح طرح کے پھول بکھرے ہوئے تھے۔ کمرہ کے بیچوں بیچ بڑی آفس ٹیبل رکھی ہوئی تھی اس پر مختلف کتابیں اور ضروری مقالات کی مسلیں رکھی ہوئی تھیں۔ چاروں طرف سبز چمڑا چڑھی کرسیاں تھیں۔

لیکن سروش کی نظر میں کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ رہی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں تو صرف کل آفتاب کے ہاں کی دعوت کا نقشہ تھا دعوت سے واپس آنے کے بعد سے اسے ایک پل چین نہیں تھا۔ وہ اپنا دماغی توازن کھو چکا تھا، خیالات کا ایک ہجوم تھا کہ امڈا چلا آ رہا تھا۔

مجھے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ عادت کی بہت ہو گی۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے اب تیر کمان سے نکل چکا واپس نہیں آ سکتا۔ اصل میں غلطی میری اپنی تھی۔ مجھے ہرگز ایک لڑکی کو تھوڑی دیر دیکھ کر اپنے خیالوں میں نہ بسا لینا چاہیئے تھا لیکن یہ بھی میرے بس میں نہ تھا میں نے قصداً ایسا نہیں کیا۔ آخر اس کی صورت کیوں ہر وقت میری آنکھوں میں پھرتی ہے؟ نہ اس کے گھر جا سکتا ہوں نہ وہ میرے ہاں آ سکتی ہے، عجیب مجبوری کا عالم ہے آخر اس کا انجام کیا ہو گا۔ چند مہینے سے اسکی ہی امید پر زندگی گذر رہی تھی اور جس کی تلاش میں میں نے کتنی راتیں گذاری ہیں کہ کبھی تو وہ دوبارہ مل جائیگی لیکن وہ ملی تو ایسی جگہ ملی جہاں اسے نہ ملنا چاہیئے تھا۔ کیا معلوم وہ آفتاب بھائی سے منسوب ہو چکی ہو کیونکہ وہ اس کے ماموں کی لڑکی ہے۔ جب اس کی ماں بیمار پڑی ہوئی تھی اور وہ بیچاری ان کے علاج کے لئے ادھر

ادھر ماری ماری پھرتی تھی اس وقت، کوئی پوچھنے والا نہ تھا! کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کن کن مشکلات کا سامنا کر رہی ہے اور اب آفتاب اس پر خاصا گردیدہ معلوم ہوتا ہے، وہ مجھے دیکھتے ہی پہچان گئی۔ نامعلوم کیوں مجھے دیکھ کر خاموش ہو گئی ممکن ہے اسے اپنی ماں کا خیال آ گیا ہو کیوں کہ ہماری پہلی ملاقات کے فوراً بعد ہی تو وہ ختم ہو گئی تھیں۔ اس دن باغ میں تو وہ مجھ سے بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی باوجود پریشانی اور فکر کے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اس کی چال ڈھال بات چیت میں ایک بچپنا تھا لیکن کل وہ بالکل بجھی بجھی اور بدلی ہوئی سی تھی حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ جہاندار صاحب کے ایک لڑکی اور بھی ہے لیکن میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی ہو گی۔

میں نے کیسی بڑی غلطی کی کہ اس دن اس کا نام و پتہ نہ پوچھا اب تین چار مہینے کے ایک پختہ اور مصمم خیال کو کس طرح اپنے دل سے نکال کر پھینک دوں؟ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ لیکن پھر کیا کروں سمجھ میں نہیں آتا کیا آفتاب اور اس کی والدہ سے مدد مانگوں؟ نہیں نہیں یہ بھی میری نادانی ہو گی وہ لوگ کس طرح موتیوں کا نوالہ بجائے اپنے منہ میں رکھنے کے میرے حوالے کریں گے۔ کیا پھر جہاندار کے ہاں جانا شروع کر دوں لیکن عارفہ کے ہوتے ہوئے ایسا بھی نہیں ہو سکتا وہ کسی طرح بھی اپنی سوتیلی بہن کا ربط ضبط میرے ساتھ نہ دیکھ سکے گی اور جہاندار صاحب تو بالکل ہی اس کی مٹھی میں ہیں کیا فائدہ ایسی بات کرنے سے جس سے سراسر نقصان ہو۔

یا خدا! تو نے میرے دل میں اس کا خیال اس شدت سے کیوں پیدا کر دیا کہ میری طبیعت کا سکون ہی جاتا رہا۔ اگر ایسا ہی ہے تو مجھے اس کا بدلہ کیوں نہیں ملتا؟ میں کب تک یاس و ناامیدی میں رہوں۔ لوگ کہتے ہیں محبت ایک وقتی چیز ہے۔ لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا میرے ساتھ تو معاملہ برعکس ہوا۔ چند ماہ کے عرصہ میں مجھے تھوڑی دیکھی ہوئی صورت بھول جانی چاہیئے تھی۔ اگر یہی وقت کا تقاضا ہے تو ــــ لیکن جیسے جیسے وقت گذر رہا ہے اس کی لگن بجائے گھٹنے کے میرے دل میں اور زیادہ بڑھ رہی ہے اگرچہ میں اس کو خود ہی بھول جانا چاہتا ہوں لیکن باوجود کوشش کے میں ایسا نہیں کر سکتا یہ تو ایک قدرتی چیز ہے۔ خداوند! میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔"

سوچتے سوچتے وہ ایک کرسی پر اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا اور بڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ آخر اس نے رومال سے پسینہ خشک کیا اور کمرے سے نکل کر باہر لان میں۔ ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنے ملازم عظمت خاں کو آواز دیکر پانی منگوا کر پیا۔ اب بالکل شام ہو گئی تھی، ہوا بھی چلنی شروع ہو گئی تھی۔ باہر کی خنکی سے آرام محسوس کر کے اس نے اپنا سر کرسی سے ٹیک دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

عظمت خاں جو سروش کے ہاں کا پرانا ملازم تھا اور جس نے اپنا لڑکپن اور جوانی کا زمانہ اسی کے گھر میں گذارا تھا اور سروش اس کی گود میں کھلایا ہوا تھا، دیکھ رہا تھا کہ سروش کل سے بہت افسردہ اور پریشان ہے کئی مرتبہ اس نے دریافت کرنے کا ارادہ بھی کیا۔ لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ اس وقت اس نے پوچھ ہی لیا۔

بھیا کل سے آپ بہت خاموش ہیں کیا بات ہے کچھ طبیعت تو خراب نہیں ہے؟ کھانا بھی بس ایسا کھا رہے ہیں جیسے کھایا ہی نہ ہو۔

سروش نے چونک کر جواب دیا۔

نہیں تو عظمت خاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔

عظمت خاں بولا۔ نہیں میاں! آپ کو کوئی فکر ضرور ہے میں چھوٹے پن سے آپ کو دیکھتا چلا آرہا ہوں، بھیا! میں! میں کوئی بچہ ہوں جو آپ مجھے بہلا رہے ہیں؟

سروش نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

نہیں عظمت خاں کوئی بات نہیں ہے تم اسی طرح میری ایک ایک بات دیکھتے ہو، اچھا سیما کہاں ہے؟

عظمت خاں نے کہا۔ سیما بی بی اپنی سہیلی گل بالو کے ہاں بیڈ منٹن کھیل رہی تھیں میں بھی انہیں کے ساتھ تھا ابھی آئی ہیں۔

وہ اسی قدر کہنے پایا تھا کہ سامنے سے خورشید احمد آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ سروش کا بچپن کا ساتھی اور مخلص دوست تھا۔ دونوں نے پریکٹس بھی ساتھ ہی شروع کی تھی۔ خورشید کو دیکھ کر سروش نے مسکرا کر کہا۔ آیئے آیئے مہربان آج کدھر بھول پڑے ارے اکیلے کیوں آرہے ہو، بھابی کیوں نہیں آئیں۔

خورشید نے دھم سے اپنے آپ کو کرسی پر گراتے ہوئے کہا۔

بھئی تمہاری بھابی اس وقت کچھ دیر کے لئے اپنی کسی سہیلی کے ہاں چلی گئی ہیں ہم نے سوچا لاؤ ہم بھی اپنے سہیلے کا مزاج پوچھ آئیں آج ذرا سست معلوم ہو رہا تھا ہمارا سہیلا۔

پھر سروش کو بغور دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔
کہو یار کیا بات ہے واقعی آج صبح سے تمہارا چہرہ بہت اترا ہوا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟
سروش نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔
ہاں ہاں بالکل ٹھیک ہے لیکن تم یہ کہو کہ جب بیوی گھر نہ ہوئیں تو تمہیں ہمارا خیال آیا ورنہ اب تو ہم محض بیگانے ہوئے ہیں۔
خورشید نے سروش کو گھورتے ہوئے کہا۔
جی ہاں ہم سمجھ رہے ہیں کہ حضور ہمیں بہلا رہے ہیں ہماری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور لگے آئیں بائیں شائیں بکنے بولو جلدی کیا بات ہے۔ معلوم ہے ہم ایک ہی گرگ باراں دیدہ ہیں۔
سروش نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ تمہارا سر اور بات کیا ہوتی؟ خواہ مخواہ بیمار بنا رہے ہو بس تو اچھا خاصا ہٹا کٹا ہوں۔
یہ کہہ کر اس نے اپنا سینہ تان کر خورشید کے سامنے کر دیا۔
خورشید بولا۔
استاد کیوں ہمیں بیوقوف بنا رہے ہو تمہاری صورت تو کچھ اور ہی بتا رہی ہے دیکھو مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ سیدھی طرح بتاؤ کہ کیا معاملہ ہے؟
سروش نے سگریٹ اس کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
اچھا تم پہلے سگریٹ تو پیو بے کار باتیں کر رہے ہو معاملہ کیا ہوتا۔ سوائے وہم کے اور اس کی دوا لقمان کے پاس بھی نہیں ہے اور اگر تم ایسے ہی جہاندیدہ ہو تو پھر تم ہی کچھ بتاؤ میں تو نہیں سمجھتا کہ معاملہ

کیا ہے۔

خورشید نے بڑے ہی تجربہ کارانہ انداز سے کہا۔

ہاں ہاں تم اپنا منہ ذرا روشنی کی طرف تو کرو صاف پڑھ لوں گا میں کوئی ان پڑھ ہوں آخر تم نے مجھے سمجھا کیا ہے؟

یہ کہہ کر اس نے سروش کا چہرہ روشنی کی طرف پھیر دیا، سروش مسکرانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ خورشید نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

سرکار آپ کا چہرہ تو کچھ اور ہی رنگ بتا رہا ہے ہمیں تو صاف یہی نظر آ رہا ہے کہ کسی لڑکی کی نظر لگ گئی ہے، اب اس نظر کو اتارنے کی کوئی ترکیب ہونی چاہئے اگر کہو تو کسی ملا سیانے کو بلاؤں۔

سروش نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

واہ وا! خوب، کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔

خورشید مسکرا کر بولا۔ اب جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں اور وہ بھی مجھ سے میں بالکل صحیح بات کہتا ہوں، کہو ہے نا ٹھیک؟ واللہ ہاتھ ملاؤ مزا آ گیا ٹھہرو میں سب بتاتا ہوں کل تم اپنے دوست مسٹر آفتاب عرف ڈھل مل یقین کے ہاں دعوت میں گئے تھے معلوم ہوتا ہے وہیں سے شگوفہ کھلا ہے۔

سروش اب بالکل خاموش تھا۔ خورشید کے کہنے سے پھر کل شام والی دعوت کا نقشہ اس کی آنکھوں میں پھرنے لگا۔ وہ بالکل ہی کھو گیا اس کو خورشید کی موجودگی کا بھی احساس نہیں رہا۔ سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا۔ خورشید نے سر ہلا کر کہا۔

یہ جادو تو سر چڑھ کر بولنے والا معلوم ہوتا ہے۔ میرا یار بالکل ہی کھو گیا ہے۔ معاملہ کچھ بہت زیادہ سنگین معلوم ہو رہا ہے۔
سروش نے بے خودی کے عالم میں اپنا اقرار میں سر ہلاتے ہوئے گویا اپنے آپ سے کہا۔
ہاں بات کوئی ایسی ہی ہے اور میرے بس کے باہر۔
خورشید نے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔
ارے عقلمند مجھے بھی تو بتاؤ کہ قصہ کیا ہے خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو اور دوسروں کو بھی تنگ کر رہے ہو۔
سروش نے گہرا سانس لیکر دھیمی آواز سے کہا۔
تمہیں کیا بتاؤں خورشید، میں خود ہی نہیں سمجھ سکتا۔
خورشید نے مصنوعی ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا۔
بس تم میرے سامنے ایسے احمقوں کی سی باتیں نہ کیا کرو غصہ آتا ہے مجھے تمہاری ایسی لغو باتوں پر ارے کچھ تو بولو کیا آفتاب کی بہن دل دے بیٹھی؟
سروش نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔
لاحول ولا قوۃ ــــ بھئی تم بھی کیسی باتیں کرتے ہو۔
خورشید نے اپنے الفاظ پر زور دیکر کہا۔
باتیں کیا میں غلط کہتا ہوں کون سی بات میری ٹھیک نہیں نکلی؟ مجھ کو معلوم ہے وہ آج کل سب سے زیادہ تم پر پوری رفتار سے ڈورے ڈال رہی ہے، اور تم پر بری طرح مر رہی ہے۔
سروش نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

خیر وہ مر رہی ہوگی لیکن اب تو ہمارے مرنے کا زمانہ آگیا ہے۔
خورشید مسکرا کر بولا۔
ارے بھائی تو بتاتے کیوں نہیں صاف صاف کہو کس ذات شریف
پر مر رہے ہو تم؟ وہ کون خوش نصیب ہے؟ یہ بغیر اطلاع کے یکایک
آخری وقت کیسے آگیا؟ کچھ تو بولو شاید ہم کچھ تدبیر کر سکیں اور تمہاری
موت کو بالا بالا ٹال دیں تاکہ تمہاری ایسی قیمتی جان بچ جائے ورنہ
یار ہمیں تو ایسا صدمہ ہوگا کہ ہم خود ہی تمہارے ساتھ چل بسیں گے۔
سروش نے تنگ آکر کہا۔
دیکھو خورشید تم میرا مذاق نہ اڑاؤ۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔
خورشید نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ ہاں بھئی ہم کیا خاک
سمجھیں گے، بھلا ہم تمہاری برابری کہاں کر سکتے ہیں۔ ہم نے تو بس
ایک مرتبہ آصفہ کو دیکھ کر اماں سے کہہ دیا تھا کہ ہماری شادی اس
لڑکی سے کر دو۔
سروش نے جواب دیا۔ ہاں بھئی ہم بھی جانتے ہیں کہ تم بڑے
خوش قسمت ہو۔
خورشید بولا۔ کیا خوب، خوش قسمت ہم ہیں کہ تم ہو۔ ایک سے
ایک چھٹی ہوئی سوسائٹی کی جان لڑکی تم پر مرتی ہے اور تم ہو کہ کچھ
منہ تک نہیں لگاتے پچھلی دفعہ عارفہ بیچاری نے۔۔۔۔
وہ اسی قدر کہہ سکا کیوں کہ سروش نے جلدی سے اپنا
ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا اور بولا۔
بس بس خورشید تم اس کا اب نام نہ لینا اسی کی وجہ سے میں

سخت الجھن اور عذاب میں پڑا ہوا ہوں۔

خورشید نے حیرت سے کہا۔ کیا تم نے پھر عارفہ جہاندار سے ملنا جلنا شروع کر دیا؟ دیکھو سروش عقل سے کام لو وہ بڑی ہی نک چڑھی اور خود دماغ لڑکی ہے اگر شادی ہو گئی تو معلوم ہے ہے؟

یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ سروش کے سر پر پھیرتے ہوئے کہا۔ اس چاند پر ڈھونڈے سے بھی کوئی بال نہیں ملے گا۔ ہاں کیا سمجھے استاد ساری بیرسٹری عدالت تک ہی رہ جائے گی حضور کی۔

سروش نے عاجز ہو کر کہا۔ دوست تم بھی کیسی باتیں کر رہے ہو۔ میں تو اس کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتا اور آپ ہیں کہ شادی بھی کرائے دے رہے ہیں بندۂ خدا کچھ تو عقل ہونی چاہئے۔ آپ کے اس سر مبارک میں۔

خورشید نے اس کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر تم خود ہی کیوں نہیں صاف صاف بتلاتے گھنٹہ بھر سے بیٹھے پہیلیاں بجھا رہے ہو اور میرا دماغ خراب کر دیا ہے۔ بیٹھے ہیں منہ بسورے بیچارے بنے۔

سروش نے جواب دیا۔ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ تم اپنا دماغ خراب کرو خود ہی گھنٹہ بھر سے شہد کی مکھی بنے بیٹھے ہو۔

خورشید نے جواب دیا۔ پھر ہم کیا کریں۔ بیاہ ہم سے تمہاری یہ رونی صورت دیکھی نہیں جاتی۔ جلدی بتاؤ قصہ کیا ہے؟ ورنہ سچ مچ وہ مرمت کروں گا کہ سارا عشق کا فور ہو جائے گا۔ بہت [illegible] کر دیا تم نے۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد سروش نے رکتے رکتے پچھلے چند مہینہ کا عرصہ سے باغ والی ملاقات کا ذکر کیا اور کہا۔

پھر کل شام کو آفتاب کے ہاں دعوت میں دوبارہ اس کو دیکھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی۔

خورشید نے بات کاٹ کر کہا۔

نہیں تمہیں یہ امید ہوگی کہ تمہارا چاند مسٹر ڈھل مل یقین کے ہاں طلوع ہو جائیگا اچھا اسی وجہ سے رنجیدہ ہو۔

سروش نے کہا۔ ہاں مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ وہاں مل جائیگی پوچھنے پر اس نے بڑی مشکل سے اپنا نام بتایا اور فوراً قدرت کی ستم ظریفی تو دیکھو کہ وہ توفیق احمد جہاندار کی چھوٹی لڑکی ہے۔

خورشید نے حیرت سے کہا بھئی واہ کمال ہوگیا عارفہ جہاندار کے کوئی بہن بھی ہے ہمیں اسکی خبر تک نہیں۔

سروش نے کہا۔ عارفہ کی ماں کے مرنے کے بعد جہاندار نے دوسری شادی کی تھی اور یہ لڑکی دوسری بیوی سے ہے۔

خورشید نے پوچھا بھئی سوال تو یہ ہے کہ جب تم انکے گھر جایا کرتے تھے تو تم نے اس لڑکی کو پہلے کیوں نہ دیکھا وہ پردہ کرتی تھی جب۔

سروش نے جواب دیا۔

نہیں یہ بات نہیں بلکہ قصہ یہ ہے کہ جہاندار صاحب کے اپنی دوسری بیوی سے تعلقات اچھے نہ تھے اسی لیئے ان بیچاری کو انہوں نے کہیں علیحدہ رکھ چھوڑا تھا اور انکی لڑکی بھی انہیں کے ساتھ رہتی تھی۔ ملنا جلنا آنا جانا سب بند تھا اور جب میں پہلی مرتبہ باغ میں اس سے ملا تھا اسوقت وہ اپنی ماں کی پاس رہتی تھی اب ماں کے مرنے کے بعد جہاندار صاحب اسکو اپنے پاس لے آئے یعنی اب وہ بھی جہاندار منزل میں رہتی ہے۔

یار بڑی حیرت ہو رہی ہے یہ بھی جہاندار صاحب کی لڑکی نکلی سمجھ میں نہیں آتا کہ انکی لڑکیوں میں کیا ایسی کشش ہے جو تمکو مقناطیس کیطرح کھینچ لیتی ہے جبکہ دیگر لڑکیاں اگر تمہیں رجھانے کی بھرپور کوشش کرتی ہیں لیکن تم ٹس سے مس نہیں ہوتے اور جہاندار کی لڑکیوں کو دیکھ کر ریشہ خطمی ہوجاتے ہو۔ یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس سے پہلے عارفہ منظور نظر تھی۔

سروش نے جواب دیا۔ تم وہ عارفہ والی بات رہنے دو۔ اسکا تو تم ذکر ہی نہ کرو لیکن اب معاملہ کافی خطرناک صورت اختیار کرگیا ہے۔

خورشید نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

خطرناک کا ہے کی معلوم یہ ہوتا ہے کہ تمہاری قسمت میں جہاندار کی لڑکی لکھی ہے بڑی نہ سہی چھوٹی سہی۔ بنو گے تم جہاندار کے داماد۔

سروش نے جواب دیا۔

ارے میاں کیا باتیں کرتے ہو۔ کاش وہ انکی لڑکی نہ ہوتی۔

خورشید مسکرا کر بولا۔ اگر وہ انکی لڑکی نہ ہوتی تو تمہاری یہ حالت نہ ہوتی ارے بھئی میں کہتا ہوں وہ کسی کی بھی لڑکی ہو تمہیں اپنی غرض سے مطلب ہونا چاہیئے۔

سروش نے عاجز آکر کہا۔ دیکھو خورشید اسوقت تم نے خود ہی خوامخواہ مجھے چھیڑا ہے اور اب بیوقوفی کی باتیں کرنے لگے مجھے معلوم ہے کہ تم کسی مرض کی دوا نہیں ہو۔

خورشید مسکرا کر بولا۔ ہاں تمہارے مرض کی بس ایک ہی دوا جہاندار ہے۔ اگرچہ ہم کسی مرض کی دوا نہیں ہیں لیکن معالج کے گھر کا راستہ بتا تو سکتے ہیں جو شاید تمہیں معلوم نہیں۔ ہم جو کہتے ہیں وہی کرو۔

سروش نے پوچھا۔ اچھا کیا کہتے ہو ذرا معلوم تو ہو کہ تم کتنے عقلمند ہو۔

خورشید مسکرا کر بولا۔

بھئی سنو! ہماری رائے تو یہ ہے کہ کیوں تم مفت میں پریشان ہو رہے ہو تدبیریں سوچ رہے ہو، دماغ خراب کر رہے ہو پھر بھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اسلئے بہتر طریقہ یہی ہے کہ موقعے کی تلاش میں رہو۔ جب کہیں اکیلے دکیلے لڑکی کو دیکھو تو فوراً کار میں بٹھایہ جا وہ جا۔ جہانداد صاحب شریف آدمی ہیں کچھ نہ بولیں گے بعد میں سب ٹھیک ہو جائیگا اور تمہارا کام ہو جائیگا اس سے بہتر ترکیب اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

سروش نے جلکر کہا۔ جی ہاں، بہت ہی لاجواب ترکیب بتائی آپنے کیا کہنے آپکی اعلیٰ دماغی کے اور آپکی ہمدردی کا بہت بہت شکریہ۔

خورشید بولا۔ جی ہاں معلوم ہو گیا بس ہمکو بھی کہ جناب کی عقل بھی ابھی بڑے باغ میں بھٹک رہی ہے ارے میاں ہم تو مذاق کر رہے تھے اور تم سچ سمجھ رہے ہو ورنہ ہمارا تو پرواز خیال کسی ایسی ترکیب کی فکر میں ہے کہ سانپ مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے یعنی یہ لڑکی تمہاری ہو جائے اور بقیہ حالات بھی بدستور رہیں کہو ٹھیک ہے نا؟

سروش نے گہرا سانس لیکر مایوسی سے کہا۔

نہیں بھئی اپنی زندگی میں تو ایسا معلوم نہیں ہوتا۔

خورشید نے کہا۔ بھئی تم تو قیامت سے پہلے گریبان چاک کرنے لگے ایسا کیوں نہیں ہو سکتا تم میں کیا خرابی ہے، چراغ لیکر ڈھونڈیں گے جہانداد صاحب جب بھی تم جیسا لڑکا نصیب نہیں ہو سکتا۔ نواب سردار علیخاں کو نہیں دیکھتے کتنی بڑی شخصیت ہیں۔ پھر بھی اپنی لڑکی دینے کیلئے کیا کیا ترکیبیں کرتے ہیں کتنی تمہاری خوشامد کرتے ہیں۔ مس خان، مس ثریا، مس سعید وغیرہ کونسی ایسی لڑکی ہے جو تم پہ جان نہیں چھڑکتی۔ جہانداد اور انکی لڑکی میں کیا لعل جڑے ہیں؟

سروش نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

بھائی تم نہیں سمجھ سکتے۔ بس میرا اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔

خورشید بولا۔

بہت اچھا حضور میں سمجھ گیا ایسا نہیں ہو سکتا پھر کیوں جناب اس لڑکی کی فکر میں گھلے جا رہے ہیں کاہے کو ایسی حالت بنا رکھی ہے جب اس کا انجام بھی معلوم ہے تو پھر اس کے خیال کو استعفیٰ دیدو۔

سروش نے تیزی سے کہا۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہوں۔ اگر ایسا ہو سکتا جیسا کہ تم کہہ رہے ہو تو میں کب کا اس کا خیال چھوڑ چکا ہوتا لیکن مشکل تو یہی ہے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔

خورشید نے جواب دیا۔

بس یہ تو ٹھیک ہے۔ اپنی سی کوشش کر کے دیکھو بلکہ پختہ ارادہ کر لو۔ اور اپنے خیال کو مضبوط کر دیں تو تم کو یہی رائے دوں گا کہ پہلے لڑکی کو ہموار کرو۔ اسے سولہ آنے اپنا ہم خیال بناؤ "جب دو دل راضی۔ تو کیا کرے گا قاضی" والی بات ہونی چاہیئے۔ اور کیا خبر ہے کہ تمہارے لئے اسکی بھی یہی حالت ہو جو تمہاری ہو رہی ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی لڑکی تمہیں دیکھ کر بغیر متاثر ہوئے رہ سکے۔ لڑکی کو جانے دو۔ تمہارے سامنے میرے اپنے دل کی بھی یہی حالت ہوتی ہے تم نکلتے ہو تو چاند شرما کر بادلوں میں چھپ جاتا ہے کیا سمجھے؟

سروش بولا۔

بھائی تم بیکار کی باتیں چھوڑو۔ تمہاری عادت ہے کہ ہر بات مذاق میں اڑا دیتے ہو کوئی کام کی بات نہیں کرتے۔

خورشید نے کہا۔
مذاق کی کیا بات ہے تمہاری شخصیت ہی ایسی ہے۔ دو چار مرتبہ ملاقات کرنے پر ممکن ہی نہیں کہ وہ تمہاری گرویدہ نہ ہو جائے۔ یار تم راہ و رسم تو بڑھاؤ۔
سروش نے سرد آہ بھر کر کہا۔
راہ و رسم جب ہے ہی نہیں تو مرضی جاننے کا سوال کیسے ہو سکتا ہے نہ میں جاندار کے ہاں جا سکتا ہوں نہ وہ یہاں آ سکتی ہے اگر کہیں سال چھ مہینے میں ادھر ادھر ملاقات ہو گئی تو اسکا کیا اثر ہو سکتا ہے۔
خورشید بولا۔
نہیں بھئی۔ یہ بات ہو سکتی ہے آپنے نا امید نہ ہو۔ کیا ان دونوں گھروں کے علاوہ تمہاری کہیں اور ملاقات نہیں ہو سکتی۔ اب کل تم آفتاب کے ہاں مل چکے ہو۔
سروش نے جواب دیا۔
نہیں میں آفتاب کے ہاں اس سے ملنا نہیں چاہتا۔
خورشید بولا۔
اچھی بات ہے پھر کوئی دوسری ترکیب کریں گے۔ تم ہمیں کیا سمجھتے ہو؟ کیا ہم کچھ عقل نہیں رکھتے۔
وہ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ سامنے سے سیما آتی ہوئی نظر آئی اسکی عمر تقریباً پندرہ سولہ سال کی تھی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں گندمی رنگ، بھالی سیرت کی طرح اسکے چہرے پر بھی بلا کی سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ وہ اسو ترست کا ہی تھلا دوپٹہ اور ڈھیلا ڈھالا قمیص پہنے ہوئے تھی لمبے لمبے بالوں کی دو چوٹیاں گلابی ربن

سے ملنے آئی تھیں ۔ اس نے خورشید کو دیکھتے ہوئے کہا۔
آہا ! آج تو خورشید بھائی آئے ہیں اور بھابی کیوں نہیں آئیں ؟
خورشید ہنس کر بولا۔ پہلے بتاؤ کیا کر رہی تھیں ؟
سیما نے ہنس کر جواب دیا۔
کچھ بھی نہیں کر رہی تھی ۔لیکن آپ کیسے آج راستہ بھول گئے ۔خالہ جان کیسی ہیں ہیں تو خود کئی دن سے بھائی جان سے کہہ رہی تھی ۔کہ خورشید بھائی کے ہاں چلو لیکن آجکل انہیں فرصت نہیں ملتی ۔
خورشید مسکرا کر بولا۔
ہاں تم بالکل ٹھیک کہتی ہو انہیں واقعی آجکل بیکار باتوں کا وقت نہیں ملتا ۔ بھئی اب تو یہ بھی میدان عمل میں اتر آئے ہیں ۔
سیما نے خورشید کی بات کو بالکل نہ سمجھتے ہوئے ملازم کو بلا کر شربت وغیرہ منگوایا ۔
خورشید بولا ۔ ہاں دیکھو ۔ بہن چاہے کتنی چھوٹی کیوں نہ ہو اسے اپنے بھائیوں کے کھانے پینے کا کتنا خیال رہتا ہے اب تم آئیں تو پان اور شربت بھی آیا ورنہ ہم یہاں گھنٹہ بھر سے بیٹھے ہوئے اس حقیقی بھائی سے اپنا دماغ خالی کرا رہے ہیں لیکن بندہ خدا نے جھوٹے منہ پانی کو بھی نہ پوچھا ۔
سیما نے ہنس کر جواب دیا ۔
آپ نے مجھ سے کہلا دیا ہوتا آپ بھائیجان کی شکایت کیوں کر رہے ہیں انہیں خیال نہ رہا ہوگا ۔
خورشید نے سرد آہ بھر کر کہا
ہاں اب بھائی جان کو بھلا ہمارا خیال کیوں رہنے لگا ۔

سروش سگریٹ ہاتھ میں لیئے خاموش بیٹھا سب سوچ رہا تھا سیما
نے اپنا سر اسکے شانے سے ٹیکتے ہوئے کہا۔

میرے اچھے بھائیجان۔ ایک فلم بہت اچھی آئی ہوئی ہے ہمارے ساتھ
کی سب لڑکیاں تو دیکھ بھی آئیں ہم کیسے جائیں؛

خورشید بولا۔

بھائیجان کیساتھ جاؤ کار میں بیٹھ کر۔ اور کیسے جاؤ گی۔

سیما سروش کیطرف دیکھنے لگی۔ سروش نے مسکرا کر اس سے کہا۔

تم پریشان کیوں ہوتی ہو ہم دکھائیں گے۔

سیما نے خوش ہو کر کہا۔ اچھا تو پھر کب چلینگے؟

جب تم کہو۔

سیما نے خوشی سے تالی بجاتے ہوئے کہا۔ آہ کتنے اچھے ہیں میرے بھائی
جان۔ آج ہی رات کو چلیں گے ٹھیک ہے نا؟

خورشید مسکرا کر بولا۔

ہاں ہاں۔ بالکل ٹھیک ہے۔ چلیں گے کیوں نہیں بلکہ ہم بھی ساتھ جائینگے
تمہاری بھابی کو ہم سے یہی شکایت رہتی ہے کہ ہم انہیں کبھی سینما نہیں دکھلاتے چلو
آج تمہاری بدولت انکے ہاتھوں اس پر ایک احسان ہی ہو جائیگا۔

سیما نے جواب دیا۔

جی خورشید بھائی۔ یہ ٹھیک ہے ہم سب ساتھ چلینگے بڑا لطف آئیگا
اچھا آپ اب ذرا جلدی جا کر بھابی کو تیار کر لیں۔

خورشید بولا۔ انکی تیاری کیسی کچھ بھی حال ہو گا۔ فلم کا نام سنکر بھاگ
پڑیں۔

سیما نے کہا خیر اب آپ گھر چلے جائیے ۔ آپکی تیاری میں تو دیر لگے گی میں آپکی عادت سے واقف ہوں۔
یہ کہکر وہ جلدی سے اندر چلی گئی ۔ خورشید بھی اٹھ کھڑا ہوا ۔ اور چلتے چلتے سروش سے کہتا گیا ۔
بھئی سروش اتنی پریشانی اور فکر کی ضرورت نہیں جبتک ہمارے دم میں دم باقی ہے ہر ممکن کوشش تمہاری کامیابی کی کرینگے ۔
سروش نے کھڑے ہوکر اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔
اچھا دوست تمہارا بیحد شکریہ ذرا احتیاط رکھنا کہ اس بات کی شہرت نہ ہو ۔
خورشید نے کہا ہم
تم اطمینان رکھو ۔ لیکن آصف سے ضرور کہونگا ۔ بلکہ اس سے مشورہ لوں گا کیونکہ عورت کا دماغ ذرا ان باتوں میں ہم سے زیادہ چارسو بیس ہوتا ہے اور آصف ویسے ہی بہت تیز ہے ضرور کچھ نہ کچھ کریگی ۔
یہ کہکر خورشید رخصت ہو گیا ۔
سیما سروش کی چھوٹی بہن تھی دونوں میں بیحد محبت تھی ۔ سیما کے بچپن میں انکی ماں کا انتقال ہو گیا تھا ۔ سروش بہن کا بہت زیادہ خیال رکھتا تھا اسکی ادنیٰ سی خوشی کو اپنی خوشی سے زیادہ مقدم سمجھتا تھا ۔ اور اسکا کہنا بھی نہیں ٹالتا تھا ۔ سیما کا بھی یہی حال تھا ۔ سیما بھی بھائی پر پروانہ کی طرح نثار تھی اس کی ہر بات اور ہر کام کا خیال رکھتی تھی وہ سیکنڈ ائیر میں پڑھ رہی تھی اور تعلیمی مصروفیات کے باوجود وہ سروش کی دیکھ بھال بیویوں سے زیادہ کرتی تھی اور روزانہ اس کی پسند کا کوئی نہ کوئی کھانا اسکے لئے خود تیار کرتی تھی ۔

جلدی جلدی کھانے سے فارغ ہوکر سیما اور سروش خورشید کا انتظار کرنے لگے۔

سیما بولی۔

خورشید بھائی کا ابتک پتہ نہیں انکی تو یہی عادت ہے۔

سروش نے اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا

آجائیں گے گھبراؤ نہیں ابھی تو بہت وقت ہے۔

سیما کو اسوقت خورشید کا بے حد انتظار تھا۔ وہ سنیما دیکھنے کی بہت شوقین تھی اور بہت بے چینی سے خورشید کا انتظار کر رہی تھی۔ دل ہی دل میں اسکو بہت برا بھلا کہہ رہی تھی۔ کچھ دیر تو وہ برآمدے میں ٹہلتی رہی پھر اس سے ضبط نہ ہوسکا اور سامنے کھڑی سروش کی کار میں بیٹھ گئی اور بولی۔

چلیئے بھائیجان، خورشید بھائی کے گھر ہی چلتے ہیں۔ آئیں وہ ابھی تک نہیں آئے۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔

سروش بولا۔

اچھی بات ہے چلو۔

یہ کہکر وہ بھی کار میں بیٹھ گیا اور چلنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ سامنے سے خورشید اور اس کی بیوی آصفہ آتے ہوئے دکھائی دیئے دونوں کار سے اتر آئے۔

سیما آگے بڑھکر بولی۔

خورشید بھائی آپ نے تو کمال کردیا اتنی دیر سے آئے ہیں میں تو تقریبًا ناامید ہوگئی تھی۔

سروش نے مسکراکر کہا۔

سیما تم کیسی باتیں کر رہی ہو بھابی سے سلام نہ دعا۔ اور خورشید کی ٹانگ لے لی۔

پھر آصف کیطرف جھک کر بولا۔ کہئیے بھابی مزاج تو بخیر ہیں؟
آصفہ نے ہنس کر جواب دیا۔
جی ہاں۔ شکریہ۔ ہم تو اچھے ہیں آپ بتائیے آپکے مزاج کیسے ہیں؟
خورشید بیچ میں بول پڑا۔
انکا مزاج تو مجھے معلوم ہے بہت خوش مزاج شخص ہیں۔ بدمزاجی سیکھے آج کے ایسی کبھی نہ تھی۔

یہ سنکر آصفہ ہنسنے لگی۔ وہ اسوقت آسمانی ساڑی پہنے ہوئے تھی موتیا کا گجرا جوڑے کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ ناک میں ہیرے کی کیل چمک رہی تھی صورت معمولی تھی لیکن اسکا چہرہ ہمیشہ مسکراتا رہتا تھا۔ اس کے ماتھے پر کبھی شکن نہیں پڑی تھی۔
سیما بولی۔
بھائیجان۔ باتیں پھر کر لیجئے بس اب چلئے کیونکہ اب وقت بہت کم رہ گیا ہے۔
یہ کہکر وہ آصفہ کو لے کر کار کی پچھلی سیٹ پر جلدی سے بیٹھ گئی۔ اور خورشید سروش کے برابر بیٹھ گیا۔

سنیما پہنچکر خورشید نے جلدی جلدی چار ٹکٹ خریدے اور جب یہ چاروں ہال میں پہنچے۔ تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ ہال بھرا ہوا تھا۔ اتفاق سے ایک طرف دو دو صوفے خالی مل گئے۔ ایک پر آصفہ اور خورشید بیٹھ گئے اور دوسرے پر سروش اور سیما۔ ہال میں گھپ اندھیرا تھا اسکرین

پر اشتہار بازی ہو رہی تھی سیما آصف سے بولی۔

بھابی ہم دیر سے پہنچے اگر جلدی آجاتے تو اویر کیفے میں بیٹھ جاتے۔

کچھ دیر بعد فلم شروع ہو گئی۔ دلچسپ فلم تھی۔ جس میں مزاح کا پہلو زیادہ تھا آصف اور سیما ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہو رہے تھیں۔ خورشید برابر انکو ٹوک رہا تھا مگر اسکی کون سنتا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے انٹرول ہوا ہال روشنی سے جگمگا اٹھا۔ آصف اور سیما سنبھل کر بیٹھ گئیں۔ لوگ اٹھ اٹھ کر باہر جانے شروع ہو گئے سروش نے اپنے پہلو کیطرف سے بہت آہستہ سے سرگوشی کی آواز کے ساتھ سنا۔

ارے آپ یہاں۔

اس نے چونک کر جلدی سے مڑ کر جو دیکھا تو برابر کے صوفے پر روسہ کو بیٹھے ہوئے پایا جب دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں تو ایک لمحے کے لیے دونوں کی نگاہوں میں خوشی کی چمک پیدا ہو گئی اور روسہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

بڑی خوشی ہوئی آپکو اچانک دیکھ کر۔

سروش خود بخود ہنس دیا اور بولا۔

سچ پوچھو۔ مجھے بھی انتہائی مسرت اور حیرت ہوئی۔

آفتاب اور روح افزا نے بھی سروش کو دیکھ لیا۔

آفتاب نے کہا۔

ہلو۔ خوش بخت! تم اچھے خاصے الہ دین کے چراغ والے جن ہو جہاں تمہارا خیال آیا اور تم آن موجود ہوئے۔

سروش مسکرا کر بولا۔ اسوقت میرا تصور کون کر رہا تھا؟

آفتاب نے جواب دیا۔ جب ہم یہاں آ رہے تھے تو میں نے سوچا کہ تمہیں بھی ساتھ لے چلوں۔

سروش نے مسکرا کر کہا۔

بس تم حسب عادت منہ دیکھنے کی باتیں کرنے لگے۔

روح افزا نے کہا۔

نہیں۔ خدا کی قسم میں نے صبح ہی سے آپ کے لئے کہا تھا لیکن کچھ دیر ہو گئی۔ اس کے علاوہ میں جانتی تھی کہ جب آپ دوسروں کو نصیحت کرتے ہیں تو پھر خود کیوں سنیما دیکھنے لگے۔ آپکو یہاں دیکھ کر بڑی حیرت ہو رہی ہے۔

سروش نے جواب دیا۔

جی ہاں مجبوری انسان کو سب کچھ کرا دیتی ہے اگر میں نہ آؤں تو پھر سیما کیسکے ساتھ آئے۔ اسکو سنیما دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

عروسہ نے جلدی سے پوچھا۔ سیما کون ہیں؟

سروش نے ہنس کر جواب دیا۔

سیما میری چھوٹی بہن ہے۔

پھر سیما کی طرف مڑ کر بولا۔ ادھر آؤ سیما ان سے ملو۔

خورشید نے گردن موڑ کر پوچھا۔

ارے میاں کس سے باتیں کر رہے ہو۔ کون حضرت ہیں جو جناب اسقدر مسرور ہیں۔

سروش نے اسکو اور آصفہ کو بھی قریب بلا لیا۔ اور عروسہ سے سبکا تعارف کرایا۔

خورشید عروسہ کو دیکھنے لگا۔ اور عروسہ نے سیما کو بڑی پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے ملکر۔
اور سیما عروسہ کو دیکھ کر ایسی متاثر ہوئی کہ وہ بول نہ سکی صرف مسکرا کر اسکو دیکھتی رہی۔ خورشید اب بھی عروسہ اور سروش کو دیکھ رہا تھا بلکہ بغور انکا مطالعہ کر رہا تھا۔ سروش اس وقت بے حد خوش تھا اس کا چہرہ مسرت سے چمک رہا تھا وہ اس خیال سے مگن تھا عروسہ اس کے پہلو کی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ہے اور عروسہ اس کا چہرہ بھی رنگین ہو رہا تھا اگرچہ وہ اپنی حالت چھپانے کی بہت کوشش کر رہی تھی لیکن اس کے چہرے کے آثار چڑھاؤ سے اسکی دلی خوشی کا اندازہ بخوبی پایا جاتا تھا۔ آفتاب نے عروسہ سے کہا۔
اگر تم چاہو تو میری جگہ آجاؤ میں اس طرف آجاؤنگا۔
عروسہ نے جلدی سے جواب دیا۔
جی نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔
سیما بولی آج بھائیجان کا آنیکا ارادہ نہیں معلوم ہو رہا تھا انکی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے لیکن میں زبردستی لے آئی ہوں۔ خورشید بھائی نے میری سفارش کردی تھی۔
عروسہ نے جواب دیا۔
آپ ہملوگوں کے ساتھ ہی آجایا کیجئے۔ آخر روز انکو آپا مجھکو بھی ساتھ لیتی ہیں اسطرح ہملوگ آپ کو بھی لے آیا کرینگے۔
یہ کہکر اس نے آفتاب کیطرف دیکھا آفتاب نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔
ہاں بالکل ٹھیک کہتی ہو عروسہ ہم سب اکٹھے سنیما دیکھنے آیا کرینگے۔

سیمانے جواب دیا۔

میرے بھائی جان تو بڑی خوشی سے مجھے سنیما دکھاتے ہیں بلکہ میرا ہر شوق بڑی خوشی سے پورا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے میں زیادہ تر ان کے ساتھ آتی ہوں کہ میرے ساتھ ہی جاتے یہ بھی تھوڑی سی تفریح کر لیں ورنہ تو یہ کبھی کوئی پکچر دیکھتے نہیں۔

یہ سنکر سروش ہنس دیا اسے اسوقت بات بات پر ہنسی آرہی تھی۔

خورشید بولا بے چاری واقعی یہی سمجھتی ہے کہ ان کے بھائی جان بہت ہی نیک قسم کے ناتجربہ ہوئے ہیں۔ انہیں کیا خبر کہ باہر نکل کر یہ حضرت کیا کیا گل کھلاتے ہیں۔

سروش نے مسکرا کر خورشید کیطرف دیکھکر پوچھا۔

میں سمجھا نہیں حضرت کہ ان باتوں سے آپکا کیا مطلب ہے؟

خورشید نے جواب دیا۔

حضور خود سمجھتے ہیں کہ میرا مطلب کیا ہے اور......

وہ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ ہال میں پھر اندھیرا ہو گیا۔ اور سب اپنی اپنی جگہ جا کر خاموش بیٹھ گئے فلم پھر شروع ہو گئی۔ لیکن اب سروش کا دل بالکل نہیں لگ رہا تھا۔ اسکے دل و دماغ پر عروسہ ہی چھائی ہوئی تھی جو اسکے بالکل قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اسکو دنیا و مافیہا کا ہوش نہ تھا صرف یہی اسکا احساس تھا کہ عروسہ اسکے قریب ہے اسکا دل مطمئن تھا اسے کچھ خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے اسکو وقت کا بھی پتہ نہ چلا۔ اور جب فلم ختم ہو گئی ہال میں روشنی پھیل گئی۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے تو وہ بھی چونکا۔ خورشید نے اسکا ہاتھ پکڑ کر اٹھاتے ہوئے

کہا۔ کیا سو رہے تھے قبلہ؟

ہاں میں وقت بھی کس طرح گذارتا۔

اب یہ لوگ کھڑے ہو گئے اور ساتھ باہر آئے اور سروش کی کار کے قریب کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے۔

خورشید نے آفتاب سے کہا۔

بھئی تم کبھی ہمارے یہاں نہیں آتے تم سے تو بس ادھر ادھر ملاقات ہو جاتی ہے۔

آفتاب نے جواب دیا۔ ہاں بھئی کیا کروں۔ وقت نہیں ملتا آجکل پڑھائی میں زیادہ مصروف ہوں۔

روح افزا ہنس کر بولی۔ جی ہاں آپ جیسے پڑھائی میں مصروف ہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرا خیال ہے کسی وقت تو کتاب کھول کر دیکھتے نہیں بہانہ کرنا تو کوئی ہمارے بھائی صاحب سے سیکھے۔

آفتاب نے اسکو جھڑک کر کہا۔

تم اپنی خبر لو۔ میرے بیچ میں ٹانگ اڑایا کرو۔

روح افزا نے جواب دیا۔

میرا آپ کا کیا مقابلہ لیکن میں غلط بات کسی طرح نہیں سن سکتی کیوں عروسہ کبھی انکو پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

مجھے کیا خبر میں ہر وقت ان کے ساتھ تو رہتی نہیں بہت سر تو آپ ہی سمجھ سکتی ہیں۔

خورشید نے اپنی بیوی سے کہا

آصفہ کسی دن مس جہاندار اور ان سب لوگوں کی دعوت کر دیجیے

ہی یہ لوگ ہمارے ہاں قدم رنجہ فرمائیں گے۔

روح افزا نے مسکرا کر کہا۔

جی ہاں۔ مس حبا بزار کے طفیل میں ہم بھی آ جائیں گے ضرور کیجئے دعوت

عروسہ بولی۔

نہیں نہیں۔ دعوت وغیرہ کی کیا ضرورت ہے میں تو ان جھمیلوں سے بہت گھبراتی ہوں۔ اور گھر سے بہت کم نکلتی ہوں۔

آصف نے کہا۔ اس کے معنی تو یہ ہیں کہ آپ ہمارے ہاں آنا شاید پسند نہیں کرتیں۔؟

عروسہ نے ایک نظر سروش پر ڈالی روح افزا جلدی سے بولی۔

نہیں یہ بات نہیں ہم لوگ ضرور کسی دن آپ کے ہاں حملہ آور ہونگے اور ساتھ میں عروسہ کو بھی لائیں گے۔

سیما جو خاموش کھڑی عروسہ کو تک رہی تھی۔ بولی۔

مجھے آپ سے ملکر ایسی خوشی ہوئی ہے کہ بیان نہیں کر سکتی۔ کاش آپ ہمارے ہاں بھی آئیں۔

عروسہ سیما کی بات پر ذرا گھبرا گئی۔ لیکن اس نے سیما کا ہاتھ محبت سے تھامتے ہوئے جواب دیا۔

مجھے اصل میں تنہا کہیں آنے جانے کی ابھی تک عادت نہیں ہے اور میرا اباجان کی کار ہر وقت انہیں کے استعمال میں رہتی ہے اور عارفہ آپا کی کار کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اسی وجہ سے میں خود ہی کم آتی جاتی ہوں ویسے اباجان سے پوچھونگی اگر انہوں نے اجازت دیدی تو پھر ٹھیک ہے۔

آفتاب نے تن کر کہا۔ یہ خادم کس دن کام آئیگا تم کو کہیں آنا جانا ہوا کرے تو میرے ساتھ چلا کرو۔ ماموں جان منع تھوڑی کرتے ہیں۔ یہ کہکر اس نے سب کیطرف دیکھا۔

عروسہ نے جوابدیا۔ جی نہیں آفتاب بھائی میں اباجان کی اجازت کے بغیر کہیں نہیں جاتی ویسے وہ مجھے کہیں جانے سے منع نہیں کرتے خود زبردستی بھیجاتے ہیں جب انسے اجازت لونگی کار بھی مانگ لونگی مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی وجہ سے دوسروں کو تکلیف دوں۔

آفتاب کھسیانہ ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

روح افزا نے سروش سے کہا۔ اچھا آپ کسدن ہمارے ہاں آرہے ہیں؟

سروش نے جوابدیا۔ آپکے ہاں آتا ہی رہتا ہوں ویسے کوئی وقت تو مقرر نہیں جبوقت طبیعت حاضر ہوئی حاضر ہو جاؤنگا۔

آفتاب نے طنزیہ کہا۔ ویسے تو ہر وقت آپکی طبیعت غیر حاضر رہتی ہے اور سارے کام اسی غیر حاضری میں کر لیتے ہیں ہمارے ہاں آنیکے لئے طبیعت کا حاضر ہونا ضروری ہے۔

سروش بولا۔ نہیں بھئی اصل میں کام اتنا بڑھ گیا ہے کہ ذرا بھی سکون نہیں ملتا۔ بعض اوقات تو میں خود بھی پریشان ہو جاتا ہوں۔

خورشید بولا۔ ہاں یہ تو میں نے دیکھا ہے کہ اکثر راتوں کو بھی مقدمات کی الجھی ہوئی گتھیاں سلجھانے میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ انہیں کسی بات کا ہوش نہیں رہتا۔

یہ کہکر اس نے عروسہ پر نظر ڈالی جو سروش ہی کو دیکھ رہی تھی آفتاب کچھ اور جل گیا اور بولا۔ اچھا اب چلنا چاہیئے دیر ہو رہی ہے۔

سروش نے سگریٹ بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

ہاں ہاں۔ چلے جانا۔ پہلے سگریٹ تو پیو۔

سگریٹ سلگاتے ہوئے آفتاب نے عروسہ اور روح افزا سے کہا

تم دونوں کار میں جا کر بیٹھو اب چلتے ہیں۔

سیما عروسہ کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ پرسوں ہمارے کالج میں بڑا اچھا مشاعرہ ہو رہا ہے کتنا اچھا ہو آپ بھی وہاں آجائیں۔

عروسہ نے پھر عذر کرتے ہوئے جواب دیا۔ ابا جان نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جلد ہی مجھے کار خرید دینگے اسکے بعد میں آسانی سے ہر جگہ آجا سکوں گی۔ ابھی تو میں کسی سے وعدہ نہیں کر سکتی۔

خورشید برابر عروسہ اور سروش کو دیکھ رہا تھا اور عروسہ برابر کن انکھیوں سے سروش کو دیکھ رہی تھی اب آفتاب جا کر کار میں بیٹھ گیا اور بولا۔

میں تو جا رہا ہوں۔ تم لوگ اچھی طرح باتیں کر لو۔

روح افزا نے جواب دیا۔ چلے جایئے آپ ڈراتے کیوں ہیں ہمیں تو کوئی فکر نہیں ہے خدا نے ہمیں پیر دیئے ہیں ہم کسی کے محتاج نہیں ہیں۔

اور آفتاب واقعی موٹر لیکر چلا گیا عروسہ نے گھبرا کر روح افزا کو دیکھا اور بولی۔ روح افزا آپا اب کیا ہوگا آفتاب بھائی تو بیچ ہی چھوڑ کر چلے گئے۔

سیما بولی۔ آپ گھبراتی کیوں ہیں ہماری کار موجود ہے بھائیجان پہنچا دینگے

خورشید نے ہنسکر کہا

بھئی کمال کر دیا آفتاب نے۔ لڑکیوں کو چھوڑ کر چلے گئے۔

روح افزا نے جواب دیا جی ہاں بعض اوقات خود بخود انکا دماغ تھوڑا سا اسکر جاتا ہے اصل میں ابا جان انکا پارٹ زیادہ لیتی ہیں۔

سروش بولا۔ چلیئے جب کار موجود ہے تو اتنی پریشانی کس بات کی ہے؟
روح افزا نے عروسہ کو کار تک لیجاتے ہوئے کہا۔
میں پریشان نہیں ہوں البتہ یہ عروسہ گھبرا رہی ہیں۔
عروسہ نے پس و پیش کرتے ہوئے جواب دیا۔
اتنے آدمی کسطرح ایک کار میں آجائیں گے؟
اب سروش نے آگے بڑھکر اس سے کہا۔
آپ فکر نہ کریں۔ میری گاڑی آفتاب کی گاڑی سے بہت بڑی ہے
امید ہے آپ بہت آرام سے بیٹھ سکیں گی۔
خورشید بھی بولا۔ ہاں اور سروش کی کار خوبصورت بھی ہے
یہ کہتے ہوئے اس نے مسکرا کر سروش کی طرف دیکھا۔
سروش نے جواب دیا۔ جناب آپ کیوں اسقدر بہکے ہوئے ہیں۔ کہ بے تکی
باتیں منہ سے نکل رہی ہیں میں تو اطمینان دلا رہا ہوں۔
سب سے پہلے آصفہ اور روح افزا کار میں پیچھے بیٹھیں پھر ہما عروسہ کو لیکر بیٹھ
گئیں۔ سروش نے کار چلا دی۔
روح افزا، آصفہ اور ہما برابر ہنس بول رہی تھیں لیکن عروسہ بالکل خاموش تھا
تھی۔ وہ گھبرائی ہوئی سی بار بار ادھر ادھر دیکھ رہی تھی یا کبھی کبھی سروش کو
دیکھ رہی تھی۔ سروش نے ایک آدھ مرتبہ گردن موڑ کر عروسہ کو دیکھنا چاہا
لیکن خورشید نے اسکے چپکے چپکے ڈرایا دہنیں اور بولا۔
ذرا سامنے دیکھ کر کار چلاؤ زیادہ گڑبڑ کی تو کان پکڑ کر اتار
دوں گا۔
کار [illegible] کچھ [illegible] ہو گی کہ پیچھے سے آفتاب کی کار سے

بارن کی آواز آئی سروش نے اپنی کار ایک طرف کرلی آفتاب تیزی سے اپنی کار آگے نکالکر گھر کیطرف چلدیا۔
خورشید آہستہ سے بولا۔
اچھا یہ حضرت گھر نہیں گئے ——— گھوم پھر کر آرہے ہیں۔
سروش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جب یہ لوگ آفتاب منزل پہنچے۔ تو آفتاب اپنی کار گیراج میں بند کرکے واپس آرہا تھا سروش نے بھی کار ایکطرف روکدی۔ روح افزا سروش کا ہاتھ پکڑ کر اتر پڑی سیما نے عروسہ سے پوچھا۔
کیا آپ یہاں رہتی ہیں؟
عروسہ بولی۔ نہیں۔ میں تو اب گھر جاؤنگی۔
آفتاب نے کہا۔ یہاں کیا ہرج ہے اسوقت کہاں جاؤ گی۔ رات زیادہ ہو گئی ہے۔
جی نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں تو ابھی گھر جاؤنگی۔
یہ سنکر سیما نے کہا۔ آپ کار سے کیوں اتر گئیں ہم بھی تو جا رہے ہیں آپ بیٹھ جائیے آپکے گھر آپکو اتار دیں گے۔
عروسہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔
نہیں میری وجہ سے آپ لوگ خواہ مخواہ چکر میں پڑ جائینگے۔
آفتاب بڑ بڑا ہوتی گھڑا تھا روح افزا سے بولا۔
میں تو ذرا اسٹیشن کے اسٹال پر سگریٹ لینے گیا اور تم لوگ سروش کیساتھ آگئیں۔ کچھ تو صبر کیا ہوتا؟ تم اتنی دیر سے باتیں کر رہی تھیں کہ دل بھرتا ہی نہیں تھا۔ میں کبتک انتظار کرتا۔
روح افزا نے تنک کر جواب دیا۔

کیا آپ ہم سے کہکر گئے تھے؟ جو ہم انتظار کرتے۔
آفتاب نے جواب دیا۔
ایسا تو ہو نہیں سکتا تھا کہ تمکو چھوڑ کر چلا جاتا لیکن تم لوگوں کو بس....
روح افزا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔
اگر ہم تنہا ہوتے تو شاید انتظار بھی کرتے لیکن جب دوسری کار موجود تھی تو پھر کیا ضرورت تھی انتظار کی۔ آپکو غلط فہمی تھی کہ ہم آپکے محتاج ہیں۔
عروسہ کو آفتاب کی باتیں ناگوار گذر رہی تھی۔ اس نے جلدی سے کار کا دروازہ کھولا اور سیما کے برابر بیٹھ گئی۔ اور بولی۔
بس اب ختم کیجئے روح افزا آپا۔
آفتاب نے عروسہ سے کہا۔ خیر تمکو پہنچا دونگا۔
عروسہ نے جواب دیا۔
نہیں اب تو میں بیٹھ گئی اور آپ اپنی گاڑی بند کیجئے میں اسلئے بیٹھ گئی ہوں اہیں لوگوں کیساتھ چلی جاؤنگی۔
روح افزا بولی۔ جی ہاں انہیں تو ذرا سی بات پر غصہ آجاتا ہے اور یہ سب پر دھونس جمانتے ہیں۔
آفتاب نے اسکو گھورتے ہوئے کہا۔
اپنی خبر نہیں لیتیں گویا آپ بہت خوش مزاج ہیں
سروش نے ہنسکر آفتاب سے کہا بھئی تم دونوں لڑتے بہت ہو لیکن اب وقت بالکل نہیں ہے باقی۔ آئندہ کے لئے رکھ چھوڑو پھر کسی دن آکر سن لینگے۔
یہ کہکر سروش نے کار اسٹارٹ کر دی۔ سروش کی لمبی سی کار سے ...

سڑکوں پر سے ہوتی ہوئی آہستہ آہستہ جہاندار منزل کی طرف بڑھ رہی تھی وہ بالکل خاموش تھا سیما اور آصفہ برابر دیکھی ہوئی تصویر کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں۔ اور عروسہ بالکل خاموش تھی۔ خورشید کسی گہری سوچ میں تھا۔ آج دو سال بعد سروش کی کار جہاندار منزل کے پھاٹک میں داخل ہوگئی۔ کوٹھی اس طرح آن بان سے کھڑی سروش کا خیر مقدم کرتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی بلکہ اسکو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے نئے سرے سے خوش آمدید کہہ رہی ہو اس نے آہستہ سے کار کو برساتی میں روک دیا اور عروسہ اتر پڑی۔ سروش نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

عروسہ بظاہر سیما اور خورشید کو مخاطب کر کے بولی۔

آپ لوگوں سے ملکر مجھے بیحد مسرت ہوئی میرا وقت بہت اچھا گذر گیا۔ میں ان سب کے لئے آپکی بہت شکر گذار ہوں اسکے علاوہ گھر تک پہنچانے کی جو زحمت میں نے دی ہے اسکی معافی چاہتی ہوں۔

خورشید نے مسکرا کر جواب دیا

آپ سے ملکر ہم لوگوں کو واقعی دلی خوشی ہوئی ہے لیکن گھر تک تو آپکو سروش خوش ہو کر لائے ہیں چنانچہ ہم لوگ خود انہیں کے مشکور ہیں، آپ خواہ مخواہ ہمارا شکر گذار ہو رہی ہیں۔

عروسہ نے سروش کی طرف اچٹتی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

جی ہاں میرا مطلب آپ لوگوں سے ہے میں سب کی شکر گذار ہوں سروش بالکل خاموش اپنی جگہ بیٹھا ہوا سامنے دیکھ رہا تھا عروسہ نے پھر کہا۔

اچھا خدا حافظ آپ لوگ جائیے بہت دیر ہو گئی ہے۔

یہ سنکر سروش نے کار اسٹارٹ کر دی۔ اور پھر ایک رخصتی نظر عروسہ پر ڈالنے کیلئے مڑ گیا۔ موٹر پھاٹک سے نکل کر پھاٹک کیطرف رواں ہو رہی تھی۔ سروش نے پھر ایکبار بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا عروسہ خاموش برآمدہ میں کھڑی، جاتی ہوئی کار کا پچھلا حصہ دیکھ رہی تھی اور آسیہ آصفہ سے کچھ کہہ رہی تھی۔

دیکھا بھابی کسقدر اچھی ہیں یہ بس جہاندار۔ میرا تو دل بے اختیار انکی طرف کھنچا جا رہا ہے کاش میں انسے روزانہ ملتی۔

خورشید نے اپنا منہ سروش کے کان کے قریب کر کے آہستہ سے کہا۔

یار مبارک ہو۔

سروش نے بھی اسی طرح سے کہا۔

کس بات کی مبارکباد تم مجھے دے رہے ہو میری مایوسی اور نا امیدی پر؟

خورشید نے جواب دیا۔

کیا کچھ پاگل ہو گئے دیکھتے نہیں ہو لڑکی کی حالت۔ وہ تمہیں دیکھ کر کسقدر سرخ پڑ جاتی ہے۔ آتا ہے اور خود سے بغیر کسی جھجک کے باتیں کر رہی تھی لیکن تمہاری طرف دیکھا بھی نہیں جیسے رنگ اڑا ہوا تھا۔

سروش نے جواب دیا۔

بس پھر اسکا یہی مطلب ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے۔

خورشید نے کہا جی ہاں نفرت کرتی ہے تم کمال کرتے ہو یہ کہو کچھ دال میں کالا ضرور ہے تمہارے فراق میں وہ بھی گھلی جا رہی ہے دل سے دل کو راہ ضرور ہوتی ہے جب تمہاری یہ حالت ہے تو اسکا اثر دوسری طرف بھی یقینی طور پر ہوگا۔

سروش نے مسکرا کر جواب دیا۔

جی ہاں۔ جیسے آپ بڑے قیافہ شناس ہیں جو لوگوں کے دلوں کا حال ایک ہی نظر میں بتانے لگے ایسے کہیں کے عقلمند بھی نہیں ہو۔

خورشید نے کہا۔ مجھے جھٹلاؤ نہیں میں نے اسوقت اچھی طرح اس محترمہ کا مطالعہ کیا ہے جب بہت چپکے چپکے لوگوں کی نظریں بچا بچا کر تم کو دیکھا جا رہا تھا لیکن ہم جیسے تاڑ نیوالوں سے بھلا کوئی بچ سکتا ہے تیر نشانے پر ٹھیک بیٹھا ہے اور تعجب تو مجھے اسوقت سنیما میں ہوا کہ تمہاری دلی کوشش سے وہ بھی وہاں پہنچ گئیں۔ ضرور تمہارا عشق سچا ہے۔

سروش نے مسکرا کر کہا۔

دیکھ لو میں کوئی غلط تو تم سے کہتا نہیں۔

اب خورشید کا گھر بھی آگیا تھا وہ دونوں میاں بیوی اتر گئے سروش اور سیما اپنے گھر چلے گئے۔

—— x ——

آج چھٹی کا دن ہے۔ دفتروں اور دوسرے کاروبار والے لوگ بھی گھر ہی میں موجود ہیں۔ اکثر لوگ اپنے اپنے شوقیہ مشاغل میں لگے ہوئے ہیں کوئی اطمینان سے چادر تانے ابھی تک سو رہا ہے بعض لوگ اپنے گھر کے حساب کتاب میں مصروف ہیں۔ صفائی پسند لوگ صفائی کروا رہے ہیں۔ ہفتہ میں صرف ایک ہی دن تو ایسا ملتا ہے جسمیں انسان کو اپنی نجی زندگی کے پہلو پر غور کرنیکا کچھ وقت ملتا ہے۔

اسوقت صبح کے دس بجے ہیں توفیق احمد صاحب اپنے باغ کے ایک سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے ہیں سگار منہ میں دبا ہے دو ایک کرسیاں آس پاس پڑی ہیں۔ مالی پاس بیٹھا ہے۔ کچھ پھولوں کی پنیریں سامنے رکھی ہوئی ہیں جنہیں لگانے کیلئے کیاریاں تجویز ہو رہی ہیں۔

سامنے سے کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی توفیق احمد نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اپنے مرحوم دوست مسرت علی کا لڑکا فرحت سامنے سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ اسکو دیکھ کر ان کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی وہ فرحت کو پسند کرتے تھے کرسی سے اٹھکر انہوں نے کہا ۔۔

آؤ آؤ بیٹیا فرحت بہت عرصے بعد آئے ہو۔

فرحت نے آگے بڑھ کر ان سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

آپ تشریف رکھئے چچا جان کیوں تکلیف کرتے ہیں۔

توفیق احمد نے بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

نہیں میاں تکلیف کی کیا بات ہے تم اتنے دن بعد آئے ہو میں کھڑے ہو کر بھی تم سے نہ ملوں۔

فرحت نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

چچا جان میں سخت نادم ہوں کہ عرصے سے آپکی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا۔ حالانکہ آپ سے ملاقات کو بہت طبیعت چاہتی تھی۔

توفیق احمد نے کہا۔

ہاں بیٹیا! میں اکثر سوچتا تھا کہ تم نے آنا کیوں چھوڑ دیا تم جانتے ہو کہ ہمیشہ سے میں تم کو مثل اپنی اولاد کے سمجھتا ہوں۔

فرحت نے شرمندہ ہو کر جواب دیا۔ کیا عرض کروں چچا جان اتنا عرصہ بس میں ادھر ادھر ہی گھومتا رہا اور اب میں بھی آپ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔

توفیق احمد نے چونک کر پوچھا۔ تم کہیں جا رہے ہو؟

ہاں چچا جان میں جس کمپنی میں ملازم ہوں وہ باہر مجھے کسی کام کے سلسلے میں بھیج رہی ہے۔

توفیق احمد نے مسرت سے کہا

اچھا تم ولایت جا رہے ہو۔ بہت خوب بھئی خدا تمہیں کامیابی عطا فرمائے اور ہماری دعا ہے کہ باعزت واپس آؤ۔

فرحت نے متاثر ہو کر جواب دیا۔

چچا جان آپکی دعاؤں کے سہارے تو میری کشتی حیات چل رہی ہے بچپن سے لیکر اسوقت تک میں آپ بزرگوں کی دعاؤں کا ممنون ہوں۔

نہیں میاں یہ تمہاری اپنی سعادتمندی ہے ورنہ آج کل کے لڑکوں کے خیال میں ہم جیسی عمر والوں کی عقل خبط ہو جاتی ہے۔ یہ تو تمہارا اخلاق ہے۔

یہ کہکر وہ ہنسے اور پوچھا۔ اب یہ بتاؤ تم کس جگہ جا رہے ہو؟

فرحت نے جواب دیا۔

فی الحال تو لندن جا رہا ہوں۔ ویسے سارے یورپ کا پروگرام ہے تھوڑے تھوڑے عرصہ کیلئے ہر جگہ جانا پڑے گا۔

توفیق احمد نے پوچھا۔ کتنے عرصے کیلئے تم وطن سے باہر رہو گے؟

فرحت نے بتایا میں دو سال کیلئے جا رہا ہوں۔

توفیق احمد نے کلو سے کہا۔

جاؤ فرحت میاں کیلئے کچھ شربت وغیرہ اندر سے لیکر آؤ۔

فرحت کے آنے کو سنکر نعیمہ بیگم بھی اپنی تسبیح ہاتھ میں ہلاتی دانے چھڑاتی وہاں آگئیں۔ فرحت نے کھڑے ہو کر انہیں سلام کیا۔

انہوں نے اشارے سے اس کو بیٹھنے کو کہا۔ بظاہر وہ کچھ پڑھ رہی تھیں۔ دو چار منٹ بعد انہوں نے اپنی تسبیح پڑھنی ختم کر دی اور اپنے وظیفے کی چند پھونکیں فرحت پر دے ماریں پھر اسے بہت دنوں نہ آنے کے بہت سے شکوے شکایتیں کرنے لگیں۔

کچھ دیر بعد کلو شربت وغیرہ لے کر آگیا نعیمہ بیگم نے حسب عادت

ڈانٹ کر کہا۔

لے یہ بوتل اور گلاس ہی لے کر آ گیا اور چینی کیوں نہ لایا۔ اسمیں کیا میٹھا اس پوری پڑیگی۔

کلو نے کہا۔

بیگم صاحب ابھی لایا مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ بھی یہاں موجود ہیں۔

پھوپھی اماں چینی کی ضرورت نہیں بس یہی کافی ہے۔

یہ کہکر فرحت نے گلاسوں میں شربت انڈیلا۔

کلو نے کہا۔ ٹھہریئے صاحب ابھی چینی لاتا ہوں کیونکہ بیگم صاحب بھی تو شربت پئیں گی۔

جب وہ جانے لگا تو توفیق احمد نے اس سے عروسہ کو بلانے کے لئے کہا۔

کچھ دیر بعد عروسہ آ گئی۔ اسکا چہرہ اسوقت تروتازہ گلاب کے پھول کیطرح ہو رہا تھا گذشتہ رات سرد نغش سے ملاقات کا اثر اسپر ابتک تھا۔ انکا دل خود بخود خوش تھا اور آنکھیں خمار آلود تھیں۔

توفیق احمد نے اس سے کہا۔

عروسہ! یہ میرے بہت عزیز دوست کے صاحبزادے ہیں۔

عروسہ نے فرحت کو سلام کرتے ہوئے جواب دیا۔

ابا جان فرحت بھائی سے تو میں آفتاب بھائی کی سالگرہ میں مل چکی ہوں۔

فرحت نے ملکر کہا۔

چچا جان۔ انکو دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی یہ تو اب بہت بڑی ہو گئی ہیں لیکن میں ان کو وہی بچپن والی عروسہ سمجھتا ہوں۔

نعیمہ بیگم نے اپنی آنکھیں پھیلاتے ہوئے اپنا تجربہ بیان کیا۔ ہاں بیٹا وقت گذرتے کچھ دیر نہیں لگتی جو کل بچے تھے آج خدا رکھے جوان ہیں۔

توفیق احمد نے عروسہ سے پوچھا۔

بیٹی عارفہ کہاں ہے؟

عروسہ نے جواب دیا۔ مجھے معلوم نہیں شاید اپنے کمرے میں ہونگی۔ یہاں تو دھوپ آ گئی ہے۔ ابا جان چلئے ڈرائنگ روم میں چلنا چاہیئے۔

عروسہ کے کہنے پر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ یہاں ایک لمبی کھڑکی کے سامنے عارفہ اپنے مخصوص سیاہ و سرخ رنگ کے کپڑے پہنے بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے کچھ رنگیں پنسلیں برش وغیرہ پڑے تھے۔ وہ کسی سرکھٹ کا خاکہ بنانے میں مصروف تھی جس میں مردہ انسانوں کی مختلف حصوں کی ہڈیوں کو طرح طرح سے دکھایا جا رہا تھا۔

سب کو کمرے میں آتا دیکھ کر رک سا گئی۔ فرحت کو دیکھتے ہی اس نے چونک کر کہا۔

اچھا فرحت صاحب بہت مدت بعد آپ نے تکلیف فرمائی۔

اوّل تو عارفہ کو دیکھ کر ہی اس کا رنگ اڑ گیا تھا پھر اس کی بات پر تو بالکل ہی سٹپٹا کر رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کی موجودگی میں وہ عارفہ کی بات کا کیا جواب دے پھر بھی اس نے ہمت کر کے کہا۔

جی ہاں۔ اسوقت میں چچا جان کو رخصتی سلام کرنے حاضر ہوا تھا!

یہ سنکر عارفہ بولی۔

معلوم ہوتا ہے آپ کہیں باہر تشریف لیجا رہے ہیں؟

توفیق احمد نے عارفہ اور فرحت کو باتیں کرتا دیکھا تو بولے۔

اب تم لوگ باتیں کرو میں اپنے چند ضروری کا غذات دیکھ لوں۔ دیکھو فرحت میاں تم ابھی چلے نہ جانا۔

نعیمہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

ارے ابھی کیسے چلے جائیں گے۔ اتنے دن بعد تو آج یہ آئے ہیں بغیر کھانا کھلائے جانے دوں گی۔ آج تو مرغ پلاؤ ان کیلئے میں اپنے ہاتھ سے پکاؤں گی اور عمدہ قسم کی مٹھائی بھی بناؤں گی۔

یہ کہکر وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئیں۔

فرحت نے عارفہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ ہماری پھوپھی اماں ابھی تک اپنی وضعداری پر قائم ہیں مجھ سے انہیں کتنا خلوص ہے۔

عروسہ مسکرا کر بولی۔ جی ہاں۔ ابا جان بھی آپکی بہت تعریف کرتے ہیں اور واقعی آپ ہیں بھی بہت اچھے۔

فرحت نے ہنسکر جواب دیا۔

یہ سب آپ لوگوں کی ذرہ نوازی ہے ورنہ میں، تو خود کو کسی قابل نہیں سمجھتا۔

عارفہ مسکرا کر بولی۔ یہ بھی آپکی کسر نفسی ہے ورنہ عام طور پر تو آپ بہت سعادتمند قسم کے مشہور ہیں۔

فرحت نے کہا۔

جی ہاں یہی تو بد قسمتی ہے کہ عام طور پر مشہور ہیں۔ خاص طور پر کوئی نہیں سمجھے جاتے لوگ اپنے گھر بلانے تک کے روا دار نہیں ہیں۔

یہ کہکر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور عارفہ کی کرسی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ عروسہ نے مسکرا کر کہا

فرحت بھائی یہ تو آپ غلط کہہ رہے ہیں آج تو آپ کو دیکھ سب ہی خوش ہوئے ہیں۔

فرحت نے مایوسی سے جواب دیا۔

نہیں بھئی ہماری ایسی قسمت کہاں؟

عارفہ جلکر بولی۔

اچھا ابھی تک آپکی وہی پرانی قسمت اور نصیب والی باتیں جوں کی توں قائم ہیں۔ میں تو سمجھتی تھی کہ شاید اسمیں کچھ تبدیلی آگئی ہو۔ میں آج تک یہی نہیں سمجھی کہ قسمت ہوتی کیا بلا ہے جبکہ انسان کردار اور ماحول ہر چیز خود ہی ڈھال سکتا ہے۔

فرحت بھی جلکر بولا۔ جی ہاں ہمارے حالات ہی کچھ اس قسم کے ہیں کہ ہم قسمت کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اسکے علاوہ اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔

عارفہ نے کہا۔ ہاں یہ اپنی اپنی سمجھ ہے۔

فرحت نے جواب دیا۔

خیر چھوڑیئے مگر یہ خاکہ تو آپ نے بہت انوکھی قسم کا بنایا ہے۔

عارفہ نے کہا۔ یہ بھی اپنا خیال ہے میں نے سنا ہے آفتاب کی سالگرہ میں آپ اپنی عمر کے بہترین گھنٹے ضائع کررہے تھے۔

فرحت پھر جلکر بولا۔ اور کیا کروں۔ میری عمر کا بہترین زمانہ تو اسی طرح گذر جائیگا میری زندگی کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے

عارفہ نے [illegible] اٹھا کر پوچھا۔ معاف کیجئے گا فرحت بھائی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ زندگی کے مقصد کو کیوں معدوم [illegible]

فرحت نے جواب دیا۔ آج سے چند سال قبل یہ باتیں جو آپ انجان بنکر پوچھ رہی ہیں اچھی طرح جانتی تھیں اب انکو دہرانا بیکار ہے۔

عارفہ نے لاپرواہی سے کہا۔ خیر ہوگا چلئے یہی سہی۔

فرحت نے اقرار کیا۔ اگر سچ پوچھئے تو میں آفتاب کے ہاں صرف اسی وجہ سے گیا تھا کہ شاید آپ ابھی وہاں موجود ہوں۔ ورنہ میرا کوئی ارادہ نہ تھا۔

عارفہ نے مسکراکر کہا۔ وہاں میں نے اپنی طرف سے عروسہ کو بھیج دیا تھا امید ہے انکے وجود نے میری کمی پوری کردی ہوگی۔

فرحت عروسہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

مگر عروسہ تو میری نظر میں ابتک۔ وہی چینی کی گڑیا پائی جو بچپن میں نظر آتی تھیں بھلا یہ کیسے آپکی کمی کو پورا کرسکتی ہیں۔ لیکن آپ وہاں کیوں نہیں گئیں۔

عارفہ نے تنگ آکر کہا۔ آپ سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بن رہے ہیں۔ آپکو خوب معلوم ہے کہ میں آفتاب اور روح افزا کے ساتھ رہنا ایک منٹ نہیں برداشت کرسکتی اور لطف تو یہ ہے کہ آجکل ہمارے ہاں آفتاب کا بہت زور ہے۔ جب سے عروسہ آئی ہے وہ صبح شام چکر لگا رہا ہے۔

فرحت نے مسکرا کر عروسہ کی طرف دیکھا اور بولا۔

اچھا تو یہ معاملہ ہے بڑی خوشی کی بات ہے خدا آفتاب کے جگر انگار نے کا صلہ دے۔ جب ہی وہ حضرت آپکی بڑی خاطر تواضع کر رہے تھے اب میں سمجھا قصہ کیا ہے۔

عروسہ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

اگر ایسا ہے تو آفتاب بھائی غلطی کر رہے ہیں۔

عارفہ نے جواب دیا۔ غلطی کیوں کر رہے ہے۔ تمہے یہ کہو تمہیں خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے دنیا کا یہی قاعدہ ہے۔

عروسہ نے کہا۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کیلئے باعث زحمت ہو وہ میرے لئے رحمت ہوگا۔

عارفہ نے جواب دیا

بھئی آفتاب تو صرف میرے لئے ہی زحمت ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ہے لیکن دیگر لوگ تو اسکو پسند کرتے ہیں۔

عروسہ نے عارفہ کیطرف دیکھکر مسکراتے ہوئے کہا میں تو صرف آپکی ہی بہن ہوں دوسروں کے پسند کرنیسے کیا ہوتا ہے۔

عارفہ بولی۔ ہاں بالکل ٹھیک ہے دوسروں کو دخل دینے کی قطعی ضرورت نہیں ہے لیکن میں تو یہی دیکھتی ہوں کہ جب وہ لوگ آتے ہیں تو تم ہی خاطر میں لگی رہتی ہو۔

عروسہ نے جواب دیا۔ گھر آئے ہوئے مہمان کی خاطر کرنی ضروری ہے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔

اگر ایسا نہیں ہے تو کیوں انکو غلط فہمی میں مبتلا کر رہی ہو۔

میں بالکل کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہیں کر رہی ہوں اگر وہ اپنی طرف سے خواہ مخواہ کوئی رائے قائم کرلیں تو اسکا کیا علاج ہے اب میں انکی خاطر کرنا بھی چھوڑ دونگی۔

عارفہ نے مسکرا کر کہا۔ خیر کچھ بھی ہو لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مہمان پرستی کسی نہ کسی دن ضرور رنگ لائے گی

عروسہ خاموش ہوگئی۔ وہ بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسکو یہ بات

ضرور کھٹکی تھی کہ عارفہ ہر بات میں خواہ مخواہ عروسہ کا نام ضرور ٹھونس دیا کرتی ہے
کہیں یہ بات حقیقت میں کوئی سنجیدگی اختیار نہ کرلے اب فرحت کے سامنے
جواس نے ذکر چھیڑا تو عروسہ اسوجہ سے بولی۔ کہ فرحت کے ذریعہ یہ بات
کہیں آگے دوسروں کے کانوں تک پہنچ جائے۔

فرحت نے مسکرا کر اس سے کہا۔ اچھا صاحب اب یہ مٹی کی گڑیا بھی جاندار
ہوگئی ہے۔ نہیں اور آپکو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

عارفہ نے کہا۔ ہاں قاعدے کی رو سے تو ایسا ہی ہونا چاہیئے کسی کو
بولنے کی ضرورت نہیں۔

فرحت نے عارفہ سے کہا۔ اس قصے کو تو چھوڑیئے لیکن یہ بتایئے کہ آفتاب
کے بجائے یہ دعوت کہیں اور ہوتی تو آپ وہاں جاتیں یا نہیں؟

عارفہ نے جواب دیا۔ ممکن ہے نہ جاتی۔

کیوں نہیں کیا مصلحت تھی کیا مجھ سے مڈبھیڑ ہونیکا خطرہ تھا؟

عارفہ نے چڑ کر کہا۔ یہ کیوں بتاؤں۔ اپنی مصلحت میں خود سمجھتی ہوں
تعجب ہے آپ مجھے بچپن سے ابتک نہ سمجھ سکے۔

فرحت نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ کوشش تو بہت کرتا ہوں
شاید کبھی کامیابی مل جائے۔ اور اسی وجہ سے میں نے یہاں کا آنا چھوڑ دیا تھا۔

عارفہ مسکرا کر بولی۔ ہاں پہلی بار آپنے پوری عمر میں عقل کی بات کی ہے
لیکن آج آپ سے غلطی ہوگئی۔

فرحت نے جواب دیا۔ نہیں آپ ہرگز کسی قسم کا خیال نہ کریں آج میں صرف
چچا جان سے ملاقات کرنے آیا ہوں۔ ممکن ہے پھر کبھی نہ آسکوں۔ میں بھی اپنی
مصلحت کو اچھی طرح سمجھتا ہوں آپ تو اسوقت خلاف توقع مل گئیں۔

عارفہ بولی۔ خیر اسمیں تو کوئی حرج بھی نہیں ہے لیکن جی بھر کر آ۔ جائیے
اور پھوپھی سے مل لیجئے

ہاں اب تو شام کو ہی جاؤنگا کھانے پر بلایا گیا ہوں۔

عارفہ ہنسکر بولی۔ ہاں پھوپھی اماں اسوقت سے ہی آپکے لئے ڈنر
کھانے تیار کرانے میں مصروف ہونگی۔ مجھے بہت افسوس ہے اسوقت
میری ایک جگہ دعوت ہے۔

فرحت نے مسکرا کر کہا۔ اس سے بڑھکر اور کیا آپ اطمینان بخش خبر
سنائیں گی میں برا نہیں مانوں گا آپ شوق سے دعوت میں جائیے میں
سارا دن بہت اطمینان سے گذارونگا۔

عروسہ متعجب تھی کہ یہ دونوں کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں اسکو الجھن
سی ہونے لگی وہ کوئی بہانہ کرکے وہانسے اٹھ گئی۔

——— x ———

شام کے وقت توفیق احمد اور نعیمہ بیگم لان میں کرسیوں پر بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے ہیں۔ نعیمہ بیگم نے کہا۔

بھئی میں کہتی ہوں آخر تم نے کیا سوچا ہے۔

توفیق احمد نے پوچھا کیا بات ہے آپا میں سمجھا نہیں۔

نعیمہ بیگم اپنی آواز پر زور دیکر بولیں۔ بات کیا ہوتی ہیں تو پرانے زمانے کی ہوں لڑکیوں کو دیکھ دیکھ کر دل پریشان رہتا ہے خدا رکھے چھوٹی بھی شادی کے لائق ہے اور بڑی کی تو کب کی ہو جانی چاہیئے تھی۔

توفیق احمد نے لاپرواہی سے کہا۔

کیا کروں آپا سمجھ میں نہیں آتا عارفہ کو تو آپ جانتی ہی ہیں وہ اپنے کاموں میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کرتی معلوم نہیں کتنے اچھے سے اچھے رشتے ہاتھ سے نکل گئے۔ اور وہ بڑے بڑے رشتے ملتی رہی میں بھی خاموش رہا کہ چلو وہ اپنی پسند سے کسی کو پسند کرلے تو اچھا ہے لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔

نعیمہ بیگم گردن ہلا کر بولیں۔ یہی تو میں بھی کہتی ہوں آخر کب تک کنواری بیٹھی رہے گی ابھی سے تم اس کو سمجھاتے۔ بھئی تم تو موم کی ناک ہو گئے ہو کب سے

حسینہ ہے ایسا بھی کیا لڑکی کو آزاد چھوڑ دیا ہے اسکو دیکھ کر دوسری لڑکیاں
اسی کے قدم بہ قدم چلنا شروع کر دے گی۔

توفیق احمد نے جواب دیا۔

آپا میں کسطرح اسپر جبر کر سکتا ہوں زبردستی کی شادی کا تو میں خود
بھی قائل نہیں ہوں۔ اور پھر عارفہ تو اس معاملہ میں کسی کا کہنا نہیں مانے گی
میں تو اسکی طرف سے مایوس ہو گیا ہوں خود ہی راہ راست پر آگئی تو دوسری
بات ہے۔

نعیمہ بیگم کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولیں۔

نا بھیا ہم نے بھلا کہاں ایسا زمانہ دیکھا تھا آجکل کی باتیں دیکھ کر تو
میرے ہوش اڑے جاتے ہیں جب تم باپ ہو کر ایسی باتیں کہتے ہو تو بھلا میں
کون چیز ہوئی۔ میرا تو کوئی اختیار ہی نہیں۔

یہ کہکر انہوں نے اپنی تسبیح نکالی۔ اور تیزی سے ورد شروع کر دیا۔ چند
لمحے خاموش رہیں توفیق احمد سگار پیتے رہے دلانے پھراتے ہوئے نعیمہ بیگم پھر
بولیں۔ میں پوچھتی ہوں کوئی اچھا لڑکا بھی ہے تمہاری نظر میں؟ ممکن ہے
میرے وظیفہ کے خاتمے پر ضرورت پڑے کیونکہ وہ بہت ہی پر اثر وظیفہ ہے
جو میں عارفہ کیلئے پڑھ رہی ہوں۔

توفیق احمد نے جواب دیا۔ آپ جانتی ہیں آجکل اچھے لڑکے مشکل سے ملتے
ہیں اور جو ہونگے بھی دو ایک تو انہیں لڑکیاں ہی کب چھوڑتی ہیں؟

نعیمہ بیگم نے گردن ہلا کر کہا۔ ہاں جیسے چیل گوشت پر جھپٹا مارتی ہے
اسی طرح یہ آجکل کی لڑکیاں لڑکوں کو اچک لیتی ہیں۔ لیکن تمہی کہو مجھے تو یہ رشتہ
سمجھ ... اچھا معلوم ہوتا ہے۔

توفیق احمد بولے ہاں فرحت کو تو بچپن ہی سے سب جانتے ہیں اس سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے اور ہمیشہ ساتھ رہتے تھے لیکن اب چند سال سے عارفہ نے اس سے ملنا جلنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ وہ آج خود مجھ سے ملنے چلا آیا ملازمت اسکی بہت اچھی ہے ولایت جا رہا ہے بہت ترقی کر لیگا۔
نعیمہ بیگم جلدی سے بولیں۔
میں مانتی ہوں وہ تو ابتک بہت چاہتا ہے اسکو عارفہ کے رویہ کا صدمہ بہت ہے سنا ہے کہتا ہے اب کبھی شادی نہیں کرونگا۔
توفیق احمد نے جواب دیا۔ ہاں میں خوب سمجھتا ہوں لیکن کیا کروں میں لڑکی کو مجبور نہیں کر سکتا۔
نعیمہ بیگم اب اپنے خاص مقصد پر آتے ہوئے بولیں۔
میں تو کہتی ہوں اب تم چھوٹی کی فکر کرو۔ ایک ہی کے فرض سے سبکدوش ہو جاؤ۔ میں نے سنا ہے حسینہ کا خیال ہے آفتاب کے لئے تمہاری کیا رائے ہے عروسہ کے بارے میں ؟
یہ سنکر توفیق احمد خاموش ہو گئے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ عروسہ کی ماں کے ساتھ جو مظالم اور زیادتیاں ہوئی تھیں وہ انہیں سب اچھی طرح معلوم ہو گئی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ عروسہ اسوقت تو حسینہ بیگم اور نعیمہ بیگم کو اچھی معلوم ہو رہی ہے لیکن شادی کے بعد اسکے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو اس کی ماں کے ساتھ ہوا تھا۔ آخر عروسہ اسی ماں کی بیٹی تو ہے حسینہ بیگم اگرچہ انکی سگی بہن تھی لیکن انکا دل اپنی اولاد کی تکلیف کے تصور سے کانپ جاتا تھا۔ وہ خاصی دیر بات ٹالنے کے لئے خاموش بیٹھے رہے۔ لیکن نعیمہ بیگم کب چھوڑنے والی تھیں بولیں۔

آفتاب اور عروسہ کا جوڑا بہت اچھا رہیگا۔ خدا رکھے دونوں کے مزاج یکساں ہیں۔ میرا خیال ہے اگر حسینہ تم سے کہے فوراً اقرار کر لینا۔ ویسے تو آفتاب کے لئے بھی لڑکیوں کی کمی نہیں لیکن ہمارے خاندان میں غیروں سے رشتہ کرنا راس نہیں آتا۔

توفیق احمد نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

آپا آپ جانتی ہیں کہ عروسہ کی اتنی عمر فکر اور پریشانی میں گذری ہے اسکی شادی کے متعلق بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤنگا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ بہت فرمانبردار ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ آئندہ زندگی اس کی درگور کردوں اس کے علاوہ مجھے ابھی اس کی شادی کی ایسی جلدی بھی نہیں ہے۔ میں اسکو اتنی جلدی اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتا۔ ویسے جہاں اسکا رجحان دیکھوں گا اور جس طرف اس کی طبیعت راغب ہوگی میں اسکی مرضی سے اسکی شادی کردوں گا۔

نعیمہ بیگم نے خوش ہوکر کہا۔ ہاں بھیا یہ تو ہمارا بھی دل نہیں چاہتا کہ بچی اتنی جلد گھر سے جدا ہو جائے اسی وجہ سے تو حسینہ چاہتی ہے وہ کہیں باہر غیروں میں نہ جائے اسکے علاوہ آفتاب کے ساتھ ہروقت اٹھنا بیٹھنا بولنا اور ہنسنا بھی ہے۔ ہم نے بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں اور مجھے تو آفتاب بڑا پیارا لگتا ہے شادی کے بعد اسے یہیں بلا کر رکھ لینا ہر وقت گھر میں چہل پہل رہا کریگی۔

توفیق احمد نے بات ٹالتے ہوئے کہا

ہاں دیکھا جائیگا۔ اسکی مجھے ایسی جلدی نہیں ابھی تو بے عارضی نوکر ہے عروسہ کا تو خیال بھی نہیں کر سکتا۔

نعیمہ بیگم نے سمجھایا۔ نہیں بھیا یہ تو تمہاری غلطی ہے یہی عمر تو شادی کی ہوتی ہے۔ اور نہیں تو کیا بڑھاپے میں کروگے۔ بڑی تو کرتی ہی نہیں اس کے پیچھے چھوٹی کی عمر کیوں برباد کرتے ہو۔

توفیق احمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھاٹک میں سے انکے ایک ملنے والے احسان علی آتے ہوئے نظر آئے۔ نعیمہ بیگم اپنی تسبیح ہلاتی ہوئی چلی گئیں عروسہ بھی کمرے میں آکر ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ احسان علی نے آتے ہی شکار کا ذکر چھیڑ دیا شکار کا شوق تو توفیق احمد کو بھی بہت تھا لیکن احسان علی کو جنون تھا۔ آتے ہی انہوں نے بندوقوں۔ کارتوسوں مرغابیوں اور ہرنوں وغیرہ کی باتیں شروع کر دیں۔ آج کل مارکیٹ میں کارتوسوں کا حساب کتاب کیا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

توفیق احمد نے کہا۔ بھئی اب تو گرمی آگئی شکار کا زمانہ کہاں ہے؟

احسان علی بولے۔ ارے صاحب صبح سویرے دریا پر چلیں گے کچھ نہ کچھ تو ہاتھ لگ ہی جائیگا بہت دن سے خالی وقت گذر رہا ہے۔

توفیق احمد نے جواب دیا۔ نہیں صاحب بیکار زحمت ہوگی۔ اور کچھ ہاتھ نہیں آئیگا۔ ذرا سردی کا موسم آنے دو پھر ایک پروگرام پندرہ بیس روز کا بنایا جائیگا۔ اب کے عروسہ کو بھی ساتھ لے چلیں گے کیوں عروسہ؟

یہ کہکر انہوں نے عروسہ کی طرف دیکھا۔ جو ایک رسالہ پڑھ رہی تھی وہ چونک کر بولی۔ جی ابا جان کیا فرمایا آپ نے۔؟

توفیق احمد نے کہا۔ بیٹی شکار کا پروگرام جاڑے میں بنایا جائیگا زندگی بخیر انشاءاللہ تمکو بھی ساتھ لے چلیں گے۔

عروسہ مسکرا کر بولی۔

ابا جان مجھے تو بندوق سے ڈر لگتا ہے میں کیسے شکار کھیلونگی۔

احسان علی جھٹ سے بولے نہیں بٹیا ڈرنے کی کیا بات ہے تمہاری بڑی بہن تو بڑے بڑے جانور مار لیتی ہے۔ گذشتہ بار انہوں نے ہرن مارا تھا۔

عروسہ نے جواب دیا میں نے آجتک کوئی سی بندوق نہیں چلائی۔

توفیق احمد نے اپنے دل میں اقرار کیا کہ اس بیچاری نے ایسے ماحول میں تربیت کہاں پائی ہے۔ وہ ان باتوں کو کیا جانے غلطی میری ہی تو ہے پھر اسکے بچپن کا تصور کر کے انکا دل بے چین ہو گیا لیکن انہوں نے بات بدلتے ہوئے کہا میں تمکو چھوٹی بندوق منگوا دونگا تم اس سے نشانہ کی مشق کرنا سب ٹھیک ہو جائیگا۔

عروسہ نے تابعداری سے کہا۔ بہت اچھا۔

کوٹھی کے پھاٹک میں سے عارفہ گھوڑے پر سوار آتی ہوئی نظر آئی وہ گھوڑے کو آہستہ آہستہ لا رہی تھی، اسکا سر نیچے جھکا ہوا تھا۔ ان لوگوں کے قریب آکر وہ اتر پڑی۔

عارفہ سبز رنگ کی دھاری دار پتلون اور مختلف گہرے رنگوں کی دھاریوں کا بلاؤز پہنے تھی۔ چابک اسکے ہاتھ میں تھا ان سب کے قریب آکر گھاس پر ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئی توفیق احمد نے اس سے کہا۔

کیوں بیٹی کیا تھک گئیں، میں کہتا ہوں زیادہ دور نہ جایا کرو اب گرمی خوب ہونے لگی ہے۔

عارفہ نے لاپروائی سے جواب دیا۔

نہیں میں تھکی بالکل نہیں ہوں۔ لیکن پیاس بہت لگی ہے

یہ کہکر اس نے گلاس میز سے اٹھا لیا۔

احسان علی جلدی سے بولے ۔ نہیں نہیں بیٹی پانی اسوقت ہرگز نہ پینا ۔ ابھی سواری کرکے آرہی ہو یانی نقصان کریگا۔

عارفہ نے جواب دیا ۔ جی نہیں مجھے کوئی چیز نقصان نہیں کرسکتی ۔

یہ کہکر اس نے گلاس منہ سے لگالیا ۔ پھر گھاس پر بیٹھ کر رومال سے اپنا پسینہ خشک کرنے لگی ۔ توفیق احمد نے اس سے کہا ۔ عارفہ بیٹی اب گرمی بڑھنی شروع ہوجائیگی ۔ میرا خیال ہے کہ تم دونوں بہنیں پہاڑ پر چلی جاؤ ۔

عارفہ نے منہ بنا کر کہا نہیں ابا جان میں تو پہاڑ پر نہیں جاؤنگی ۔

توفیق احمد نے پوچھا ۔ کیوں پہاڑ پر جانے میں کیا ہرج ہے اب یہاں گرم ہوائیں چلنی شروع ہوجائیں گی حسینہ کی کوٹھی وہاں موجود ہے اور وہ سب لوگ ہر سال جاتے ہیں اسلئے تم دونوں بہنیں بھی چلی جاؤ صحت پر اچھا اثر پڑیگا کچھ دن تفریح بھی ہوجائے گی ۔

عارفہ نے جواب دیا ۔ ابا جان مجھے ایسی تفریح کی ضرورت نہیں ہے وہ جگہ میرے لئے دوزخ سے کم نہ ہوگی جہاں آفتاب اور روح افزا ہونگے ۔ اگر عروسہ راضی ہو تو آپ میرے بجائے اسے بھیجدیں ۔

توفیق احمد بولے ۔ اچھا خیر عروسہ ہی چلی جائیگی ۔ میں تو چاہتا تھا کہ تم بھی جاتیں جب رہنے کو جگہ موجود ہے تو تم کیوں گرمی میں تکلیف اٹھاؤ ۔

عارفہ نے مسکرا کر کہا ۔ مجھے گرمی میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ بہت ہی مزا آتا ہے ۔ جسقدر گرمی زیادہ ہوتی ہے میں بہت خوش رہتی ہوں ۔

یہ سنکر توفیق احمد خاموش ہوگئے وہ اس کی عادت سے واقف تھے لیکن احسان علی نے مسکرا کر کہا ۔

عارفہ بیٹی بات تو تم نے ٹھیک کہی واللہ مان گیا میں تمکو ۔ حقیقت تو یہ

ہے کہ یہ ولائتی نما لوگ چاہے افریقہ کے ہی رہنے والے کیوں نہ ہوں ذرا گرمی ہوئی اور انہوں نے وائے ویلا مچانی شروع کردی۔

یہ کہکر انہوں نے خوشامدی نظروں سے عارفہ کو دیکھا لیکن وہ انکی باتیں سن ہی نہیں رہی تھی کسی سوچ میں بیٹھی جا ایک زمین پر مارے جا رہی تھی۔ احسان علی اب عروسہ کیطرف دیکھ کر بولے۔

بھئی جو بات گرمی کی ہے وہ کسی موسم میں نہیں پائی جاتی بڑا ہی پر بہار موسم ہوتا ہے خصوصاً شام کا وقت تو بہت خوشگوار ہوتا ہے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنا آہا۔ شربت پئے جا رہے ہیں۔ خربوزے تربوز نرم نرم ککڑیاں کھائی جا رہی ہیں۔ واہ واہ سبحان اللہ۔ کیا بات ہے موسم گرما کی اور صاحب غریبوں کا تو یہی موسم ہوتا ہے بیچارے ننگے رہکر بھی گذارا کر لیتے ہیں۔

وہ کچھ دیر اور بولتے رہے لیکن عارفہ نے عاجز آکر بات کا موضوع بدلا اور عروسہ سے بولی۔ تم نے ابا جان سے کار کے واسطے نہیں کہا

عروسہ نے جواب دیا۔ ہاں ابا جان نے خود ہی مجھ سے وعدہ کیا ہے مجھے

توفیق احمد نے پوچھا۔ کیا بات ہے بیٹی؟

عروسہ بولی۔ عارفہ آپا کہتی ہیں کہ ابا جان سے کہکر تم بھی ایک کار لے لو۔

توفیق احمد نے کھنکھارتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ ہاں میں نے خود ہی کہا ہے ذرا آجکل کاروں کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ کچھ دنوں بعد قیمتیں گرنے والی ہیں خدا نے چاہا تو تمکو بھی ایک کار ضرور خرید دونگا۔

احسان علی ٹپکے۔

ہاں ٹھیک ہے۔ جب ایک بہن کے پاس کار رہے تو دوسری

کے پاس بھی ضرور ہونی چاہیئے۔

عارفہ چڑ کر بولی۔

جی نہیں بات یہ نہیں ہے۔ شاید آپکو معلوم نہیں کہ کار آجکل ایسی چیز ہے جسکی ہم جیسوں کو ہر وقت ضرورت پڑتی ہے۔ اور جب ہم خرید سکتے ہیں تو بے وجہ کیوں تکلیف اٹھایئں۔ میں تو اپنی کار کو کسی کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتیں۔ ابا جان کی کار ہر وقت انہیں کے کاموں میں مصروف رہتی ہے اگر انہیں کہیں آنا جانا ہو تو پھر آفتاب وغیرہ سے لینی پڑتی ہے۔

توفیق احمد بولے۔

ہاں بیٹی میں کہہ تو رہا ہوں کہ چند ماہ بعد قیمتیں گرنیوالی ہیں پھر ضرور خرید دوں گا۔

عارفہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ ہمیشہ تھوڑے سے روپے کا خیال کرتے ہیں حالانکہ اسمیں فائدہ کچھ نہیں ہوتا۔ اسکی کسر دوسری جگہ نکل جاتی ہے۔

توفیق احمد بولے۔ بیٹی روپیہ بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے اسلئے ایک ایک پیسے کا خیال رکھنا چاہیئے۔

عارفہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنے کمرے کیطرف جاتے ہوئے کہا۔ آپ اپنی طرف سے تو ایک ایک پیسے کا خیال رکھتے ہیں لیکن حقیقت کچھ اور ہی ہے۔

احسان علی مسکرا کر بولے

ماشاءاللہ۔ خدا اسکو سلامت رکھے اور نظر بد سے بچائے بہت ذہین اور تیز بھی ہے بات تو ایسی کہتی ہے کہ دل میں گھستی چلی جاتی ہے۔

لیکن توفیق احمد دل ہی دل میں عارفہ کیلئے کڑھنے لگے وہ اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ اس تلخی کے پس پردہ ضرور کوئی ناخوشگوار واقعہ پوشیدہ ہے لیکن وہ اس سے معلوم کرنیکی اپنے میں ہمت اور قوت نہیں پاتے تھے۔

کچھ عرصے بعد حسینہ بیگم پہاڑ پر چلی گئیں۔ جانیسے پہلے وہ خود کئی مرتبہ بھائی کے ہاں آئیں اور عارفہ اور عروسہ کو اپنے ساتھ لیجانے کی خواہش ظاہر کی لیکن عارفہ نے سختی سے وہاں جانیسے انکار کر دیا۔ اور عروسہ نے بھی کچھ دنوں کے بعد جانیکا وعدہ کیا۔ حسینہ بیگم عروسہ کی اب ہر طرح سے خاطر مدارات کرتی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ عروسہ کا توفیق احمد بہت خیال کرتے ہیں اسلئے عروسہ کے ساتھ محبت اور پیار ظاہر کرنے سے ان کی خوشنودگی حاصل ہوگی۔ اسکے علاوہ وہ اسکے دل میں بھی اپنے لئے جگہ بنانیکی اسی طرح کوشش کر رہی تھیں۔ ان کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ روزانہ اچھا سا کھانا پکوا کر عروسہ کیلئے ضرور بھیجتی تھیں۔ اور دوسرے تیسرے روز آکر اسکو بار بار گلے لگا کر پیار کرنا بھی ان پر فرض ہو گیا تھا۔ عروسہ انکی اس محبت کے آگے پہاڑ پر جانیسے انکار نہ کر سکی اور چند دن ٹھہر جانیکا وعدہ کر لیا۔

ایک روز توفیق احمد نے عروسہ سے کہا

عروسہ بیٹی میں نے حسینہ کو لکھ دیا ہے کہ وہ آفتاب کو بھیجکر تم کو بلا لیں عارفہ نے اس دن انکے ہاں جانیسے انکار کر دیا تھا اسلئے میں چاہتا ہوں کہ تم ہی چلی جاؤ تاکہ حسینہ برا نہ مانیں عارفہ کی طبیعت ہی اس قسم کی ہے میں کیا کر سکتا ہوں۔

عروسہ نے جواب دیا۔

ابا جان۔ وہاں لکھنے کی کیا ضرورت تھی آپنے خود بھیجا دیا ہوتا۔

توفیق احمد بولے ہاں پہلے میرا یہی خیال تھا کہ میں خود تمکو بھیجا دونگا۔ لیکن اب مجھے ایک منٹ کی بھی فرصت نہیں ملیگی۔ کام زیادہ آگیا ہے اسکے علاوہ عارفہ اب یوروپ جانیوالی ہے تم جانتی ہو وہ بہت ضدی ہے اسکے سفر کی تیاری کرنی ہے۔ پاسپورٹ وغیرہ کے لئے کوشش کرونگا کار موجود ہے لیکن میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تم خالی ڈرائیور کے ساتھ جاؤ۔ اسلئے وہاں سے آفتاب تمکو آکر لیجائیگا۔

عروسہ نے آہستہ سے کہا۔ بہت اچھا ابا جان میں چلی جاؤنگی لیکن حقیقت میں آپکو چھوڑ کر جانے کو میرا دل نہیں چاہتا۔

توفیق احمد نے شفقت سے اسکے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

چلی جاؤ بیٹی تھوڑے دن ہی کی تو بات ہے تم بہت سمجھدار ہو آخر عزیزوں کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے ادھر میں خود بہت مصروف رہونگا لیکن تمکو جلدی بلا لونگا۔ میں نے حسینہ کو بھی لکھدیا ہے اور کہہ بھی دیا ہے کہ جب وقت میں مناسب سمجھونگا تمہیں بلا لونگا۔ جب سے تم میرے پاس آئی ہو میں بہت خوش اور مطمئن ہوں میں اپنی یہ غلطی کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ میں نے قدرت کا دیا ہوا ایک بہت بڑا عطیہ اور نعمت ٹھکرا دی تھی یہ غلطی میری ایسی نہیں ہے جو معاف کیجا سکے۔ اب میں ہر وقت خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ کرتا ہوں۔

عروسہ نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

ابا جان آپکے پاس آکر میں بھی بہت خوش ہوں اور آپکا ہر حکم بجالانے کو تیار رہوں۔ میری طرف سے آپ فکر نہ کریں۔

توفیق احمد نے جواب دیا۔ ہاں بیٹی مجھے تمہارے اوپر فخر ہے لیکن اگر کبھی کوئی بات ناگوار گذرے یا کچھ بھی تمہاری مرضی کیخلاف ہو تو فوراً مجھ سے کہدینا۔ میری یا کسی دوسری وجہ سے خاموش نہ رہنا میں نے اکثر دیکھا ہے بعض اوقات خاموشی اور مروت میں انسان بڑے بڑے نقصانات اٹھالیتا ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ کسی غلط فہمی کی بنا پر تمکو تکلیف یا نقصان ہو میں تو اپنی طرف سے تمہارا خیال رکھونگا

عروسہ خاموش بیٹھی باپ کی گفتگو سن رہی تھی اور دل ہی دل میں کسی نتیجہ پر پہنچ رہی تھی۔

—— x ——

حسینہ بیگم اپنی کوٹھی کے لان میں بیٹھی ہوئی ہیں دوسری کرسی پر انکے شوہر انوار احمد بیٹھے ہیں کتاب ہاتھ میں ہے اور سر ہلا ہلا کر شعر پڑھ رہے ہیں موسم بہت خوشگوار ہے۔ روح افزا اپنے پڑوسی اختر حسین کے ساتھ ٹینس کھیلنے گئی ہوئی ہے۔

اے کچھ سنتے ہو؟ تمہیں کچھ خبر بھی ہے آفتاب کو گئے ہوئے تین روز ہو چکے ہیں وہ ابتک واپس نہیں آیا۔ میرا تو دل پریشان ہونے لگا۔ اچھے خاصے تم ہی ڈرائیور کو لیکر چلے جاتے تو مجھے یہ پریشانی نہ ہوتی۔

انوار احمد نے جواب دیا۔ ارے بیگم تم تو بلا وجہ پریشان ہوتی ہو۔ وہ اپنے ماموں کے ہاں گیا ہے دو ایکدن تو آرام بھی کریگا۔ ممکن ہے تیسرے دن عروسہ نہ چلی ہو۔ آج اور انتظار کرو......اگر نہ آیا تو پھر کل کسی وقت توفیق بھائی کو ٹیلیفون کرونگا۔

حسینہ بیگم بگڑ کر بولیں۔ لو اور سنو۔ تم کیسی باتیں کرتے ہو کل تک کہیں میں انتظار کر سکتی ہوں میرا دل تو ابھی سے ہولنے لگا معلوم نہیں کیا وجہ ہو گئی جو میرا بچہ نہیں آیا۔ تم سے اتنا کہا لیکن تم نہ ہلے۔ آخر اسی کو جانا پڑا۔

انوار احمد نے صفائی پیش کی۔

بیگم تم تو ایکی بچوں کی سی باتیں کرتی ہو ۔میں نے تو خود ہی کہا تھا کہ میں جاؤں گا ۔مگر آفتاب راضی کب ہوا وہ تو خود ضد کر کے گیا ہے ۔اسی وجہ سے تم بھی مجبور ہو گئیں اب الٹی مجھ سے شکایت کر رہی ہو ۔

حسینہ بیگم بولیں اگر تم آج ہی ٹیلیفون کر لو تو کیا نقصان ہو جائیگا

انوار احمد نے جواب دیا ۔کیا تم سمجھتی ہو توفیق بھائی کو ٹیلیفون کرنا آسان ہے ارے بھائی ٹرنک کال کرنے کے لئے تو بہت وقت درکار ہوتا ہے جب جا کر لائن ملتی ہے ۔

حسینہ بیگم جل کر بولیں ۔یہ باتیں تم مجھ سے ایسے کہہ رہے ہو گویا میں کچھ جانتی ہی نہیں ۔یہ نہیں کہتے جو کچھ تمہیں آیا ہے وہ میرے ہی طفیل میں آیا ہے میں نے تمہیں انسان بنایا ہے ورنہ تمہارے اس گاؤں کی حویلی میں سوائے لوگوں کو بڑے بڑے گنے کھانے کے اور آتا ہی کیا تھا ۔

انوار احمد نے مسکرا کر جواب دیا ۔ہاں بیگم ہم تو عرصہ سے تمہاری معلومات اور قابلیت کا لوہا مانے ہوئے ہیں واقعی تمہارے طفیل میں ہم نے بہت کچھ سیکھا اور اب بھی تم سبق پڑھاتی ہو ۔اور ہم اب تک تمہارے حکم بردار ہیں ۔

حسینہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا بس اب خواہ مخواہ کا چوچلا نہ بگھار و لگے خوشامد کرنے ۔تمہاری یہی تو عادت ہے کہ کام کی بات کرو تو تم ادھر ادھر کی لے بیٹھتے ہو ۔اور جو کام میں کہتی ہوں ۔وہ تم سے نہیں ہو سکتا اگر اپنا دل چاہے تو پہاڑ سے پتھر تک تلاش کر لو گے بھلا میں کل تک ٹھہر سکتی ہوں ذرا روح افزا آجائے تو کہیں نہ کہیں سے ٹیلیفون کراؤنگی تم اسی طرح بیٹھے رہنا ۔

یہ کہکر وہ کمرے میں چلی گئیں ۔

کچھ ہی دیر بعد روح افزا بھی آ گئی۔ ریکیٹ ایک طرف رکھ کر گھاس پر پیر پھیلا کر بیٹھ گئی۔ اور بولی۔ ابا اس وقت تک آپ نے چائے نہیں پی اب تو چار بج چکے ہیں۔

انوار احمد نے جواب دیا۔ ہاں بیٹیا تمہارا ہی انتظار تھا چلو چائے تیار ہو گی

روح افزا نے چونک کر یا بیچھے کہا ابا سنا آپ نے کہیں اپنی کار کا ہارن بجا ہے معلوم ہوتا ہے بھائی صاحب عروسہ کو لیکر آ رہے ہیں۔

انوار احمد بھی کھڑے ہو کر سننے لگے۔ کچھ دیر بعد ہارن کی آواز قریب آنے لگی۔ حسینہ بیگم بھی سنکر باہر نکل آئیں اور ساتھ ہی کار بھی کار پورچ میں داخل ہو کر ایک طرف ٹھہر گئی۔ آفتاب اور عروسہ اتر پڑے حسینہ بیگم کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔ انہوں نے عروسہ کو خوب گلے لگا کر پیار کیا پھر آفتاب کی طرف بڑھیں

ارے بیٹا تم نے جا کر رسید تک نہ بھیجی میں تو سخت پریشان تھی ٹیلیفون کرانے کو کہہ رہی تھیں۔

آفتاب نے لاپرواہی سے کہا۔ آپ تو ایسی ہی عقلمندی کی باتیں کرتی ہیں پریشانی کی کیا ضرورت تھی میں کسی محاذ پر گیا ہوا تھا۔

آفتاب کی بات کا کسی نے جواب نہیں دیا اور سب لان میں جا کر بیٹھ گئے۔ روح افزا نے عروسہ سے کہا۔

بی عروسہ شکر ہے تم صحیح سلامت یہاں تک پہنچ گئیں مجھے تو بڑا اندیشہ تھا کیونکہ بھائی صاحب حد درجہ کے لاپرواہ واقع ہوئے ہیں۔

آفتاب نے جل کر کہا۔ لاپرواہ تم خود ہو گی۔ اب منہ کیا دیکھ رہی ہو چائے منگواؤ بھلوگ بہت تھکے ہوئے ہیں۔

روح افزا نے جواب دیا۔

چائے بھی آرہی ہے اماں گئیں تو پھر کیا ضروری ہے کہ میں بھی جاؤں۔

آفتاب نے کہا۔ وہ تو معلوم ہے کہ تم سخت کام چور ہو۔ کام تم کرتی کب ہو۔ سب اماں جان کرتی ہیں۔

روح افزا ہنس کر بولی۔

اور آپ اپنی خبر نہیں لیتے کہ خود کس مصرف کے ہیں۔؟

آفتاب نے عروسہ کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

یہ دیکھو میں نے کتنا بڑا کام کیا ہے انکو لے آیا اور کیا کروں؟

روح افزا بولی۔ انکو تو میں بھی لا سکتی تھی یہ کوئی مشکل کام نہیں کیا آپ نے۔

ہم تو آپکو بہادر جب سمجھتے کہ آپ عارفہ آپا کو لیکر آتے۔

آفتاب نے منہ پھیلا کر کہا۔ مجھے کیا ضرورت پڑی تھی انکو لانیکی۔

اب حسینہ بیگم بھی اندر سے آگئیں۔ نوکر نے چائے لاکر میز پر رکھدی اور سب چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔

چائے کے بعد عروسہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حسینہ بیگم نے اوپر کی منزل میں اس کیلئے سب سے اچھا کمرہ آراستہ کرایا تھا کمرے کے سامنے چھوٹا سا خوبصورت شیشوں کا برآمدہ تھا جس پر گلاب کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔

عروسہ نے ہاتھ منہ دھویا بال درست کئے اور ایک ہلکا سا سوئیٹر پہنکر کرسی پہ بیٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد روح افزا کمرے میں آئی اسکے ساتھ دو لڑکیاں تھیں جنمیں ایک کی عمر چالیس کے قریب تھی دوسری کم عمر تھی۔ بڑی کی شکل بھی واجبی سی تھی

گہرا سانولا رنگ۔ بھدا نقشہ۔ چھوٹی چھوٹی آنکھیں۔ تنگ پیشانی لیکن چہرہ بڑی صفائی اور ہوشیاری سے آراستہ تھا۔ بالوں میں مصنوعی لہریں وغیرہ بھی پڑی ہوئی تھیں۔ پھر بھی اسمیں کسی قسم کی دلکشی نہیں آئی تھی۔ وہ فیروزی رنگ کی خوبصورت ساڑی باندھے ہوئے تھی دوسری لڑکی سرخ دوپٹہ اور شلوار پہنے ہوئے تھی روح افزا نے عروسہ سے تعارف کرایا۔

عروسہ انسے ملو یہ ہماری ناہید آپا ہیں اور یہ انکی چھوٹی بہن طلعت ہے یہ لوگ ہمارے برابر والی کوٹھی میں رہتے ہیں اور ہماری طرح ہر سال یہاں آتے ہیں۔

عروسہ کھڑی ہوگئی۔ اور دونوں بہنوں سے بڑی خندہ پیشانی سے ملی ناہید رشک وحسد کی ملی جلی نگاہوں سے عروسہ کو دیکھ رہی تھی اس کا معصوم حسن اور دلکشی ناہید کے دل پہ بہت زیادہ اثر کر رہی تھی اس کی نگاہیں برابر عروسہ پر جمی ہوئی تھیں پھر کچھ دیر بعد انمیں باتیں ہونے لگیں۔

روح افزا عروسہ سے بولی۔ انکے بھائی اختر حسین ٹینس کے کافی اچھے کھلاڑی ہیں میں انسے روزانہ ٹینس کھیلتی ہوں ان سے کھیل کر میرا بھی کھیل اچھا ہو جائیگا کل سے تم بھی کھیلنا۔

عروسہ نے جواب دیا۔

مجھے اب ٹینس کھیلنے کی مشق نہیں رہی ہے کالج میں کھیلا کرتی تھی اب تو بہت دن ہو گئے۔

روح افزا نے کہا۔ ہاں ہاں روز کھیلوگی تو پریکٹس بڑھ جائیگی۔

ناہید برابر عروسہ کو دیکھ رہی تھی آخر اس نے پوچھا۔ روح افزا کیا یہ وہی تمہاری ماموں زاد بہن ہیں جنکا تم اکثر ذکر کیا کرتی ہو؟

روح افزا نے ہنسکر جواب دیا نہیں وہ تو عارفہ آپا ہیں یہ انکی چھوٹی بہن ہیں انکا نام عروسہ ہے۔

ناہید نے بے جھجک ہوکر پوچھا۔ اچھا وہ انکی بڑی بہن ہیں جو کسی سے شادی ہی نہیں کرتیں اور خوش بخت صاحب کے پیچھے اپنی عمر گذار رہی ہیں۔

عروسہ نے حیرت سے ناہید کو دیکھا اور ناہید نے ایک چھوٹا سا قہقہہ لگایا اور روح افزا سے بولی معلوم ہوتا ہے شادی ابھی انکی بھی نہیں ہوئی ہے۔

روح افزا نے مسکرا کر جواب دیا۔

شادی کیسی ابھی تو کہیں ٹھہری تک نہیں۔

ناہید نے سر ہلا کر کہا۔ لے ہے انکی تو شکل بھی بہت پیاری ہے پھر کیا بات ہے جو شادی نہیں ہوئی ؟۔

عروسہ نے خود ہی جواب دیا۔

اصل میں اس مسئلہ پر ابھی تک میں نے غور نہیں کیا اور کوئی خاص وجہ نہیں ہے۔

عروسہ نے اندازہ لگایا کہ ناہید کو سوائے شادی کے ذکر کے اور کسی بات سے دلچسپی ہی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے اس نے بھی انکو خوش کرنے کیلئے یہی ذکر جاری رکھا۔

میری یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آپنے ابتک شادی کیوں نہ کی ؟

یہ سنکر ناہید نے تو ایک گہرا اور لمبا سانس کھینچا اور روح افزا جھٹ سے بولی بھئی کیا کریں اب تو وقت ہی نکل چکا اور ہے، کوئی نظروں میں نہ جچا ہو گا۔

ناہید تنک کر بولی بھئی واہ وقت ابھی کیسے نکل چکا ہے وہ تو میرے

اپنے ہاتھ میں ہے لیکن کوئی مرد ملتا ہی نہیں جو میری شرطوں پر پورا اترے ویسے تو سینکڑوں مارے مارے پھرتے ہیں لیکن میں انہیں منہ کب لگاتی ہوں۔

عروسہ نے پوچھا۔ آپکی شرائط کیا ہیں ذرا میں بھی تو سنوں۔

ناہید اٹھلا کر بولی۔ ارے اب تم کیا کرو گی سنکر تم خود ہی بنا بیاہی ہو تمہیں کونسا تجربہ ہو گا۔

عروسہ نے بھی اسی انداز سے کہا۔ اس سے کیا ہوتا ہے میری عقل اور حواس تو ابھی موجود ہیں جو اکثر شادی کے بعد لوگوں کے غائب ہو جاتے ہیں ممکن ہے میری نظر میں کوئی آپکے معیار کا ہو تو کام بنجائے۔

اچھا تو معلوم ہوتا ہے تم بھی چھپی رستم ہو۔ صورت سے تو بڑی بھولی بھالی نظر آتی ہو۔

روح افزا نے ہنسکر کہا جی باجی ایسی بھولی بھالی شکل والے تو بڑے ظالم ہوتے ہیں ایسے لوگوں کے بارے میں شاعر معلوم نہیں کیا کیا کہتے ہیں۔ وہ بیچارے سب کے ستائے ہوئے تو ہوتے ہیں۔

ناہید بولی۔

ٹھیک تو ہے انہوں نے اپنی بھولی اداؤں سے پتہ نہیں کس کس پر کیا غضب ڈھائے ہونگے۔ ذرا آپ سچ نہیں بھی تو کچھ بتاؤ۔

عروسہ نے ہنس کر جواب دیا۔

واہ آپ تو مجھے خواہ مخواہ ملزم قرار دے رہی ہیں میں آپکی فکر میں ہوں کچھ تو کہئیے ممکن ہے میں آپکی مدد کر سکوں۔

روح افزا نے ہنسکر کہا معلوم ہوتا ہے تمہارے پاس مردوں کا خزانہ ہے جس طرح چاہو گی پیش کر دو گی۔

عروسہ بولی نہیں نہیں میں تو صرف ناہید آپا کی خاطر کر رہی ہوں آپ زیادہ خوش نہ ہوں۔
روح افزا ذرا کھسیانی ہو گئی جبکہ ناہید نے کہا۔
اچھا تو تم صرف میری ہی خاطر کر رہی ہو لیکن یہ تو بتاؤ کتنے ہیں تمہاری نظر میں؟
عروسہ نے سر کو جنبش دیکر کہا۔ میری نظروں کا نہ پوچھئے بے گنتی ہیں۔
ناہید بولی۔
ارے وہ بے گنتی تو سب تمہارے ہی طلبگار ہونگے تم کیا کسی کی مدد کر سکتی ہو۔ وہ بیچارے تو پہلے ہی تمہیں دیکھ کر اپنے حواس کھو چکے ہونگے۔
عروسہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ یہ لیجئے آپ تو اپنی شرطیں بتانے سے پہلے ہی مایوس ہو گئیں آپکے لیئے تو میں ایثار بھی کر سکتی ہوں۔
ناہید نے اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا اچھا تو معلوم ہوتا ہے کہ صورت کے ساتھ ساتھ تمہارا دل بھی اسقدر پاکیزہ ہے لیکن بھئی آج تو پہلی ہی ملاقات ہے اب کل تفصیل سے باتیں ہونگی۔ تم تو ابھی کچھ دن رہو گی نا؟ اسوقت تو میں ایک ضروری کام سے آفتاب صاحب کے پاس آئی تھی میرا خیال تھا تمہارے پاس ہونگے۔
روح افزا نے جواب دیا۔ بھائی صاحب تو اپنے بستر پہ بھی پہنچ چکے وہ آج بہت تھکے ہارے ہیں۔
ناہید نے اٹھتے ہوئے کہا
اچھا بھئی۔ اب چلتے ہیں کل اللہ نے چاہا تو ملاقات ہوگی۔
عروسہ نے کھڑے ہوتے ہوئے طاعت سے کہا۔

آپ بہت خاموش ہیں میں نے ایک لفظ بھی آپکی زبان سے نہیں سنا۔
طلعت نے ہنس کر جواب دیا۔
آپا جان کے سامنے کون بول سکتا ہے۔
ناہید نے کمرے سے نکلتے ہوئے کہا۔
" تو بھئی میں کیا تمہیں بولنے سے منع کرتی ہوں بولو خوب جی بھر کر۔ "
پھر دونوں بہنیں کمرے سے نکل گئیں۔
انکے جانے کے بعد عروسہ نے روح افزا سے کہا۔
معلوم ہوتا ہے کہ بیچاری کو شادی کا بہت شوق ہے۔
روح افزا نے جواب دیا۔ ہاں ایسا ارمان شادی کا تو میں نے کسی کا بھی نہیں دیکھا جیسا انکو ہے یہ تو اسوقت تم سے کچھ تکلف کر رہی تھیں ورنہ سب سے پہلے یہی فرمائش ہوتی کہ کہیں میری شادی کراؤ۔
عروسہ بولی۔ وہ تو کہتی ہیں کہ انکی کچھ شرطیں ہیں وہ کسی معمولی انسان سے شادی کیسے کر سکتی ہیں۔
روح افزا نے منہ بنا کر جواب دیا۔
ارے بس یہ سب کہنے کی باتیں ہیں وہی مثل ہے کہ انگور کھٹے ہیں اس بیچاری کو پوچھتا ہی کون ہے ہر ایک شادی شدہ لڑکی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی ہیں اور اب خواہ مخواہ یہ مشہور کر رہی ہیں کہ انکی شرطیں جو بہت سخت ہیں اگر کوئی جھوٹے منہ بھی کہے تو سچ مچ اس سے چپٹ جائیں۔
عروسہ نے پوچھا کیا انکے والدین نہیں ہیں جوان بیچاری کی شادی کریں؟
روح افزا نے کہا ہیں کیوں نہیں۔ انکی اماں بیچاری بہت سیدھے قسم کی ہیں اور ابا تو برسوں سے فالج کے مرض میں مبتلا ہیں۔ انکے ہر بیکار

ہیں اسلئے یہ تینوں بھائی بہن ہر سال پہاڑ پر آجاتے ہیں آدھی کوٹھی کرایہ پر اٹھا دیتے ہیں۔

عروسہ سوچتے ہوئے بولی۔

خیر کچھ بھی ہو لیکن انکی شادی ضرور ہونی چاہئے۔

روح افزا نے ناک چڑھا کر کہا ہاں تو پھر کرو نہیں کوشش یہ بیچاری تو اب ہار چکی ہیں اخبارات میں اشتہار دے چکی ہیں ہزاروں تعویذ گنڈے کرتی پھرتی ہیں لیکن جب بھی کوئی دیکھنے آتا ہے انکار کر کے چلا آتا ہے۔

عروسہ نے پوچھا۔

کیا بات ہے صورت شکل کی بھی ایسی گئی گذری تو نہیں ہیں ان سے ہزار درجہ بدشکل لڑکیوں کی شادی ہو جاتی ہے یہ تو اپنی اپنی پسند کا سوال ہے بعض لوگوں کو بری صورتیں ہی پسند آجاتی ہیں۔

روح افزا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

اور کیا معلوم ہوتا ہے کہ ان بیچاری کے ہاتھ میں شادی کی لکیر ہی نہیں ورنہ کوئی خاص وجہ تو معلوم نہیں ہوتی۔

بڑی دیر تک یہ دونوں ناہید کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔

کھانے کیلئے نیچے آئیں حسینہ بیگم نے آج خاص طور پر اچھے قسم کا کھانا پکوایا تھا اسکے علاوہ انوار احمد کو کھانے پکانے میں بہت دلچسپی تھی وہ ہر وقت اپنی کرسی ڈالے باورچی خانے میں ڈٹے رہا کرتے تھے اور انکا دماغ زیادہ تر لہسن پیاز اور گرم مصالحہ میں پڑا رہتا تھا اور آج تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے مرغ روسٹ کیا تھا۔

حسینہ بیگم نے بہت پیار و محبت سے عروسہ کو کھانا کھلایا انکا بس

نہیں چلتا تھا کہ خود اسکے منہ میں لقمہ دیں۔

کھانے کے بعد بھی انہوں نے عروسہ کو اپنے پاس ہی بٹھایا۔ اور بڑی دیر تک اسکو پیار سے گلے لگاتی رہیں۔

عروسہ کو اپنی پھوپھی کے ہاں آئے ہوئے پندرہ بیس روز سے زیادہ ہو چکے تھے۔ حسینہ بیگم اس کی خاطر تواضع میں کسی طرح کی کمی نہ کرتی تھیں۔ عروسہ کی طبیعت انکے ہر وقت انبا والی چونچلوں سے اکتا گئی تھی وہ اپنا وقت زیادہ تر سیر و تفریح میں باہر گذارتی تھی۔ اکثر روح افزا، ناہید، طلعت اور انکی دوسری سہیلیاں ملکر گھومنے پھرنے پکنک وغیرہ کو نکل جاتیں یا پھر عروسہ اور روح افزا گھنٹوں گھوڑے کی سواری کیا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ناہید کا بھائی اختر حسین اور آفتاب بھی ساتھ ہو لیتے لیکن عروسہ اب آفتاب کو قطعی اہمیت نہیں دیتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اگر ذرا بھی اس نے آفتاب سے بے تکلفی تو وہی عارضہ والی بات حقیقت بنکر سامنے آ جائے گی۔ وہ آفتاب وغیرہ کو کسی غلط فہمی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اور اسی وجہ سے وہ آفتاب سے الگ تھلگ رہتی تھی لیکن نہ تو حسینہ بیگم اور نہ آفتاب ہی اسکی اس بات کو محسوس کر سکے وہ دونوں ماں بیٹے اسکی بیجا خاطر مدارت میں لگے رہتے تھے۔

انوار احمد کو اپنی کسی زمین کے مقدمے کے سلسلے میں گاؤں جانا تھا۔ انہوں نے آفتاب سے کہا۔

بیٹا مجھے کل صبح لے چلو۔ ڈرائیور بیمار پڑ گیا ہے اور مجھے پرسوں عدالت میں پہنچنا ضروری ہے۔ ورنہ مقدمے کا فیصلہ بغیر میرے ہو جائیگا کیونکہ کئی پیشیاں پڑ چکی ہیں اب آگے نہیں بڑھ سکتا۔

آفتاب نے منہ بنا کر جواب دیا۔

ابا میں نے آپ سے سینکڑوں مرتبہ کہا ہے کہ آپ خود موٹر چلانا سیکھ لیجئے۔ بوڑھے سے بوڑھے آدمی موٹر چلاتے ہیں لیکن آپ ابھی تک نرے دیہاتی بنے ہوئے ہیں۔

انوار احمد نے جواب دیا۔ ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن اب کل تک تو یہ کام نہیں ہو سکتا کہ میں موٹر چلانا سیکھ لوں۔

آفتاب بگڑ کر بولا پھر تو آپ ٹیکسی کر لیجئے۔ یا بس سے چلے جائیے۔

روح افزا نے تیوری چڑھا کر کہا۔

یہ تو بھائی صاحب آپکی بڑی بیجا بات ہے کہ آپ موٹر لئے سارے زمانہ میں گھوما کریں اور ابا اپنی ضرورت ٹیکسی یا بس سے پوری کریں۔

آفتاب نے چڑھ کر کہا۔

میں نے تم سے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ میری بات میں دخل نہ دیا کرو لیکن تم اپنی خواہ مخواہ بولنے کی عادت نہیں چھوڑتیں۔

روح افزا نے تنک کر کہا

لیکن میں ابا کے متعلق ایسی بات نہیں سن سکتی۔ میں ضرور بولونگی

یہ کہکر وہ غصہ میں بھری ہوئی وہاں سے آ گئی۔ آفتاب بھی کمرے سے نکل گیا لیکن دوسرے دن وہ انوار احمد کو لیکر گاؤں روانہ ہو گیا۔

——— x ———

دوپہر کے کھانے کے بعد روح افزا عروسہ کے کمرے میں بیٹھی باتیں کر رہی تھی وہ اس سے ٹینس کھیلنے کا اصرار کر رہی تھی۔ اچانک نیچے کسی موٹر آکر ٹھہرنے کی آواز آئی۔ روح افزا نے عروسہ سے کہا ذرا برآمدے میں باہر جھانک کر دیکھنا کسکی کار ہے ابا اور بھائی صاحب بھی تو اب آنے والے ہونگے۔

عروسہ نے اٹھ کر کھڑکی سے جھانکا۔ ساتھ ہی روح افزا بھی اٹھکر نیچے دیکھنے لگی اور جلدی سے خوش ہوکر بولی۔

"ارے سروش خوش بخت صاحب آپ"

یہ کہکر اس سے ضبط نہ ہوسکا۔ اور اس نے اوپر ہی سے آواز لگائی ہلو سروش صاحب۔

سروش نے بھی سر اٹھا کر اوپر دیکھا اور مسکرا دیا۔ اسکی نظر جیسے ہی عروسہ پر پڑی وہ جھجھک کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ لیکن سروش اسکو اچھی طرح دیکھ چکا تھا روح افزا نے خوشی سے اپنا گلابی دوپٹہ اپنی نازک سی کمر پر کستے ہوئے کہا

"چلو نیچے چلو سروش صاحب بیچارے نیچے کھڑے ہیں۔
خوشی کی وجہ سے اسکا کھلا ہوا سانولا رنگ سرخ ہو رہا تھا۔ چپٹی سی ناک اور زیادہ پھیل گئی تھی۔ بڑی بڑی چمکدار آنکھیں اور بھی خمار آلود ہو گئیں۔
وہ عروسہ کا ہاتھ پکڑ کے نیچے اتری اور جلدی سے باہر پہنچی۔ اسے یہ بھی پتہ نہ چلا کہ کب عروسہ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور وہیں ٹھہر گئی۔
سروش اپنی کار کے قریب کھڑا ہوا تھا روح افزا نے بڑی گرمجوشی سے اسکا استقبال کیا۔ اور دھوپ میں دونوں کرسیوں پر جا کر بیٹھ گئے۔
سروش کے آنیکی خبر پاتے ہی حسینہ بیگم بھی آگئیں۔ سروش نے آفتاب کو پوچھا تو روح افزا نے جواب دیا۔
بھائی صاحب آج صبح ابا کو لیکر شہر گئے ہیں۔ ڈرائیور بیمار ہو گیا ہے۔
سروش نے ادھر ادھر نظروں ہی نظروں میں عروسہ کو تلاش کرتے ہوئے کہا۔
تو پھر آنا بیکار ہوا میں خود کل صبح ایک ضروری کام سے یہاں آیا تھا میں نے سوچا کہ آپ لوگوں سے بھی ملتا چلوں مگر آفتاب صاحب بھی تو غائب ہیں۔
حسینہ بیگم بولیں۔ آفتاب اگر نہیں ہے تو کیا مضائقہ ہے تم ٹھہرو ہم لوگ تو موجود ہیں۔
سروش نے ادب سے پوچھا
خالہ جان۔ اجازت ہے میں سگریٹ پی سکتا ہوں؟
حسینہ بیگم نے ہنس کر جواب دیا۔
ہاں۔ ہاں ضرور پیو۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔
سروش نے جواب دیا۔

نہیں نہیں - آپ بزرگ ہیں - آپ کی اجازت کے بغیر کیسے پی سکتا ہوں -

روح افزا مسکرا کر بولی -

بھلا اماں جان کو سگریٹ کی بو بری معلوم ہوگی - انکے صاحبزادے جو ہر وقت سگریٹ منہ میں دبائے رکھتے ہیں -

حسینہ بیگم بناوٹی غصے سے اٹھلا کر بولیں -

"اے چل بہت لڑکی - تو ہر وقت میرے بچے کے پیچھے پڑی رہتی ہے"

یہ کہکر انہوں نے سروش کیطرف دیکھا لیکن وہ ان دونوں کی باتوں میں قطعی دلچسپی نہیں لے رہا تھا - اور سگریٹ ہاتھ میں لئے کچھ بے چین سا بیٹھا ہوا تھا - اور سوچ رہا تھا "آخر کیا بات ہے عروسہ کیوں نہیں آئی - کھڑکی سے جھانک کر کدھر غائب ہوگئی - میری نظروں کو دھوکا تو نہیں ہوسکتا - میں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا مجھے دیکھ کر پیچھے ہٹ گئیں آخر وہ مجھ سے اسقدر گھبراتی کیوں ہیں -

ادھر عروسہ زینے سے اتر آئی لیکن اسکی سروش کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہورہی تھی - وہ بڑی دیر تک زینے ہی میں کھڑی رہی باہر نکلتے ہوئے اسکے قدم خود بخود رک جاتے تھے چہرہ تمتمایا ہوا تھا آنکھیں آپ ہی آپ جیسے ہنس رہی تھی دل دھڑک رہا تھا وہ کھڑکی میں سے باہر جھانک رہی تھی - کچھ دیر بعد روح افزا کو اسکا خیال آیا اور اس نے پکارا -

عروسہ یہاں آؤ - اندر گھس کر کیا کررہی ہو؟

اب سروش کو کچھ اطمینان ہوا - روح افزا کی آوازیں دینے پر وہ برآمدہ میں نکل آئی اور بولی -

" روح افزا آیا میں بھی آتی ہوں۔

یہ کہکر وہ پھر اندر چلی گئی اور حسینہ بیگم کے کمرے میں جاکر بغیر ارادہ اس نے پاندان کھولا اور جیسے کہ وہ بہت ضروری کام کر رہی ہو بڑے اہتمام سے ایک پان بنا کر جلدی سے منہ میں رکھ لیا۔ اور بڑے اطمینان سے باہر نکل آئی۔ جیسے اسے کسی بات کی پرواہ نہیں۔ وہ اسوقت ہلکے نیلے رنگ کا دوپٹہ شلوار پہنے تھی۔ شبکی قمیص پر بڑے بڑے سرخ پھول پڑے ہوئے تھے پان کھانے کی وجہ سے منہ سرخ ہو رہا تھا

وہ آہستہ آہستہ ٹہلتی ہوئی ان لوگوں کے قریب آئی اسکو قریب آتا دیکھ کر سروش تعظیماً کھڑا ہو گیا۔ اور دونوں نے بڑے مہذب طریقے سے ایک دوسرے کو سلام کیا۔ سروش نے اسکی خیریت پوچھی عروسہ نے شکریہ ادا کیا اور ایک کرسی پہ بیٹھ گئی۔

روح افزا نے کہا۔ اوہو۔ آج تو پان کھا رہی ہو کیا بات ہے؟

حسینہ بیگم نے عروسہ کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیر کر جواب دیا۔

کیا میری بچی پان نہیں کھاتی جو تم ایسے کہہ رہی ہو۔!

روح افزا بولی۔

ٹھیک تو کہہ رہی ہوں یہ پان کب کھاتی ہیں۔

عروسہ نے ہنس کر اقرار کیا اور بات بنائی۔

جی ہاں۔ آج پہلی مرتبہ میں نے پان اپنے ہاتھ سے بنایا ہے کچھ طبعیت ٹھیک نہیں معلوم ہو رہی تھی۔ میں نے سوچا پان کھا کر دیکھوں۔ اور واقعی میری طبیعت درست ہو گئی۔

روح افزا نے اپنی ماں سے کہا۔

اماں جان کچھ چاء وغیرہ تو منگوائیے۔

اچھی بات ہے جاتی ہوں۔

یہ کہکر حسینہ بیگم چاء کا انتظام کرنے چلی گئیں۔

سروش نے عروسہ کو دیکھ کر پوچھا۔

کہیئے آپکو یہ جگہ پسند آئی۔؟

عروسہ نے سامنے دیکھتے ہوئے دھڑکتے دل سے جوابدیا۔

جی ہاں بہت خوبصورت جگہ ہے اور پھر روح افزا آپا بھی ہر وقت میری خاطر میں لگی رہتی ہیں خوب اچھی اچھی چیزیں کھانے کو ملتی ہیں۔ اسوجہ سے میرا وزن بھی دو پونڈ بڑھ گیا ہے۔

روح افزا نے کہا۔

ہاں۔ اور باتیں کرنی بھی خوب آگئی ہیں۔

عروسہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

جی ہاں۔ خدا آپ کی ناہید آپا کا بھلا کرے کیا انکی صحبت میں باتیں کرنی بھی نہیں آئیں گی ؟

روح افزا نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں ناہید آپا تو تمہاری بڑی گرویدہ ہوگئی ہیں۔ جب عروسہ چلی جائیں گی تو میرا دل بھی مشکل سے ہی لگے گا۔

سروش نے پوچھا یہ کون صاحبہ ہیں؟

روح افزا نے ہنسکر جوابدیا۔

آپ اس طرح پوچھ رہے ہیں جیسے جانتے ہی نہ ہوں اور وہ آپکا ذکر اسطرح کرتی ہیں جیسے آپکی پرانی شناسا ہوں۔

سروش نے ہنسکر کہا۔
کیا خوب ممکن ہے اس کہ گذشتہ زندگی میں جان پہچان ہوگی۔
روح افزا بولی۔ جی ہاں وہ آپکو غائبانہ طور پر جانتی ہیں۔
سروش بولا بس تو میرا تعارف بھی انسے زبانی کر دیجئے گا۔
عروسہ بولی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے انہوں نے تاکید کی ہے کہ جب آپ آئیں تو انسے ضرور ملوایا جائے۔
سروش نے مسکرا کر اسکی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
یہ انکی مہربانی اور ذرہ نوازی ہے ورنہ میں تو ان لوگوں سے ملنا پسند کرتا ہوں جو مجھ سے ملنا ناپسند کرتے ہیں۔
عروسہ چپ ہوگئی لیکن روح افزا نے کہا آپ انسے ملکر ضرور خوش ہونگے وہ مرد کی ناہستی کو قابل پرستش سمجھتی ہیں۔
سروش مسکرا کر بولا۔
پھر تو آپ لوگوں کو انکی صحبت سے فائدہ اٹھانا چاہئیے۔
روح افزا نے ہنسکر جواب دیا۔
یہ سمجھ لیجئے کہ انکی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے بہت لطف آئے گا آپکو انسے ملوا دیا جائے انہوں نے آپکی تصویر دیکھ رکھی ہے اور آپ سے ملنے کی بیحد مشتاق ہیں۔
سروش نے ہنسکر کہا۔ پھر تو واقعی دلچسپ ہونگی۔ آپ لوگ انکی تربیت میں رہ کر ضرور کچھ حاصل کرلیں۔
عروسہ منہ بنا کر بولی۔ بس خدا بچائے انکی تربیت سے۔
روح افزا بولی۔

"تم ایسا نہ کہو وہ تو تمہارے اوپر فریفتہ ہیں تمہاری صورت تو انہیں ایسی پسند ہے کہ انہوں نے تمہاری شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے۔

عروسہ نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے مجھے تختہ مشق بنایا ہے۔

روح افزا بولی۔ وہ تو تمکو دیکھ کر کہتی ہیں کہ قدرت کے بنائے ہوئے بہترین شاہکار کی تعریف نہ کرنا بڑا زبردست گناہ ہے۔

سروش نے عروسہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

بیشک ان کا خیال درست ہے اچھی اور بری چیز بنا کر خدا نے انسان کی سمجھ کا امتحان لیا ہے۔

روح افزا نے کہا لیکن آپ کیوں ناہید آپا سے ملنے سے گھبراتے ہیں۔

سروش نے جواب دیا۔ بہن یہ بات نہیں میں تو انکا غائبانہ ہی ممنوع ہوں۔ پھر عروسہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

تعجب ہے آپ ان بیچاری کی قدر نہیں کرتیں اگر میری شان میں کوئی قصیدہ لکھدے تو میں خط غلامی لکھدوں۔

روح افزا نے کہا بیشک ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ ورنہ آپ لوگ تو جیسے ہوتے ہیں وہ عالم آشکارہ ہے

سروش نے ہنسکر جواب دیا۔

آپ سبکو ایک ہی لکڑی سے کیوں ہانکتی ہیں؟

روح افزا ہنسکر بولی۔

جی ہاں لیکن دیگ کا بھی ایک ہی چاول دیکھا جاتا ہے۔

سروش بولا۔ خیر جو دل میں آئے کہہ لیجئے۔ اسوقت میں مجبور ہوں آپ لوگوں کے سامنے اسکا جواب دینا خلاف تہذیب سمجھتا ہوں۔

عروسہ کے منہ سے نکلا" عارفہ آیا تو کہتی ہیں " آ تنا کہکر وہ فوراً رک گئی جیسے کچھ خیال آگیا ہو۔ اسی وقت نوکر چاۓ لیکر آگیا پھر حسینہ بیگم بھی آ گئیں بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔

چاۓ کے بعد روح افزا نے سروش سے پوچھا

سروش صاحب آپ پان کھائیے گا؟

نیکی اور پوچھ پوچھ آپ کھلائیں گی تو ضرور کھاؤنگا۔

روح افزا نے عروسہ سے کہا

جاؤ ذرا پان تو لگا کر لے آؤ۔ آج تم نے سیکھ لیا ہے۔

عروسہ نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

آپکو معلوم ہے میں اس کام سے گھبراتی ہوں کوئی دوسرا کام ہو کہئیے۔ تو میں حاضر ہوں۔

روح افزا بولی۔

ابھی تو خود کھا کر آئی ہو سب کے واسطے بنانے میں عیب ہے۔

عروسہ نے ہنسکر کہا وہ تو اور بات تھی۔

حسینہ بیگم بولیں۔ میں جا رہی ہوں۔ صبر کرو۔

یہ کہکر وہ اندر چلی گئیں۔ کچھ دیر بعد نوکر پان لے آیا اور روح افزا سے بولا۔ آپکو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔

حسینہ بیگم چاہتی تھیں کہ آج کسی طرح سروش کو روک لیا جائے وہ اسکو بہت پسند کرتی تھیں اور روح افزا بھی دل سے پسند کرتی تھی اسلئے وہ سروش کی خوب تواضع کرتی تھیں اسی وجہ سے انہیں روح افزا سے مشورہ کرنا تھا۔

روح افزا نے کھڑے ہو کر ایک پان اٹھالیا اور [illegible]

ہوئے بولی۔

لو آج بھی گھبرا کر کہا لو۔ ابھی منہ سرخ نہیں ہوا۔

یہ کہکر وہ اندر بھاگ گئی۔

عروسہ کے منہ پر کتھا چونا پھیل گیا اس نے گھبرا کر رومال تلاش کیا سروش پانی کوطا کر اپنے ہاتھ پونچھ رہا تھا اس نے اپنا رومال عروسہ کیطرف بڑھاتے ہوئے۔

لیجئے۔ اپنا منہ صاف کر لیجئے۔ روح افزا نے آپکے ساتھ زیادتی کی ہے۔

عروسہ نے رومال لیکر جلدی سے اپنا منہ صاف کیا اور بولی۔

بعض دفعہ روح افزا آپا بیحد مذاق کر جاتی ہیں۔

جب وہ منہ پونچھ چکی تو سروش نے آہستہ سے پوچھا۔

آپ اسوقت کیا کہہ رہی تھیں عارفہ کیا کہتی ہیں ہم لوگوں کے بارے میں؟

عروسہ نے چند لمحہ خاموش رہ کر کہا۔

عارفہ آپا کہتی ہیں مرد کے وجود سے عورت کی زندگی بیکار اور خوشیوں سے محروم ہو گئی ہے مرد بڑے ناقابلِ اعتبار ہوتے ہیں۔

سروش نے پوچھا کیا آپ بھی اس نظریے کو ٹھیک سمجھتی ہیں؟

عروسہ کچھ دیر تو خاموش رہی پھر بولی۔

"میں سمجھتی ہوں کہ یہ ٹھیک ہے کیونکہ میں نے بھی بہت سے واقعات دیکھے ہیں۔"

"یہ تو بڑی ناانصافی ہے کہ ایک کی غلطی پر سب مورد الزام ٹھہرائے جائیں"،

عروسہ نے جواب دیا۔ ایک غلطی کا کیا سوال ہے دنیا ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے دور کیوں جاؤں میں نے اپنے بہت قریب ایسا دیکھا ہے

سروش نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ میں مانتا ہوں کہ قدرت نے ایک قلیل عرصے میں آپکو بہت ہی ناگوار قسم کے واقعات سے روشناس کرا دیا ہے اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ انسان ہر حال میں برائی کیلئے تیار رہے۔ عورت اور مرد کا سوال تو اٹھا دینا چاہیئے کیونکہ ہر حال میں زندگی کی گاڑی دو پہیوں پر چلتی ہے اور بس یہی سوچنا چاہیئے کہ نیکی اور سچائی سے زندگی کی مسرت ضرور حاصل ہو سکتی ہے۔ ہاں کبھی کبھی حالات بے شک اسکے خلاف ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ اصلیت اور حقیقت کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

عروسہ بولی۔ اگر حقیقت اور مسرت بہت کچھ کھو کر ظاہر ہوئی تو کیا فائدہ اس سے؟

سروش نے عروسہ کے سنجیدہ چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

آپکو اسقدر جذباتی نہ ہونا چاہیئے ان باتوں کو سوچ کر آپ کچھ نہ پائیں گی۔ بس ہر وقت خوش رہنے کی کوشش کیجئے۔

عروسہ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

جب حالات اور واقعات ایسا کرنے پر مجبور کریں تو انسان کو کبھی مسرت اور سکون میسر نہیں آ سکتا۔

سروش نے بات ٹالتے ہوئے کھڑے ہو کر کہا۔

اچھا چلیئے ذرا اوپر چلکر دیکھیں کہ پہاڑی باغ کیسا ہے؟

عروسہ بھی کھڑی ہو گئی اور اسکے ساتھ ساتھ چلنے لگی یہ دونوں سیڑھی دار کیاریوں سے ہوتے ہوئے پہاڑی پر پہنچ گئے۔ یہاں ایک طرف گذشتہ بہار کے موسمی پھولوں کے پودے مرجھائے ہوئے کھڑے تھے عروسہ نے اشارہ سے سروش کو دکھاتے ہوئے کہا۔

اب دیکھئے یہ بیچارے کسطرح حسرت و یاس کی تصویر بنے اپنی پربہار عمر رفتہ

کا اتم کر رہے ہیں اس سے تو بہتر تھا کہ انپر بہار ہی نہ آئی ہوتی ۔

یہ کہکر اس نے سروش کیطرف دیکھا۔ سروش نے بلیا ختہ کہا
عروسہ ایسے مایوس کن خیال اپنے دماغ سے نکال دو یہ قانون قدرت ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا ۔ اگر اسی طرح انسان ہر چیز کو دیکھتا ہے تو پھر وہی بات ہو گئی کہ قاضی دبلے کیوں شہر کے اندیشے سے ۔"

اسوقت پہلا موقع تھا جب سروش نے عروسہ کو اسکا نام لیکر مخاطب کیا اور بجائے آپکے تم کہا ۔

" تم کو معلوم ہے کہ سوائے خدا کے ہر چیز فانی ہے رہ گئی مسرت اور سکون ۔ تو اسکو انسان خود بلکہ دوسروں کی زندگی کو بھی ایک حد تک خوشگوار بنا سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں انسان کو اپنے سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنا چاہئے اور یہ سوچنا چاہئے کہ اپنی ذات سے کسی کی دل آزاری نہ ہو اور یہی انسان کی زندگی کا مقصد ہونا چاہئے ۔ اس سے ہر شخص مطمئن اور خوش رہ سکتا ہے ۔

یہ سنکر عروسہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا تعجب ہے کہ آپ ایسا کہہ رہے ہیں جبکہ آپنے خود اسکے خلاف کیا ۔ اور ایک زندگی کو آپنے بے کیف بنا دیا اور پھر ایسی باتیں کرنیسے کیا حاصل ۔؟

یہ سنکر سروش یکلخت خاموش ہو گیا اور عروسہ کو عجیب انداز سے دیکھنے لگا اسکے چہرے پر افسردگی چھا گئی ۔ عروسہ نے اپنی غلطی محسوس کی ۔
ایسی بات کہنے کو تو کہہ گئی لیکن پھر خود پشیمان ہو گئی اس نے سوچا مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی اس سے ضرور سروش کے دل کو صدمہ پہنچا ہے پھر جلدی سے بولی آپ مجھے معاف کر دیں میری زبان سے یہ بات بیساختہ نکل گئی تھی ۔

سروش نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ بے شک تم خود ہی حقیقت سے واقف نہیں ہو
اور ظاہر ہے میں تم سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتا۔
یہ کہکر وہ خاموش ہو گیا اور ایک منٹ سکوت کے بعد بولا۔
چلو اب واپس نیچے چلیں
اسکا چہرہ بہت اداس اور سنجیدہ ہو رہا تھا عروسہ نے رک کر اس پر نظر ڈالی
اسے بخوبی احساس تھا کہ اس نے سروش کے دل کو صدمہ پہنچایا ہے اس خیال سے
اسکا اپنا دل بھی لرز گیا۔ اسکے منہ سے نکلا "سروش صاحب"
سروش نے واپس مڑ کر کہا۔ جی فرمائیے۔
عروسہ نے اپنا سر جھکا کر ندامت سے کہا
مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپکی دل آزاری کی ہے۔
سروش نے آہستہ اور بجھے ہوئے انداز میں کہا۔
کوئی ہرج نہیں۔ سب ہی ایسا کہتے ہیں اگر آپ نے کہہ دیا تو کوئی نئی بات
نہیں کی۔
عروسہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔
کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے۔ معاف نہ کرینگے۔؟
سروش نے اسکو بے کسی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ آپ کیوں معمولی سی
بات کیلئے پریشان ہوتی ہیں لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپکے خیال میں
مجھ جیسا انسان بھی کسی حد تک خوددار ہو سکتا ہے؟
عروسہ نے آہستہ سے جواب دیا آپ ایسا کہکر مجھے مزید شرمندہ نہ کیجئے
میں پہلے ہی دن سے آپکی احسان مند اور معترف ہوں اسوقت معلوم نہیں یہ بات
کیسے منہ سے نکل گئی۔

سروش نے پوچھا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں میں سمجھا نہیں ؟
عروسہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اس نے جواب دیا۔
آپ شاید بھول گئے پہلی مرتبہ باغ میں آتے امی جان کی سبز پتیوں کی دوا لینے کی اجازت دیکر مجھ پر مہربانی کی تھی ۔ وہ بات میں کبھی نہیں بھول سکتی ۔
سروش نے لاپرواہی سے کہا
آپ تو یونہی بیکار سی بات پر مجھے شرمندہ کر رہی ہیں ۔ وہ کون سی ایسی قیمتی چیز ہے حیرت ہے باغ والا واقعہ آپکو ابتک یاد ہے ۔
عروسہ نے اسکو تعجب سے دیکھتے ہوئے کہا
میں اسقدر احسان فراموش نہیں جیسا آپ سمجھتے ہیں لیکن یہ بتائیے آپ نے مجھے معاف بھی کر دیا یا نہیں ؟ مجھے بہت ہی ندامت ہے اور افسوس ہے کہ ایسی بے تکی بات زبان سے نہیں نکالنی چاہیئے تھی ۔
یہ سنکر سروش کا چہرہ کھل گیا اور اس نے مسکرا کر عروسہ کو دیکھتے ہوئے کہا ۔ میں بھی ایسا سنگدل نہیں ہوں جیسا آپ سمجھتی ہیں ۔
عروسہ نے اسکی طرف دیکھا لیکن اسکی نظروں کی تاب نہ لاکر جلدی سے اپنی نگاہیں نیچی کر لیں ۔ شدت جذبات سے اسکا چہرہ گلابی ہو رہا تھا ۔
سروش اسکی طرف دیکھ کر بولا ۔ اچھا آؤ اب چلیں ۔ اور پھر پوچھا میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے ملنا جلنا جاری رکھو گی ؟
جی ہاں کیوں نہیں ۔ کیا آپ کو اسمیں کچھ اعتراض ہے ۔
سروش نے اسکو پھر چھیڑ دیا سوچ لو باوجود اس بات کے جو تم ابھی کہہ چکی ہو مجھے ملنے کے لائق سمجھتی ہو ؟
عروسہ نے اسے دیکھ کر بڑے بھروسے سے کہا ۔

آخر آپکو میری بات کا یقین کیوں نہیں آتا آپ کے پچھلے واقعات سے مجھے کیا واسطہ ؟

یہ سنکر سروش خوشی سے سرشار ہو کر بولا۔

نہیں مجھے تمہاری بات کا کامل یقین ہے اب میں مطمئن ہوں

دونوں نے خاموشی سے چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھا عروسہ کی آنکھیں آدھی کھلی آدھی بند تھیں۔ گویا وہ کسی عالم خواب میں ہو وہ اسوقت بیحد حسین معلوم ہو رہی تھی۔

آخر سروش نے چونک کر کہا۔ اچھا اب نیچے چلو۔

دونوں خاموش آہستہ آہستہ ٹہلتے ہوئے نیچے اتر آئے اندر سے روح افزا نکل آئی اور عروسہ کو غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

عروسہ تمہارے نام ایک تار آیا ہے میں ابھی تمکو اوپر سے بلانے ہی والی تھی۔

تار کا نام سنکر عروسہ ذرا گھبرائی اور جلدی سے اندر کمرے میں پہنچی میز پر تار کا لفافہ پڑا تھا۔ تار توفیق احمد کی طرف سے آیا تھا جسمیں انہوں نے لکھا تھا کہ کل عارفہ یورپ جا رہی ہے تم فوراً چلی آؤ۔ چند ضروری کاغذات پر دستخط بھی کرانے ہیں جو عارفہ کی موجودگی میں ہونے ضروری ہیں۔ عروسہ نے تار پڑھ کر روح افزا سے کہا۔

اب میں کیا کروں۔ پھوپھی جان سے کہدو کہ ابا جان کا یہ تار آیا ہے۔

اماں جان وہیں بیٹھی ہیں چلو وہیں چلیں۔

جلدی سے دونوں لڑکیاں باہر آئیں حسینہ بیگم سروش سے باتوں میں مصروف تھیں روح افزا نے کہا۔

اماں جان سنیئے تو سہی ۔ ماموں جان کا تار آیا ہے انہوں نے عروسہ کو فوراً بلایا ہے کل عارفہ آپا یورپ کے لئے روانہ ہو رہی ہیں اسکے علاوہ انہیں کچھ ضروری کام بھی ہے بتائیے اب کیا کریں ؟

یہ سنکر حسنیہ بیگم سٹپٹا سی گئیں اور بولیں ۔

کیا کہا ۔ اسوقت یہ کیسے جا سکتی ہیں ا در پھر جائیگی بھی کیونکر ؟

عروسہ بولی ۔ پھوپھی جان یہی تو سوال ہے کہ کیسے جاؤں ؟

روح افزا نے کہا ۔

بھائی صاحب تو آج ہی گئے ہیں پہلے سے معلوم ہوتا انہیں کے ساتھ چلی جاتیں اور اب دیر بھی کافی ہو گئی ہے ۔

عروسہ نے پوچھا ۔ خیر ٹیکسیز اور بسیں بھی تو چلتی ہی ہونگی میں اسمیں چلی جاؤنگی ۔ کیوں کہ میرا جانا بیحد ضروری ہے ۔

حسنیہ بیگم کسی سوچ میں بیٹھی تھیں بولیں بسیں اور ٹیکسیز تو سب دو تین بجے سے پہلے ہی چلی جاتی ہیں اور اب تین بجنے والے ہیں تم صبح سویرے چلی جانا ۔

عروسہ نے سمجھایا پھوپھی جان یہ کیسے ہو سکتا ہے میرا تو آج پہنچنا ضروری ہے کل جانا تو بیکار ہے ۔

اب سروش سے خاموش نہ رہا گیا وہ بولا ۔

آپ اسقدر پریشان کیوں ہو رہی ہیں میری گاڑی موجود ہے اور میں خود جانیوالا ہوں کل نہ سہی آج ہی چلا جاؤنگا ۔ آپ چلئے میرے ساتھ ۔

عروسہ نے جلدی سے حسنیہ بیگم کیطرف دیکھا انہوں نے اپنی ناک سکیڑ کر کہا ۔

" بھئی تم جانو ۔ اگر انکے ساتھ جانا چاہو تو چلی جاؤ میں منع نہیں کرتی ۔

عروسہ سروش کی طرف دیکھ کر بولی نہیں میری وجہ سے آپکو بیکار آج جانا پڑیگا میں کسی اور طرح چلی جاؤنگی۔

سروش نے کہا نہیں یہ بات نہیں ہے مجھے کبھی تو جانا لازمی ہے آج نہ سہی کل اور کل نہ سہی آج ہی چلا جاؤنگا۔ اگر آپ آدھے گھنٹے کے اندر اندر روانہ ہو جائیں تو یقیناً آٹھ نو بجے تک پہنچ جائیں گی۔

حسینہ بیگم نے کچھ سوچکر کہا بس تو بسم اللہ کرو اور جاؤ اگر تم وقت پر نہ پہنچو گی تو بھا بیگما غضب ناراض ہونگے میں نے اپنے وعدہ کیا تھا کہ جب وہ بلائیں گے اسی وقت تمہیں بھیجدونگی اب مجبوری ہے سروش میاں تمہیں تکلیف تو ہوگی مگر یہ کام بھی ضروری ہے۔

سروش نے ہنسکر کہا۔ جی تکلیف کیسی جبکہ مجھے جانا بھی ضروری ہے۔

حسینہ بیگم نے کہا میں تو روح افزا کو بھی ساتھ کر دیتی مگر میں تنہا رہ جاؤنگی بس مجبوری ہے۔

روح افزا خاموشی سے سب کی باتیں سن رہی تھی اور دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہی تھی کہ سروش نہ جائے۔

عروسہ نے سروش کو دیکھ کر پھر کہا۔

مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ میری وجہ سے آج ہی چلے جائیں۔

سروش نے ہنسکر جواب دیا۔ انہیں ہرج کیا ہے یہاں کام ہی کیا ہے ایک رات میں کیا فرق پڑجائیگا۔

یہ سنکر عروسہ اندر چلی گئی۔ اوپر جا کر اس نے کپڑے وغیرہ سوٹ کیس میں ڈالے بستر ہولڈال میں لپیٹ دیا اور پندرہ منٹ کے اندر اندر تیار ہوکر نیچے آگئی۔ کپڑوں پر اس نے ہلکا سا سفید کوٹ پہنا پرس ہاتھ میں اٹھا لیا۔

سروش بھی موٹر کے قریب آگیا ۔ سامان رکھا گیا عروسہ حسینہ بیگم کی طرف بڑھی ۔ انہوں نے محبت سے گلے لگا کر پیار کیا اور لمبی چوڑی دعاؤں کے ساتھ اسے کار میں بٹھایا ۔ سروش نے آگے بڑھ کر حسینہ بیگم اور روح افزا کو خدا حافظ کہا ۔ اور پھر دوبارہ آنے کا رسمی وعدہ کر کے موٹر میں بیٹھ گیا اور کار اسٹارٹ کر دی ۔ عروسہ نے ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا ۔ اور موٹر پھاٹک میں سے نکل کر سڑکوں پہ گھومتی ہوئی ادھر ادھر گم ہو گئی ۔

— x —

سروش خوش بخت کی لمبی کار پہاڑی چکردار سڑکوں پر آہستہ آہستہ گذر رہی تھی۔ عروسہ نے اپنی کلائی کی گھڑی دیکھی اب چار بجنے والے تھے لیکن آسمان پر بادل چھا گئے تھے اسلئے کچھ اندھیرا سا ہو رہا تھا اس نے نظریں نیچی کر کے سروش کو دیکھا جو بالکل خاموش سامنے دیکھ رہا تھا۔ عروسہ نے سوچا عارفہ جا رہی ہے معلوم نہیں کتنے عرصے کیلئے۔ کیا سروش پر اسکا کچھ اثر ہے اور پھر ساتھ ہی اسکو فرحت کا خیال آگیا فرحت بھی تو گیا ہے ممکن ہے دونوں کی ملی بھگت ہو لیکن معلوم تو ایسا نہیں ہوتا۔

اس دن عارفہ فرحت پر طعنوں کی بوچھار کر رہی تھی بیچارہ فرحت کس قدر مایوس واپس گیا تھا۔ رخصت کیوقت اسکی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ جذبات سے اسقدر مغلوب ہو گیا تھا کہ کوئی بات نہ کر سکا اور عارفہ سے تو بغیر ملے ہی چلا گیا تھا۔ عروسہ کا دل فرحت کیلئے جذبۂ ہمدردی سے لبریز ہو گیا اسکو عارفہ پر غصہ آنے لگا۔ کیا مزہ آتا ہے انہیں اس بیچارے فرحت کو تڑپا کر۔ یہ ماننے کیلئے میں ہرگز تیار نہیں کہ فرحت کے اس دلی لگاؤ کا عارفہ پہ کوئی اثر نہیں

وہ بڑی دیر تک عارفہ اور فرحت کے بارے میں سوچتی رہی جبقدر وہ سوچتی اسی قدر اسے عارفہ پر غصہ آتا تھا۔ آخر اس نے خود ہی اپنے خیالات کی زنجیر کو توڑا اور سروش کیطرف دیکھ کر بولی۔

مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے آپ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جس سے آپکا شکریہ ادا کر سکوں اگر وقت ہوتا تو آفتاب بھائی کا انتظار کرتیں لیکن اباجان کے فوری بلاوے نے مجبور کر دیا۔

سروش نے آہستہ سے جواب دیا۔

آفتاب تو آپکے عزیز ٹھہرے لیکن آپکی باتوں سے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ میرے ساتھ اسقدر کم وقت گذارنا بھی پسند نہیں کرتیں۔

عروسہ کا چہرہ ایک لمحہ کیلئے سرخ ہوگیا۔ اور جلدی سے بولی نہیں۔ نہیں۔ میرا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ مقصد تو یہ تھا کہ ابھی تو آپ ان لوگوں کے ہاں آرہی تھے پوری طرح بات بھی نہ کر پائے تھے۔ اور میری وجہ سے آج ہی آپکو واپس جانا پڑا۔ روح افزا آپا بہت اداس ہوگئی تھیں۔

سروش نے جوابدیا۔

جی نہیں۔ میں کوئی وہاں زیادہ دیر تو رہتا نہیں میں تو کل صبح کا آیا ہوا ہوں آج کام ختم ہونے پر آفتاب سے ملنے محض یوں ہی چلا آیا تھا مجھے قطعی معلوم نہیں تھا آپ بھی یہاں موجود ہونگی ورنہ کل شام کو ہی آتا۔

عروسہ بولی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے آپکو صرف مجھے پہنچانے کیلئے

بھیجا ہے۔

سروش نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں بعض اوقات اللہ عجیب کرشمے دکھاتا ہے جسکے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے پہلے میں نے سوچا تھا کیا فائدہ وہاں جانے سے؟ لیکن پھر آفتاب سے ملنے کے لئے چلا آیا۔ میرا خیال ہے کہ یہ اچانک واپسی تمہیں بہت ناگوار ہو رہی ہے۔

عروسہ نے جلدی سے کہا۔

نہیں واہ میں تو گھر جانے سے بہت خوش ہوں برا کیوں معلوم ہوتا؟

سروش بولا۔ اسلئے کہ سیر و تفریح میں تمہارا وقت اچھا گذر تا ہوگا روح افزا اور آفتاب ہر وقت تمہیں خوش رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

عروسہ نے دھیمی آواز سے کہا۔ مجھے تنہائی زیادہ پسند ہے میں ہمیشہ سے گوشہ نشیں ہوں اور مجھے ایسی تفریح پسند نہیں میں نے بچپن سے اسوقت تک زندگی تنہائی اور اندھیرے ماحول میں گذاری ہے۔ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ میری کوئی سہیلی بھی نہیں ہے جیسے عام طور سے لڑکیوں کے ہوا کرتی ہیں میں تو صرف امی جان کو ہی سب کچھ سمجھتی تھی۔

وہ اپنی رو میں کہتی چلی جا رہی تھی بہت دن بعد اسے کھلکر بات کرنیکا موقع ملا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ رک گئی اسکو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ جب اس کو اپنی ماں کی یاد آتی تھی تو اس کی یہی حالت ہو جاتی تھی بے بسی اور لاچاری میں اسکو ایسا محسوس ہوتا جیسے

وہ ایک اندھیری کوٹھری میں بند ہو اسکا دم گھٹنے لگتا اور اس تاریکی سے نکلنے کے لئے وہ بہت ہاتھ پیر مارتی تھی۔ لیکن کہیں بھی راستہ نہ ملتا تھا۔

وہ سامنے خلاء میں گھور رہی تھی اسکا چہرہ افسردہ تھا اور آنکھیں رنج وغم میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ انجم جہاں کی موت کا سبب یہی لوگ تو ہیں جواب اس سے اس قدر ہمدردی سے پیش آرہے ہیں۔ وہ سخت مجبور تھی اور ان سب سے کسی قسم کی نفرت کا اظہار نہیں کرسکتی تھی۔ کسی سے انکا بدلہ نہیں لے سکتی تھی اور اسی خیال سے گھٹ کر رہ جاتی تھی۔

بڑی دیر تک وہ خاموش بیٹھی رہی سروش بھی چپ تھا آخر اس نے ہمدردی سے کہا۔

عروسہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا میں تمہارے ساتھ کے گذرے ہوئے واقعات سے بخوبی واقف ہوں۔ واقعی بہت ظلم اور زیادتی کی گئی لیکن اب تم ہر وقت پچھلی باتیں نہ سوچا کرو بعض اوقات انسان ایسے حالات سے دوچار ہو جاتا ہے کہ سوائے صبر کے اور کچھ نہیں کرسکتا مجھے تمہاری حالت کا بخوبی اندازہ ہے لیکن گذری ہوئی باتیں سوچکر سوائے رنج وافسوس کے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

عروسہ نے گلا صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

ہاں اسی وجہ سے میں کبھی کسی کے سامنے اپنی حالت ظاہر نہیں کرتی میں جانتی ہوں کہ میرے درد کو کوئی دوسرا محسوس نہیں کرسکتا بعض وقت مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ غم کی لہریں طوفان بنکر میرے دل و دماغ پر

چھا گئی ہیں۔ اور میں بڑی مشکل سے آنسو چھلکنے سے روک پاتی ہوں۔

پھر وہ جلدی سے بات کا موضوع بدلتی ہوئی۔

اب ہم کتنے میل آ گئے ہیں؟

سروش نے جواب دیا۔ پتہ نہیں میں نے بھی غور نہیں کیا کوئی میل کا پتھر آئیگا تو معلوم ہوگا۔

یہ کہکر اس نے عروسہ کی طرف دیکھا جو صبر و ضبط کی مورت معلوم ہو رہی تھی۔ آنکھیں بے حد مغموم نظر آ رہی تھیں اس کو دیکھ کر سروش کا دل بے چین ہو گیا لیکن وہ کچھ بول نہ سکا۔ اور عروسہ بھی کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے خیالات معلوم نہیں اسے کہاں کہاں لئے جا رہے تھے۔ کبھی وہ عارفہ کے متعلق سوچتی کہ وہ عنقریب اب یورپ کی سیر کرے گی۔ دنیا دیکھنے کی ہر طرح کی سیر و تفریح میں اپنا وقت گذارے گی عارفہ ہی پر کیا منحصر ہے دنیا کا یہی قاعدہ ہے خود کو خوش رکھنا ہر شخص ہی چاہتا ہے اور میری تو زندگی ہی بیکار ہے جس کا کوئی مقصد ہی نہیں ہے بچپن ہی سے میں ایک کنوئیں کی مینڈکی ہو کر رہ گئی ہوں۔ یکایک اس نے سروش سے پوچھا۔

کیا آپ نے بھی سارا یوروپ دیکھا ہے؟

سروش نے جواب دیا۔ ہاں میں چار سال سے زیادہ انگلینڈ میں رہا ہوں، اور ہر سال چھٹیوں میں یورپ کی سیر کرتا تھا۔

عروسہ بولی۔ اب عارفہ آپا بھی تمام ممالک کی سیر کرینگی۔

سروش نے اسکو رائے دی۔

میرا خیال ہے تم بھی چلی جاؤ۔ تم کو بھی دنیا دیکھنی چاہیئے۔

عروسہ نے جواب دیا۔ میں ابا جان سے ایسی بڑی فرمائش نہیں کر سکتی۔ عارشہ آپا کی برابری ہی کب کر سکتی ہوں۔

سروش نے اسکی طرف ہمدردی سے دیکھا لیکن خاموش رہا۔ کار مختلف سڑکوں سے گذر رہی تھی۔ ایک طرف اونچے سر سبز پہاڑ تھے دوسری جانب اگے رنگ کے کھنڈر تھے۔ ندیاں، نالے بہہ رہے تھے کبھی کبھی اکا دکا کار یا لاری وغیرہ آتی جاتی گذر جاتی۔

سروش نے عروسہ کی طرف دیکھ کر پوچھا تمہیں معلوم ہے کتنی دور نکل آئی ہو۔

عروسہ نے ایک جھرجھری لیکر لمبا سانس کھینچا اور بولی

اب تو بالکل ہی اندھیرا ہو گیا ہے سنا ہے رات کو وقت ایسے سنسان جنگلوں میں بھوت اور بلائیں ہوتی ہیں۔

سروش مسکرا کر بولا۔ ہو نے دو وہ ہمارا کیا لگاڑ لیں گی۔؟

عروسہ نے پوچھا۔ کیا آپ ایسی چیزوں سے نہیں ڈرتے ؟

سروش نے جواب دیا۔

میں نے ابھی تک اس قسم کی کوئی چیز دیکھی ہی نہیں اگر دیکھ لوں تو ممکن ہے ڈر جاؤں۔ کچھ کہہ نہیں سکتا۔

عروسہ بولی۔ دیکھا تو میں نے بھی کچھ نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان باتوں میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے کیونکہ پرانے زمانے سے یہ باتیں چلی آرہی ہیں اور پرانی باتیں عام طور پر سچی ہوتی ہیں۔

سروش نے ہنس کر کہا تو اسکا مطلب ہے کہ تم واقعی ڈر رہی ہو۔

عروسہ بولی نہیں۔ اس وقت تک تو نہیں ڈر سکتی ہاں رات کے

وقت ایسی جگہ رہوں تو بیشک ڈروں۔

سروش نے جواب دیا۔ اب رات بھی آئی جاتی ہے چھ بج چکے ہیں اور ہم لوگ نو بجے سے پہلے گھر نہیں پہنچ سکتے۔ اسلئے تمام راستے ڈرو گی۔

عروسہ نے بے اختیار کہا۔ نہیں اگر آپ ساتھ ہوں تو میں کسی بھی وقت کہیں بھی نہیں ڈر سکتی۔ رات چاہے کتنی ہی آجائے اور بھوت بلائیں کتنی بھی ہوں مجھے ڈر نہیں لگے گا۔

سروش نے یکایک گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھا

اچھا میرے ساتھ؟

اسکے یہ کہتے ہی موٹر کو ایک جھٹکا لگا لیکن سروش نے جلد ہی کار کو قابو میں کر لیا۔ عروسہ بولی۔

معلوم ہوتا ہے سڑک خراب ہے۔

سروش نے سنجیدگی سے کہا

نہیں سڑک کا قصور نہیں ہے تمہارا اپنا تھا۔

عروسہ نے تعجب سے پوچھا۔ کیوں میرا قصور کیوں۔ میں نے کیا کیا؟

سروش نے جواب دیا۔ اگر تم چاہتی ہو خیریت سے گھر پہنچ جاؤں تو میرے بارے میں تعریفی کلمات زبان سے نہ نکالو میں بہک جاتا ہوں۔

عروسہ نے اسکو غور سے دیکھا اور ہلکا سا رنگ اسکے چہرے پر پھیل گیا اس نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا اور پہلو کے شیشے سے باہر دیکھنے لگی کچھ دیر تک یہی عالم رہا گاڑی چلتی رہی عروسہ بڑھتی ہوئی تاریکی کو دیکھ رہی تھی بادل خوب گہرے ہو گئے تھے اب ہلکی ہلکی بارش بھی ہونے لگی پھر سروش نے خاموشی توڑی۔

اب بارش ہمارے راستے میں آگئی ہے اگر بڑھ گئی تو رفتار کم کرنی پڑیگی اور میں چاہتا ہوں کہ تم جلد از جلد گھر پہنچ جاؤ۔

عروسہ نے کہا

ابا جان مجھے آپ کے ساتھ دیکھیں گے تو بڑا تعجب کرینگے۔

سروش نے جواب دیا۔

ہاں تمہارے ابا جان کو بڑا تعجب ہو گا عرصے سے میں انکے نیاز حاصل نہیں کر سکا ہوں ممکن ہے مجھے بھول بھی گئے ہوں۔

اب بارش تیز ہونے لگی۔ سروش بولا۔

اب تو بالکل اندھیرا ہو گیا۔ بڑی مشکل ہو جائے گی۔ راستے کا پتہ نہیں چلے گا۔

یہ کہکر اس نے کار کو بڑی ہوشیاری سے موڑ کر ایک ڈھلان سے اتارا۔ راستہ پر خطرہ ہوتا جارہا تھا بارش کیوجہ سے سامنے دو گز کا فاصلہ بھی نظر نہیں آتا تھا۔ سروش بڑی احتیاط سے کار کو ڈھلان سے اتار رہا تھا۔ رفتار بہت کم تھی۔

عروسہ بھی محسوس کر رہی تھی کہ راستہ بہت پیچیدہ ہو رہا ہے اور بارش بہت تیز ہو رہی ہے اس نے سروش سے کہا۔

اگر ممکن ہو تو کہیں تھوڑی دیر ٹھہر جایئے میری وجہ سے جلدی نہ کیجئے شاید کچھ دیر بعد بارش رک جائے۔

سروش نے جواب دیا نہیں ڈر کی کوئی بات نہیں ہے تم نے یہ بھی غور کیا کہ بارش ہمارے درمیان میں ہمیشہ آجاتی ہے یاد ہے اس روز کی بارش جب ہم بھیڑ میں بھاگے تھے تم کسقدر گھبرا گئی تھیں۔

عروسہ نے ٹالتے ہوئے کہا۔ ہاں سب یاد ہے دیکھئے سامنے بجلی خوب چمک رہی ہے مجھے بجلی سے ڈر لگتا ہے۔

سروش بولا۔ مجھے معلوم ہے تم بہت سی چیزوں سے ڈرتی ہو۔

واہ میں بہت سی چیزوں سے کب ڈرتی ہوں۔

ٹھہریئے میں بتاتا ہوں۔ سروش نے کہا سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ تم انسان ہی سے ڈرتی ہو۔ زندگی سے ڈرتی ہو۔ تم ہر چیز کو قریب سے دیکھنے کی عادی ہو گئی ہو اسوجہ سے تمکو ہر چیز بھدی اور کھردری نظر آتی ہے تم انسان کو بہت برے نقطۂ نگاہ سے دیکھتی ہو انکی خوبیوں کو نظرانداز کر کے تمہاری نگاہ انکی خامیوں پر جاتی ہے اسوجہ سے تم ڈرتی ہو بتاؤ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔

عروسہ خاموشی سے اسکی باتیں سن رہی تھی لیکن کچھ جواب دے سکی۔

بارش خوب زور و شور سے ہو رہی تھی۔

کچھ دیر بعد عروسہ بولی۔ اس دن آپکی بہن سیما سے ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے بہت اچھی معلوم ہوتی ہے۔

سروش نے جواب دیا۔

ہاں وہ بھی اسدن سے تمہاری بڑی گرویدہ ہو گئی ہے ہر روز تمہارا ذکر اسکا معمول بن گیا ہے روز مجھ سے تقاضہ ہوتا ہے کہ تمہیں بلاؤں۔

عروسہ نے مسکرا کر کہا پھر آپ کسی دن انکو ہمارے ہاں لے آئیے میں تو زیادہ تر تنہا رہتی ہوں کیا سیما آپکے ہی پاس رہتی ہے؟

سروش نے جواب دیا۔

ہاں وہ اور کہاں جائے گی۔ جب سے اماں کا انتقال ہوا ہے وہ تنہا ہی

گھر پر رہتی ہے آپ خود کسی روز اسکے پاس ہو آئیں تو کیا ہرج ہے؟
عروسہ نے جواب دیا۔ نہیں کوئی ہرج نہیں لیکن آپکی والدہ کے انتقال کو کتنا عرصہ ہوا؟
سروش نے کہا۔ پانچ سال ہو گئے ہیں۔ میں اسوقت انگلینڈ میں تھا۔ اماں کے مرنے کے بعد سیما بالکل تنہا رہ گئی تھی لیکن میرے دوست کی والدہ اسکے ساتھ رہنے لگی تھیں۔ اسدن تم نے سینما میں خورشید اور اسکی بیوی کو تو دیکھا تھا نا؟
ہاں دیکھا تھا۔
سروش بولا۔ خورشید کی والدہ نے اسکو تنہا نہیں چھوڑا۔ اسکے علاوہ ہمارے نوکر کی بیوی بھی اسکے ساتھ رہتی تھی۔ دو سال بعد میں بھی واپس آ گیا۔
عروسہ نے بڑی ہمدردی سے کہا۔
بیچاری سیما پر اسقدر کم عمری اور تنہائی میں ایسا بڑا صدمہ پڑا میں سمجھتی تھی وہ رنج والم سے ناآشنا ہے سچ تو یہ ہے ہر شخص کی زندگی میں کوئی نہ کوئی درد ضرور شامل ہوتا ہے۔
عروسہ یہ تو قانون قدرت ہے اسکو کون بدل سکتا ہے لیکن تم براہ مہربانی ہر وقت ایسی باتیں نہ سوچا کرو۔ اگر اب تم نے کوئی ایسی بات کی تو لڑائی ہو جائے گی۔
عروسہ مسکرا کر بولی۔
آپ تو لڑنے پر آمادہ ہیں جبکہ میرا خیال تھا ہماری صلح ہو گئی۔
سروش نے اسکی طرف دیکھ کر مسکرا کر کہا
ہاں خدا کرے یہ صلح ہمیشہ قائم رہے یاد رکھنا اپنی یہ بات۔

یہ سنکر عروسہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سروش نے اپنی طرف کے دروازے کا شیشہ نیچے اتارا۔ دیکھنے کیلئے کہ موٹر ٹھیک راستے پر جا رہی ہے یا نہیں ہوا کا ایک تیز جھونکا بارش کیا تھا اندر آ گیا۔ سروش نے جلدی سے شیشہ پھر چڑھا دیا اور رومال سے اپنا چہرہ پونچھا عروسہ بھی ہنسکر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی۔ اور بولی۔

ایسی بارش میں کبھی میں نے کار کا سفر نہیں کیا تھا اور وہ بھی پہاڑی راستے پر۔

سروش نے جواب دیا۔

میرے ساتھ تو ایسا واقعہ پہلے بھی پیش آ چکا ہے۔ ایک مرتبہ ہم لوگ پکنک سے واپس آ رہے تھے۔۔۔۔۔۔ میرے ساتھ۔۔۔۔۔۔

اسقدر کہکر وہ رک گیا کسی کا نام نہ لے سکا۔ لیکن پھر خود ہی آگے اپنا فقرہ پورا کر دیا۔

میرے ساتھ عارفہ جہاندار تھی۔ ہماری کار پنکچر ہو جانے کی وجہ سے سب سے پیچھے رہ گئی تھی۔ بارش نے آ لیا۔ اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا اور رات ہو گئی تھی کہ موسلا دھار پانی برسنے لگا۔ راستہ کا پتہ لگانا دشوار تھا لیکن میں ... برابر چلتا رہا۔

عروسہ خاموش بیٹھی اسکی باتیں سن رہی تھی۔ وہ سوچنے لگی ... نہ ایک ماں کیا تھی مصیبتیں اور سختیاں جھیل رہی تھی کہ وہ جانتی ہی نہ تھی ... تفریح کیا ہوتی ہے اطمینان اور خوشی کس کو کہتے ہیں اسوقت عارفہ ... عیش و عشرت سے مالا مال ہو رہی تھی وہ بڑی دیر تک چپ بیٹھی عارفہ اور سروش کے بارے میں سوچتی رہی اسکے دل میں خود بخود جلن اور [?] ... کے ...

جذبات ابل رہے تھے۔ اسکی پیشانی پر بل پڑے ہوئے تھے۔

آخر سرکش نے اسکے سکوت کو توڑا۔

عارفہ کے جانے کے بعد کیا تم پھر واپس آؤگی۔

عروسہ نے چونک کر کہا۔

میرا خیال ہے اب واپس نہ آؤں اگر ابا جان نے زبردستی بھیجا تو مجبوری ہے۔

سرکش نے پوچھا۔

پھر ان سب باتوں کی اطلاع تم مجھے کروگی۔

عروسہ نے ٹالتے ہوئے کہا۔

مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم آپ کہاں رہتے ہیں؟

سرکش نے کہا۔

اگر میں یہ بتا دوں کہ میں کہاں مل سکتا ہوں تو تم مجھے مطلع کردوگی۔ تم مجھے بہت آسانی سے ٹیلیفون کر سکتی ہو۔

اگر آپ وہاں موجود نہ ہوئے تو پھر کیا ہوگا۔؟

جو ٹیلیفون ریسیو کریگا وہ مجھے تمہارا پیغام ضرور پہنچا دے گا۔

عروسہ نے دھیمی آواز میں کہا

کیا ملیگا یہ سب باتیں معلوم کرکے۔؟

سرکش اسکی طرف دیکھ کر بولا۔

کیوں، حرج ہی کیا ہے اگر معلوم ہو جائے تو۔

عروسہ خاموش ہوگئی۔ اور آنکھیں بند کرکے سر سیٹ سے ٹکا دیا۔

اندھیری رات میں سوائے سنسان جنگل کی سائیں سائیں کے اور

کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ سرونش نے گھڑی میں دیکھ کر کہا۔
اب سات بجے ہیں ہم یقیناً نو بجے تک گھر پہنچ جائیں گے عروسہ مجھے افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے میں تمہیں جلد نہ پہنچا سکا۔
عروسہ نے آنکھیں کھولکر جلدی سے کہا۔ آپ کا کیا قصور ہے بارش ہی اسقدر تیز تھی۔ اب کچھ کم ہو گئی ہے۔
اور پھر وہ سوچنے لگی یہی الفاظ انہوں نے عارفہ سے بھی کہے ہونگے اور اسی جگہ عارفہ بیٹھی ہو گی جہاں وہ خود بیٹھی ہے۔
وہ خود بخود پھر اداس ہو گئی۔ اور بغیر دوسرے خیال کے اس نے پوچھا اس کار کو لئے ہوئے آپکو کتنا عرصہ گذرا ہے۔؟
سرونش نے لاپرواہی سے جواب دیا۔
ٹھیک تو یاد نہیں ہے شاید ڈھائی تین سال ہو گئے ہیں لیکن تم نے کیوں پوچھا۔
عروسہ نے کہا۔
کچھ نہیں میں نے یونہی پوچھ لیا تھا بڑی اچھی کار ہے۔
سرونش نے اسکی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
نہیں مجھے معلوم ہے تم نے کیوں پوچھا ہے۔ اگر کہو تو بتاؤں ؟
عروسہ بولی۔
میں نے یونہی پوچھ لیا تھا کوئی خاص وجہ تو نہیں یہ اور بات ہے آپ مطلب اپنے دل میں اخذ کر لیں۔
سرونش نے مسکرا کر کہا
نہیں میں کبھی غلط رائے قائم نہیں کرتا۔ تم اسوقت یقینی طور سے یہ

سوچ رہی ہو۔ کہ میری کار میں کون کون بیٹھ چکا ہے لیکن تم مجھ پر الزام لگانے میں جلدی کر رہی ہو۔

عروسہ نے جلکر جواب دیا۔

جی نہیں۔ میں آپکو کسی قسم کا الزام نہیں لگا رہی ہوں۔ مجھے کیا غرض آپکی کار میں چاہے کوئی بیٹھے یا آپ کچھ بھی کریں میں اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہوں۔

سروش مسکرا کر بولا۔

بہت اچھا بارش اب رک گئی ہے اب جلدی سے تمہارا پیچھا مجھ سے چھوٹ جائیگا۔ تم ناراض نہ ہو اب نہیں بولونگا۔

عروسہ نے کوئی جواب نہیں دیا وہ خاموش بیٹھی رہی اور خیالات میں الجھتی رہی۔ آخر کچھ فاصلے پر روشنی نظر آئی سروش نے ایک کنارے گاڑی روک لی اور بڑبڑایا۔

ذرا معلوم کرنا چاہئے ہم کس جگہ پہنچ گئے ہیں۔

یہ کہکر وہ کار سے اترا اور چلنے ہی والا تھا لیکن عروسہ سے ضبط نہ ہو سکا وہ جلدی سے بولی۔

آپ کہیں نہ جائیں مجھے ڈر لگتا ہے میں تنہا نہیں بیٹھ سکتی۔

سروش نے گھوم کر اسکی طرف آکر دروازہ کھولا اور بولا۔

اچھا تم بھی ساتھ چلو ذرا معلوم ہونا چاہئے ہم کس مقام پر ہیں۔

عروسہ نے منہ بنا کر جواب دیا

صرف ڈرتا ہی کیا ہے معلوم کرنے کی۔ میں ہرگز کار سے اس اندھیری رات میں نہ نکلونگی۔

سروش بولا اچھی بات ہے تم پریشان نہ ہو میں کہیں نہیں جا تا. تھکی ہوئی سے معلوم ہوتی ہو اگر طبیعت چاہے تو کچھ دیر پچھلی سیٹ پر آرام کر لو۔

عروسہ نے کہا۔

نہیں نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔

سروش نے کہا

اچھی بات ہے جیسی مرضی ہو کرو۔

یہ کہکر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا اور ماچس پھینکتے ہوئے کہا. عروسہ اگر تمھیں میری کوئی بات ناگوار گذری ہو تو خدا کے واسطے معاف کر دینا ممکن ہے یہ آخری ملاقات ہو۔

عروسہ نے جلدی سے پوچھا۔

کیوں کیا آپ کہیں جا رہے ہیں۔؟

سروش نے اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے کہا. نہیں میں تو کہیں نہیں جا رہا ہوں لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس بات کا انسان کو ڈر رہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔

اور پھر کار چل پڑی۔

بڑی دیر تک عروسہ اپنے خیالات کے ہجوم میں گھری رہی۔ عارفہ اور سروش کے متعلق سوچتے سوچتے اسکا دماغ بیکار ہو چلا تھا ادھر سروش قطعی خاموش تھا وہ کسی فکر میں ڈوبا ہوا گاڑی چلا رہا تھا بارش بالکل تھم گئی تھی لیکن بہت اندھیرا تھا سڑک پر چھوٹے موٹے گڑھوں میں پانی بھرا ہوا تھا. سروش بڑی گہری سوچ میں تھا۔

عروسہ نے جمائی لیتے ہوئے یکا یک کہا۔

مسٹر خوش بخت حقیقت میں اسوقت میں آپکی بیحد مشکور ہوں میرے پاس الفاظ نہیں جو آپکا شکریہ ادا کرسکوں۔

سروش نے طنزیہ مسکراہٹ کیساتھ کہا

اس طوفانی بارش میں سخت تکلیف اٹھانیکا گویا آپ میرا شکریہ ادا کر رہی ہیں۔

عروسہ نے جواب دیا۔

آپ میرا مذاق تو نہ اڑائیں میں واقعی آپکی مشکور ہوں۔

سروش نے خشک منہ بنا کر کہا

میں مذاق اڑا سکتا ہوں بھلا تمہارا؟ اگر مرد کے دل کو خدا نے قوی نہ بنایا ہوتا تو اسوقت میں روتا ہوا ہوتا۔

عروسہ بولی۔ جی ہاں میں سب سمجھتی ہوں آپ اب بھی میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔

سروش سنجیدگی سے بولا۔

نہیں بخدا بالکل ایسا نہیں ہے میں تو اپنا ہی مذاق اڑا رہا ہوں اپنے ہی اوپر ہنس رہا ہوں۔ شاید تمکو معلوم نہیں کہ بعض وقت حالات کچھ اس قسم کے ہو جاتے ہیں کہ انسان خود اپنی حالت پر ہنسنے کیلئے مجبور ہو جاتا ہے وہی حال اب میرا ہو رہا ہے

عروسہ نے تعجب سے اسکو دیکھ کر پوچھا۔

ان باتوں سے آپکا کیا مطلب ہے میں بالکل نہیں سمجھی۔

سروش اسکی طرف دیکھکر بولا۔

اگر تم نہیں سمجھیں۔ تو مطلب بھی بتاتا ہوں کہدوں تم سے صاف صاف

ٹھیک ہے نا؟

عروسہ اسکو دیکھنے لگی لیکن بولی کچھ نہیں۔

سروش نے کہنا شروع کیا۔

ہاں میں تم سے ضرور کہوں گا۔ معلوم نہیں کیوں میں سمجھ رہا ہوں کہ آج کے بعد تم سے پھر ملاقات نہ ہو سکے گی ممکن ہے یہ میرا وہم ہی ہو لیکن اس صورت میں تم سے یہ ضرور کہونگا کہ تم جلدی میں میرے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کرلینا تم یقین ماننا میں نے آجتک یہ بات کسی سے نہیں کہی جو اب تم سے کہوں گا۔ اسکے بعد جس طرح چاہے فیصلہ کر دینا مجھے قطعی پرواہ نہیں۔ لیکن میں اپنے دل کا بوجھ ضرور ہلکا کرونگا۔

یہ کہکر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اسکی نگاہیں سامنے سڑک پر جمی ہوئی تھیں اور عروسہ اسکو بڑی حیرت سے دیکھ رہی تھی کچھ دیر بعد سروش نے کہنا شروع کیا۔

اچھا سنو۔ حقیقت یہ ہے ..... بلکہ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ .... میں بہت دنوں سے محسوس کر رہا ہوں .....!

جس دن پہلی بار میں نے تمہیں دیکھا تھا میری حالت اور خیالات میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔ میری حالت عجیب ہو گئی ہے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ پہلی بار باغ میں جب میرا تمہارا آمنا سامنا ہوا اسوقت سے میں نے اپنے ہوش حواس کھو دیئے ہیں اس دن سے مجھے ایک پل کو چین نہیں ہے تمہیں پتہ نہیں میں نے اپنا کتنا وقت تمہاری تلاش میں گذارا میں تقریباً مایوس ہو چکا تھا کہ یکا یک اتفاقیہ طور پر آفتاب کے ہاں دیکھ کر میں بتا نہیں سکتا کہ میری حالت کیا ہو گئی تھی۔ تمہاری ایک

جھانکہ۔ کھڑکی میں دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوا تھا کہ جیسے میں نے اپنی زندگی
کے ہر سوال کا جواب تمہاری ایک جھلک میں پا لیا ہو۔ تم یقین کرو عروسہ سینکڑوں
بلکہ ہزاروں لڑکیاں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔ اور برابر گذرتی ہیں لیکن کوئی بات
کبھی میں اس دوران محسوس نہیں کرتا لیکن تمہیں دیکھ کر میں خود کو بھول جاتا ہوں میں
خوب اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں میری قطعی پرواہ نہیں ہے اگر ہو بھی تو تم
کبھی ظاہر نہ ہونے دو گی۔ بلکہ خواہ مخواہ کی ایک آہنی دیوار بنا کر اپنے اور میرے
درمیان کھڑی کر دو گی۔ بہر حال میں نے حقیقت تمہارے سامنے بیان کر دی
ہے اب تمہیں اختیار ہے کہ اسے یاد رکھو یا محض بکواس سمجھ کر بھول جاؤ۔
اتنا کہہ کر سروش خاموش ہو گیا اور ایک سگریٹ نکال کر سلگایا۔
عروسہ قطعی خاموش تھی اسکا سر سیٹ سے ٹکا ہوا تھا۔ اسکو صرف
اپنے جسم کی ایک ایک رگ اور ایک ایک ریشہ دھڑکتا ہوا معلوم ہو رہا
تھا اسے لگ رہا تھا جیسے کسی نے زمین سے اٹھا کر بلندی پر پہنچا دیا ہو جیسے
وہ سب کچھ بھول گئی ہو ہر فکر ہر خیال سے تھوڑی دیر کیلئے آزاد ہو گئی ہو۔
اسے دنیا مافیہا کی خبر نہ تھی سروش کی کہی ہوئی باتیں اس کے کانوں میں
گونج رہی تھیں جیسے وہ انہیں تمام زندگی نہ بھول سکے گی۔ وہ عالم خواب میں
بالکل بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔ کار چکنی سڑک پر پھسل رہی تھی دو گھنٹے اسی
عالم میں گذر گئے۔ سروش کبھی کبھی گردن موڑ کر اسکی طرف دیکھ لیتا۔ خاموش
فضا میں کار کے انجن کی آواز گونج رہی تھی۔
کچھ دیر بعد شہر کے آثار شروع ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ دور سے
روشنیاں نظر آنے لگیں۔
شہر کے باہر ایک سنسان سڑک پر سروش نے کار روک لی اور انجن

بند کر کے اسٹیرنگ پر ہاتھ رکھکر بیٹھ گیا اور چند لمحہ بعد اس نے کہا۔
عروسہ مجھے معلوم ہے میں تمہاری نظر میں اسوقت گنہگار ہوں۔ مجرم ہوں لیکن اس معاملہ میں، میں قطعی مجبور رہوں۔ میری تمام تر کوششوں کے باوجود میری حالت روز بروز بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ اسلئے میں نے آج تم سے کہہ ہی دیا اگر میں تم سے نہ کہتا تو بڑا بوجھ محسوس کرتا اب میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر میری یہ باتیں تمہیں ناگوار گذری ہوں تو مہربانی کر کے مجھے معاف کر دینا۔

عروسہ اب بھی بالکل خاموش تھی وہ کچھ بھی نہ بول سکی۔

سروش نے عاجزی سے کہا

بولو تم مجھے معاف نہ کرو گی؟ میں خود ہی شرمندہ اور پشیمان ہوں۔

عروسہ نے نگاہ اٹھا کر اس کیطرف دیکھا اور بولنے کیلئے منہ کھولنا چاہا لیکن بول نہ سکی۔

سروش نے پھر کہا۔

جبتک تم مجھے معاف نہ کرو گی مجھے سکون نصیب نہ ہو گا۔

کچھ دیر تک خاموش دونوں ایکدوسرے کو دیکھتے رہے سروش پر بھی اثر تھا اسکا چہرہ اسوقت اسکے دل کا آئینہ تھا۔ اسکے دلی جذبات عروسہ پر اثر کئے بغیر نہ رہ سکے۔ آخر عروسہ نے کپکپاتے ہونٹوں سے بمشکل تمام دھیمی سی آواز میں کہا۔

آپ ایسی باتیں نہ کریں مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔ دو ایک دن کے بعد آپکو ٹیلیفون کرونگی۔

سروش کے چہرے پر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور اس نے خوش ہو کر

کہا۔ اچھا جب تم مجھے ٹیلیفون کروگی تو میں تم کو اسی پر ملوں گا۔ بلکہ روز ہی انتظار کروں گا۔

اس نے پھر ٹھہر کر کہا۔

عروسہ تم نے مجھے معاف بھی کر دیا یا نہیں؟

عروسہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

میں ایسی سنگدل نہیں ہوں جیسا آپ سمجھتے ہیں۔

سروش نے مسکرا کر کہا۔

میں تو اب سمجھونگا کہ ہماری ہمیشہ قائم رہنے والی صلح ہوگئی ہے ٹھیک ہے نا؟

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اور خاموش نگاہوں سے ایک دوسرے کا مطلب بخوبی سمجھ لیا۔ سروش کا چہرہ چمک اٹھا آنکھیں روشن ہو گئیں۔ دل خوشی کے نغمے گنگنانے لگا۔ اس نے کار کا انجن پھر اسٹارٹ کر دیا

—— × ——

صبح بہت سویرے عروسہ کی آنکھ کھل گئی وہ جلدی سے بستر سے اٹھی ہاتھ منہ دھو کر باہر نکلی ناشتہ تیار تھا وہ کھانے کے کمرے میں آئی تو توفیق احمد میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ چائے کی پیالی انکے سامنے رکھی تھی۔ نعیمہ بیگم اپنی کرسی پر اکڑوں بیٹھی انڈا اور پراٹھا کھانے میں مصروف تھیں۔

توفیق احمد نے عروسہ سے کہا آؤ عروسہ ناشتہ کرو۔

عروسہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ رات اسقدر غفلت کی نیند آئی تھی کہ مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔ صبح ہی کو آنکھ کھلی۔

نعیمہ بیگم نے انڈا چمچہ سے منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ ہاں بیٹی بچپنے کی نیند ایسی ہی ہوتی ہے اے لو پراٹھا اور آملیٹ تو کھاؤ۔

عروسہ نے کہا۔ نہیں میں توسٹ کھا رہی ہوں۔

نعیمہ بیگم بولیں۔ اے توسٹ بھی کوئی غذائیت رکھتا ہے ابھی کھایا اور ہضم۔ فوراً بھوک لگنے لگتی ہے پراٹھا کچھ دیر تو پیٹ میں رہتا ہے لیکن تم لوگ کھاتے ہی نہیں ہو۔

توفیق احمد بولے۔ بہن آپا اسوقت تو ہلکی غذا کھانی چاہیئے۔ دودھ، پارج انڈا وغیرہ۔

اے واہ ہم سب ہی کھاتے ہیں۔ یہ تمہارے ہاں دستور ہے اب اس وقت آم ہوتے، خوبانیاں آڑو ہوتے، عروسہ تو ایسی جلدی میں آئی کہ کچھ لیکر ہی نہ آسکی ہیں تو اسی انتظار میں تھی کہ خوبانیاں تو ضرور ہی لائے گی۔

توفیق احمد نے کہا۔ میرا تار پہنچتے ہی جیسے بیٹھی تھی فوراً چلی آئی ایسی صورت میں کسطرح کوئی چیز لاسکتی تھی۔ وہ تو غنیمت تھا کہ اس وقت سروش خوش بخت وہاں موجود تھا اس بیچارے کو بھاگ دوڑ کی وجہ سے کافی تکلیف ہوئی۔ وہ لڑکا بھی مجھے بہت پسند ہے بیحد سادہ شریف اور مہذب ہے کسی قسم کی برائی اسمیں نہیں ہے۔

نعیمہ بیگم بات کاٹ کر بولیں۔

دیکھو اب کچھ عرصہ بعد حسینہ بیگم خود ہی آئیں گی تو لائینگی سب چیزیں۔

عروسہ ہلکر بولی۔

پھوپھی اماں آپ خود ہی کیوں نہیں ہر سال پہاڑ پر چلی جاتیں؟

نعیمہ بیگم نے آنکھیں نکالکر کہا۔

اے تو کیا میں صرف اپنے دم کے لئے سب چیزیں منگواتی ہوں ماشاءاللہ تم سب ہو تمہارے ابا ہیں اس کے علاوہ اگر میں چلی جاؤں تو سارا کام چوپٹ ہو جائے بیٹی یہ میرا ہی دم ہے جو ان کمبخت نمک حرام نوکروں کا سر کچلتی ہوں ورنہ یہ تو ایک ایک کے چار چار کرکے

دکھاتے ہیں سب سے بڑھ کر یہ کلوا ہے اور بتتا بہت سیدھا ہے۔

کلوا نے دروازہ میں سے سر نکال کر پوچھا۔

جی بیگم صاحب کیا پراٹھے کچے ہیں؟ میں تو خانساماں سے سرخ کرا کے لایا تھا جیسے آپ پسند کرتی ہیں۔

توفیق احمد نے کلوا سے کہا۔ اچھا تو جا کر اپنا کام کر۔

پھر عروسہ سے بولے۔

بیٹی ناشتہ کر کے تم تیار ہو جاؤ مجھے ذرا ایک کام ہے۔

عروسہ نے کہا۔ اچھا میں پہلے عارفہ آپا سے مل آؤں۔

یہ کہکر خالی پیالی میز پر رکھ کر کمرے سے نکل گئی۔ عارفہ بھی ناشتہ کر کے اٹھی ہی تھی عروسہ کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا

ارے عروسہ تم کب آئیں؟

عروسہ بولی۔ میں رات کو ہی یہاں پہنچ گئی تھی۔ لیکن آپ کہیں گئی ہوئی تھیں۔

عروسہ دل میں ڈر رہی تھی کہ کہیں عارفہ یہ نہ پوچھ بیٹھے کہ کس کے ساتھ آئیں تھیں۔ لیکن اس نے کچھ نہ پوچھا اسکول بس اپنے جانے کی فکر تھی وہ تیار تھی اس کا مختصر سامان بیگ تھا۔ عروسہ نے پوچھا۔

عارفہ آپا واپسی کا کب تک ارادہ ہے۔ میری تو تنہائی میں بہت طبیعت گھبرائے گی۔

عارفہ نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

کچھ کہہ نہیں سکتی کب تک واپس آؤں تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے میری موجودگی عدم موجودگی سب یکساں ہے۔

عروسہ بولی۔ پھر بھی آپ گھر پر تو ہوتی تھیں یہی غنیمت تھا۔
عارفہ نے ناک چڑھا کر کہا
میرے جانیکے بعد تو ابا جان کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی
اور سب لوگ بھی تم سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ تمہارا دل بہلانیکی کوشش کرتے
ہیں تمہاری تنہائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
یہ کہکر وہ اپنے بیگ میں کچھ رکھنے لگی
تھوڑی دیر بعد توفیق احمد عروسہ اور عارفہ کو لیکر رجسٹرار کے آفس
میں گئے اور اپنی تمام جائیداد وغیرہ کا دونوں لڑکیوں کے نام ہبہ نامہ کرایا کہ
انکے بعد یہ دونوں لڑکیاں انکی وارث ہونگی اور بینک میں جمع روپیہ بھی
دونوں کے نام آدھا آدھا کر دیا۔
اس کام سے فارغ ہو کر وہ تینوں گھر آئے۔
نعیمہ بیگم کو اگرچہ معلوم نہیں تھا لیکن پھر بھی انہوں نے کہیں سے سن گن
پالی تھی آتے ہی سوالوں کی بوچھار شروع کر دی۔
کہاں چلے گئے تھے لڑکیوں کو لیکر۔ ایسا ضروری کام تھا۔ اب عارفہ کے
جانیکا وقت قریب آرہا ہے اور تم چلے گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔
توفیق احمد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور کمرے میں چلے گئے۔
دو تین گھنٹے بعد عارفہ اپنے کمرے سے جانے کے لئے تیار ہو کر
نکلی۔ نعیمہ بیگم نے اسکو زبردستی گلے لگایا اور منہ بسور کر مصنوعی طور پر آنسو
بہانے کی کوشش کرنے لگیں اور واپسی کی ہزاروں دعائیں دے دیں۔ عارفہ جلدی
سے انسے رخصت ہو کر باہر نکل گئی۔
توفیق احمد اور عروسہ اسکو ساتھ لیکر اسٹیشن چلے گئے۔

گھنٹہ بھر بعد وہ دونوں اسکو ٹرین میں سوار کرا کر واپس آ گئے۔ توفیق احمد پر عارفہ کے جانے کا بہت اثر تھا وہ اسکو بہت چاہتے تھے۔ بچپن سے لیکر اب تک اسکی ناز برداریاں کرتے آئے تھے۔ اسکی ہر ضد پوری کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ اس کو یورپ جانے سے نہ روک سکے۔ اگرچہ انکی طبیعت نہ چاہتی تھی کہ اتنے عرصے اسے اپنے سے جدا کریں لیکن انہیں اس کی ضد کے آگے سر خم تسلیم کرنا پڑا۔ علاوہ اس کے انہوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ ممکن ہے اس سیر و سیاحت سے اس کے خیالات تبدیل ہوں۔ اور اسکی زندگی میں بھی کسی قسم کا مد و جزر پیدا ہو۔

گھر واپس آنےکے بعد وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ نعیمہ بیگم آپ ہی آپ بڑبڑا رہی تھیں۔

معلوم نہیں کیسی طبیعت ہے اس لڑکی کی۔ اسکو نہ کسی سے محبت ہے نہ الفت۔ بیچارے بھیا کی تو قسمت ہی ایسی ہے بھلا حد ہے خودسری کی۔ یہ ہے باپ کے بیجا لاڈ پیار کا نتیجہ کسی دوسرے کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتی۔ ہر شخص اسکی نظروں میں کھٹکتا ہے۔

وہ بڑی دیر تک خود بخود بڑبڑاتی رہیں۔ اسکے بعد اپنا صندوقچہ کھولکر سٹر پڑ کرنے لگیں۔

کچھ دیر بعد کلو نے آ کر کہا۔

بیگم صاحب پیسے دیدیجئے بی بی جی کے گھوڑے کا دانہ آئیگا وہ سویرے سے بھوکا ہے۔

نعیمہ بیگم ترش ہو کر بولیں۔

ارے کمبخت صبح جو گوشت ترکاری کے دام دیئے تھے اسکا حساب تو پہلے مجھے بتا اسکے بعد کچھ بولیو۔

کلو نے سوچکر حساب بتانا شروع کردیا آخر میں ایک آنے کی کمی آرہی تھی۔

نعیمہ بیگم غصّہ سے سرخ ہوئی جارہی تھیں۔

ہاں میں سب جانتی ہوں تو اپنے لئے بیڑی لایا ہوگا۔ میں کبھی ایک آنہ معاف نہ کرونگی یہ سمجھ لے اچھی طرح اور پھر تیری حجامت بناؤنگی کہ یاد کریگا۔

بیگم صاحب معلوم ہوتا ہے اس نوٹ میں ایک آنہ تھا ہی کم۔

نعیمہ بیگم اور بھی بھبھوکا ہوگئیں۔ ہاں ثابت نوٹ میں نے دیا تھا اب تو بے ایمان باتیں بنا رہا ہے۔۔

کلو پھر بولا۔

بیگم صاحب سنا ہے آج کل جو روپے بن رہے ہیں انکی قیمت چونی برابر ہوتی ہے۔ سنا ہے لوہے کے روپے بننے لگے ہیں چاندی تو بس نام کو ہوتی ہے۔

نعیمہ بیگم نے ڈانٹا۔

پھر تو نے بکواس شروع کردی۔ بتا ایک آنہ کدھر گیا۔

ایک آنہ تو میں آپکو اپنے پاس سے بھی دیدونگا آپ فکر نہ کریں پہلے گھوڑے کے دانے کے واسطے روپے دیدیجئے بھوکا ہے صبح سے۔

نعیمہ بیگم نے جلکر کہا۔ عارفہ تو اب چلی گئی اس گھوڑے کا کیا ہوگا یہ یونہی کھڑا کھڑا دانہ کھائے گا۔ ہمارے بھیا تو بس ایک نہ ایک خرچہ

بڑھائے رکھتے ہیں ۔

ہاں بیگم صاحب یہ خرچ تو اب بیکار ہی ہے چھوٹی بی بی تو اسپر سواری کرتی نہیں میرا خیال ہے اب آپ ہی اسے استعمال کریں ۔

نعیمہ بیگم نے روپیہ اس کیطرف پھینکتے ہوئے غصے سے کہا ۔

چل کمبخت میری نظروں کے سامنے سے دور ہو ۔ بڑا آیا مجھے گھوڑے کی سواری کرانیوالا ۔

کلو چپ چاپ سر کھجاتا ہوا وہاں سے چل دیا ۔

عروسہ عارفہ کے کمرے میں ایک آرام کرسی پر خاموش بیٹھی ہوئی تھی کل سے اس وقت تک اسکو اطمینان سے سروش کی باتوں پر غور کرنے کا موقع نہیں ملا تھا ۔ اگرچہ سروش کی آواز اس کی باتیں اس کے دل پر نقش ہو گئی تھیں ۔

وہ سوچنے لگی سروش اسوقت کہاں ہوں گے ؟ کیا کر رہے ہوں گے ۔ رات ایا جان سے یہاں آنیکا وعدہ کر کے گئے ہیں ۔ کیا وہ واقعی یہاں آئیں گے ۔ یہ باتیں سوچتے سوچتے اس کے دل و دماغ میں سروش ہی سروش ابھرنے لگا ۔ وہ بڑی دیر تک اس کی خیالی تصویر دیکھتی رہی ۔

عارفہ کے چلے جانے سے گھر کے کسی بھی حصّہ میں اس کی کمی معلوم نہ ہوئی سوائے اس کے اپنے کمرے کے ۔ عروسہ عارفہ کے کمرے میں داخل ہوئی ہر چیز اپنی جگہ پر تھی ۔ قالین ، مسہری میزیں ، کرسیاں اور دیگر فرنیچر بھی اپنی جگہ پر موجود تھا ۔ اس کمرے میں عارفہ کی غیر موجودگی کا احساس ہوتا تھا ۔ مگر

اب یہ کمرہ بھی عروسہ کے لئے تھا۔

عروسہ کچھ دیر مسہری کے کنارے بیٹھی رہی یکایک اسکی نظر
آتشدان پر پڑی معلوم ہوتا تھا اسمیں کچھ کاغذات جلائے گئے
ہیں ایک طرف جلے ہوئے کاغذوں کا ڈھیر تھا۔ اس نے سوچا
نوکر سے کہکر اسے صاف کرادوں اور وہ اس ارادے سے اٹھی۔ آتش
دان کے قریب گئی۔ اسکی نظر ایک آدھے جلے ہوئے خط پر پڑی
اس نے جھک کر وہ خط اٹھا لیا۔ اس کے اوپر کا حصہ جل چکا تھا
صرف نیچے کی چند سطریں اور راقم کا نام موجود تھا۔ عروسہ نے جلدی
جلدی اس خط کو پڑھنا شروع کیا اور اس کی حالت غیر ہوتی
چلی گئی۔ لکھا تھا۔

" ایسی شادیاں اکثر ہوجایا کرتی ہیں اسمیں کوئی قصور نہیں۔ تم مجھ سے
خواہ مخواہ ناراض ہوگئیں لیکن میں ڈھکی چھپی بات کا قائل نہیں ہوں اور
تمہاری رائے کے میں بالکل خلاف ہوں۔ تم کو اپنے والد سے ضرور ذکر
کردینا چاہیئے۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں جلدی بتادو ورنہ جیسی تمہاری
مرضی ہو کرو میں اس معاملے میں دخل نہ دونگا لیکن بخدا مجھے مجبور نہ کرو میں
تم سے ہر طرح کی معافی مانگنے کو اب بھی تیار ہوں۔"

خدا حافظ

سروش خوش بخت

عروسہ نے یہ خط کئی بار پڑھا اسکا سر چکرانے لگا۔ اور کاغذ
ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ خود بھی وہیں بیٹھ گئی۔ اس نے وہی خط
اٹھا لیا اور پھر پڑھا۔

وہ سوچنے لگی کیا عارفہ اور سروش کی شادی ہوچکی ہے۔؟ خفیہ طور پر کیا یہ سچ ہے۔ ہاں سچ ہی ہوگا جب ہی تو سروش نے اس طرح لکھا ہے لیکن اباجان سے چھپانے سے کیا فائدہ؟ معلوم ہوتا ہے آپس میں کسی قسم کا اختلاف ہوگیا ہے اسی وجہ سے تعلقات خراب ہو گئے ہیں لیکن اباجان سے یہ بات کیوں پوشیدہ رکھی گئی وہ تو سروش کے بہت مداح ہیں۔

اسکی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اس کو اپنے دل کی دنیا ہی اجڑی ہوئی معلوم ہورہی تھی۔ وہ سامنے بیٹھی دیکھ رہی تھی۔ آدھا جلا ہوا خط اس کے ہاتھ میں تھا۔

اس کو اپنا دل بھی جلکر راکھ ہوتا ہوا معلوم ہورہا تھا اسکو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے دل کا قلعہ مسمار ہوگیا ہو۔ سب کچھ ویران ہوگیا ہو۔ وہ بہت دیر تک سکتے کے عالم میں بیٹھی رہی اسکو کسی بات کا ہوش نہ تھا اس کا دماغ خالی ہوچکا تھا اور جسم سن ہوگیا تھا لیکن پھر کیوں سروش مجھ سے ایسی باتیں کرتے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو اسکا کیا مطلب تھا۔

شام ہوگئی تھی۔ کریمن کمرہ میں داخل ہوئی اور بولی

بی بی جی۔ باہر چائے لگی ہوئی ہے۔ پھوپھی اماں اور صاحب آپکا بڑی دیر سے انتظار کررہے ہیں۔

عروسہ نے چونک کر جواب دیا

اچھا تم چلو میں ابھی آتی ہوں۔

اپنے کمرے میں آکر اس نے سروش کا خط احتیاط سے اپنے پرس میں رکھا پھر ہاتھ منہ دھوکر آئینہ کے سامنے اپنا چہرہ دیکھنے لگی تو چونک گئی۔

ایک شاداب پھول کی طرح کھلا ہوا تھا اور اب بالکل مرجھا گیا تھا۔ اسکی رنگت ازرد پڑ گئی تھی۔ اس نے جلدی سے ایک گلاس پانی پیا اور بڑی مشکل سے اپنی حالت پر قابو پاکر باہر نکلی۔

نعیمہ بیگم اور توفیق احمد لان میں بیٹھے ہوئے تھے چائے میز پر لگی تھی۔ عروسہ کو دیکھ کر توفیق احمد بولے۔

" آؤ عروسہ۔ تمہارے انتظار میں چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔"

عروسہ نے جواب دیا۔

جی ہاں مجھے وقت کا پتہ ہی نہ چلا۔

توفیق احمد نے اسکو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کیا بات ہے بیٹی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟

عروسہ نے جلدی سے جواب دیا

جی ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ کچھ سر میں درد ہے۔

نعیمہ بیگم بولیں۔

بات یہ ہے کہ ٹھنڈی جگہ سے جو یہ گرمی میں آگئی ہے اس لئے گرمی کا اثر ہے میرا خیال ہے تم پھر حسینہ بیگم کے یہاں چلی جاؤ گرمی کے بعد آجانا۔

عروسہ نے جواب دیا۔

جی نہیں اب میں وہاں نہیں جاؤنگی۔ کافی دن رہ لیا۔

یہ کہکر عروسہ نے سب کے واسطے چائے بنائی۔ نعیمہ بیگم نے ادھر ادھر دیکھ کر آواز لگائی۔

ارے کلو۔ ادھر تو آ۔ میں نے گلاب جامنیں کس کے واسطے بنوائی

وہ کیوں نہیں لے آیا!

توفیق احمد بولے۔

اب اسوقت گلاب جامنیں کھانے کی کیا تک ہے رات کو کھانے پر کام آئیں گی۔

نعیمہ بیگم نے جواب دیا۔

بھلا وہ رات تک بچیں گی کہیں بچی کھائے گی تم کھاؤ گے ایک آدھ میں بھی چکھ لونگی۔ کھانے کیلئے وقت بےوقت کیا جسوقت طبیعت چاہ گئی وہی کھانیکا وقت ہو گیا۔

کلو گلاب جامنوں کی پلیٹ لئے آ گیا نعیمہ بیگم نے پہلے گنکر حساب لگایا اور کلو کو غضبناک نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

ارے یہ تو آدھی معلوم ہو رہی ہیں۔ باقی کیا ہوئیں۔ وہ کسنے ہضم کیں جب ہی تو میں کہہ رہی تھی۔ کہ اسی وقت کھالی جائیں اب دیکھو آدھی رہ گئیں یہ سوا کہہ دیگا کہ بلی کھا گئی۔

کلو بولا۔

بیگم صاحب آدھی تو میں خود ہی رات کیلئے الگ رکھ آیا ہوں۔ ورنہ اس وقت سب ختم ہو جاتیں۔ کھانے کے بعد صاحب میٹھا مانگتے تو پھر کیا دیا جاتا انکو۔

نعیمہ بیگم نے تیوری چڑھا کر کہا۔ بس چپ رہ۔ کام کر جا کر۔ چلا آیا ہمیں عقل سکھانے۔

نعیمہ بیگم نے ایک ایک گلاب جامن عروسہ اور توفیق احمد کو زبردستی کھلائی اور باقی پانچ چھ خود چکھ لیں اور بولیں۔

کہ میں نے تو اچھی گلاب جامنیں بنا لی ہیں۔ اب روز بنوایا کرونگی۔ اللہ بخشے ہمارے ابا کو بھی گلاب جامنیں بہت پسند تھیں کل بہت سی بنوا کر ان کی فاتحہ دلواؤنگی رات کو خواب میں نظر آئے تھے۔ بہت دنوں سے انکی فاتحہ نہیں ہوئی۔

یہ کہکر انہوں نے توفیق احمد کیطرف دیکھا جو خاموشی سے سگار پی رہے تھے۔

عروسہ ایکدم خاموش ہو گئی تھی۔ توفیق احمد نے خیال کیا۔ عارفہ کے جانے سے گھبرا رہی ہے اسی وجہ سے چپ ہے۔

رات کو کھانے کے بعد جب عروسہ اپنے کمرہ میں آئی تو اسکا دل بھرا ہوا تھا کل رات یہی وقت تو تھا جب وہ سروش کے ساتھ کار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اور سروش اس سے کیا کیا باتیں کر رہا تھا کاش مجھے پہلے سے خبر ہوتی میں اس کے ساتھ ہرگز نہ آتی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی کہ سروش اسقدر دھوکے باز شخص ہے عارفہ کے شوہر ہوتے ہوئے مجھ سے ایسی باتیں کر رہے تھے۔

وہ خاموش آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ اور سوچنے لگی یہی باتیں جو سروش مجھ سے کر رہا تھا عارفہ سے بھی کبھی کر چکے ہونگے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ ایک شخص بظاہر اسقدر اچھا ہو وہ شیطان صفت بھی ہو سکتا ہے اگر میں یہ بھی فرض کر لوں کہ انکی اور عارفہ کی علیحدگی ہو چکی ہے پھر بھی اسکو مجھ سے ایسی باتیں کرنی مناسب نہیں۔

اسکے دل و دماغ میں خیالات طوفانی شکل میں اٹھ اٹھکر ہلچل مچا رہے تھے۔ اس کے دل کی جلن اور کسک رفتہ رفتہ ناقابل برداشت

آنسوؤں کا سیلاب بنکر بہنے لگی۔ وہ روتے روتے نڈھال ہوگئی معلوم نہیں کتنی دیر تک وہ اپنی بے بسی پر سسکیاں بھرتی رہی۔

کئی یوم اسی حالت میں گذر گئے۔ وہ سب کے ساتھ کھانا بھی کھاتی چائے بھی پیتی اور بولتی بھی تھی۔ اور اکثر توفیق احمد کے پاس بیٹھ کر ان کا دل بھی خوش کرنے کی کوشش کرتی تھی اس نے اپنے درد کو صرف اپنے ہی دل سے لگا رکھا تھا۔ وہ تنہائیوں میں روتی تھی۔ اس کی دلی کیفیت کا کسی کو اندازہ نہیں تھا اسکا جیسے دل مرجھا گیا تھا اس نے سروش سے کبھی نہ ملنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

عارفہ کو گئے ہوئے پندرہ دن سے زیادہ ہو گئے تھے۔ مصر سے اس کا تار بھی آگیا تھا اور توفیق احمد کو اطمینان ہو گیا تھا توفیق احمد شام کو لان میں بیٹھے ہوئے تھے کلو ان کے سامنے کھڑا تھا۔ اچانک سروش آگیا۔ اور توفیق احمد کو سلام کر کے ان سے ہاتھ ملایا۔ وہ بہت خوش ہوئے۔ توفیق احمد نے اسکو بیٹھنے کیلئے کرسی پیش کی اور بولے بھئی بہت عرصے بعد تم سے ملاقات ہوئی کہو سب خیریت ہے۔ کام کیسا چل رہا ہے؟

سروش نے جواب دیا۔

جی ہاں۔ خدا کا شکر ہے پریکٹس اچھی چل نکلی ہے۔

توفیق احمد بولے۔

ہاں میں نے اکثر لوگوں سے تمہاری شہرت سنی ہے خدا تمہیں ترقی کی اعلیٰ منزل تک پہنچائے ہونہار اور اچھے لڑکوں کو دیکھ کر طبیعت خوش ہوتی ہے۔

سروش نے ادب سے کہا۔
یہ سب آپ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت ہے۔
توفیق احمد بولے۔
نہیں یہ کامیابی صرف تمہاری اپنی محنت اور قابلیت کا نتیجہ ہے
مجھے اچھی طرح معلوم ہے تمہارا بچپن جن حالات میں گذرا ہے ان میں
اکثر لڑکے سیر و تفریح اور عیش و عشرت کے سوا کچھ نہیں کرتے۔ میری
ملاقات تمہارے والد سے بھی تھی جس وقت ان کا انتقال ہوا تمہاری
عمر مشکل سے دس بارہ سال کی ہو گی۔ یہ عمر ایسی ہوتی ہے کہ اکثر
لڑکوں کو اوباش قسم کے یار دوست تباہ کر دیا کرتے ہیں یہ تمہاری والدہ
کی تربیت اور تمہاری دانشمندی کا ثبوت ہے کہ تم نے اپنے باپ کے نام
کو روشن کیا۔
سروش نے کہا۔ جی ہاں خدا کی مہربانی شامل حال رہی۔
توفیق احمد نے کلو کو بلا کر کہا۔ اندر سے شربت وغیرہ لے آ۔ اور عروسہ
سے کہدو کہ سروش صاحب آئے ہیں۔
یہ سنکر سروش مطمئن ہو گیا وہ تو آیا ہی عروسہ سے ملنے تھا ادھر توفیق
احمد کو اپنے متعلق اسقدر خوش اعتقاد پا کر اور بھی خوش ہو گیا اور ان
سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ کلو نے واپس آکر کہا
حضور چھوٹی بی بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے وہ باہر نہ
آسکیں گی۔
توفیق احمد نے کہا
اچھی بات ہے تم جاؤ اپنا کام کرو۔

سروش کا دل خود بخود بیٹھنے لگا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ عروسہ کا بہانہ ہے آخر ایسی کیا طبیعت خراب ہے کہ مجھ سے نہیں مل سکتی ممکن ہے توفیق احمد کے سامنے مجھ سے ملنا پسند نہ کرتی ہو۔

وہ اداس ہو گیا۔ اور پھر تھوڑی دیر باتیں کر کے چلا آیا۔ جس سے ملنے وہ آیا تھا جب وہی نہ ملی تو وہاں ٹھہرنا بیکار تھا۔ وہ وہاں سے اٹھکر سیدھا گھر چلا آیا۔

کافی دن گذر گئے لیکن عروسہ سروش سے نہ ملی۔ اب اس کے دل کی طوفانی لہریں آہستہ آہستہ بہہ رہی تھیں اوّل تو گھر میں کوئی ایسا تھا ہی نہیں جس سے وہ بات چیت کرتی۔ نعیمہ بیگم اپنی سٹڑ پڑ اور خیالی پلاؤ پکانے میں مصروف رہتی تھیں۔ انہیں عروسہ سے کچھ بھی دلچسپی نہ تھی۔

عروسہ زیادہ تر اپنے ہی کمرے میں رہتی تھی وہ اپنے دل سے سروش کے خیال کو بالکل نکال دینا چاہتی تھی۔ اس لئے اس نے ایم اے میں داخلہ لے لیا وہ سٹڈی میں ایم اے کر رہی تھی۔ صبح سے دوپہر تک کالج میں رہتی تھی اور گھر آ کر دیگر مشاغل میں لگ جاتی تھی وہ بظاہر پُرسکون تھی لیکن اندر سے بید بیقرار تھی۔

کافی دن گذر گئے۔ حسینہ بیگم ابھی تک بیمار پڑی تھیں۔ برسات کا آخری زمانہ تھا۔ ایکدن اتوار کو توفیق احمد اپنے کسی دوست کے ہاں برج کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ عروسہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ہوئی پڑھ رہی تھی اچانک سروش خوش بخت کی کار آ کر رکی۔ عروسہ نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اس کا چہرہ سرخ ہو کر زرد پڑ گیا۔ وہ جلدی سے اٹھکر اپنے

کمرے میں بھاگ گئی۔ سروش کار سے اتر کر برآمدے میں پہنچا۔ وہاں کلو بیٹھا
کسی اخبار کا معمہ حل کر رہا تھا۔ پنسل اسکے کان میں اڑی ہوئی تھی۔

سروش نے اس سے پوچھا۔

کیا جہاندار صاحب گھر پر ہیں؟

نہیں صاحب وہ ابھی کہیں چلے گئے۔

سروش نے کہا۔ اچھا تم عروسہ بی بی سے جا کر کہدو کہ سروش
خوشبخت آئے ہیں۔

کلو اچھا کہہ کر چلا گیا۔

عروسہ کمرے میں بے چینی سے ٹہل رہی تھی۔ چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا
آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ یکایک کلو نے آکر کہا۔

بی بی آپ سے ملنے کیا نام ہے انکا۔ لیجئے میں بھول گیا ...... جی
ہاں یاد آگیا ... سروش خوش نصیب صاحب آئے ہیں۔

عروسہ کو رونے کے بجائے بے اختیار ہنسی آگئی اس نے مصنوعی غصے
سے کہا۔ کلو تم اتنی جلدی ذرا سی بات بھول جاتے ہو ایک چھوٹا سا
نام بھی یاد نہیں رہتا۔

کلو نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا۔

کیا کروں بی بی یہ آج کل کے صاحب لوگوں کے ٹیڑھے میڑھے
نام مشکل سے یاد ہوتے ہیں۔

عروسہ نے کہا۔

خیر تم انسے کہدو کہ ابا جان گھر پر نہیں ہیں۔

کلو بولا۔ یہ تو میں نے انسے پہلے ہی کہہ دیا پر وہ تو آپ سے ملنے آئے ہیں۔

عروسہ نے جواب دیا۔

اچھا اب تم جا کر انہیں بتا دو کہ میں ابھی گھر پر نہیں ہوں۔

کلو نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔ بی بی آپ تو سامنے بیٹھی ہیں یہ میں کیسے کہہ دوں

عروسہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔ جیسا میں کہہ رہی ہوں ویسا کرو۔

کلو بولا۔ کہہ دونگا۔ اور وہ باہر چلا گیا سروش برآمدے میں ٹہل رہا تھا

کلو نے آکر بیساختہ کہا۔ صاحب وہ تو کہتی ہیں ..... نہیں صاحب میرا مطلب ہے کہ وہ ابھی گھر پر موجود نہیں ہیں کہیں گئی ہوئی ہیں۔

سروش مسکرا کر بولا۔ اچھا۔ تو وہ کہتی ہیں کہ وہ گھر پر نہیں ہیں؟

کلو نے جلدی سے کہا۔

نہیں نہیں صاحب میرا مطلب ایسا کہنے کا نہیں تھا۔ بس غلطی سے زبان سے نکل گیا چمڑے کی زبان ہے کمبخت پھسل جاتی ہے۔

سروش نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ اچھا اچھا کوئی حرج نہیں ہے۔ سچی بات آدمی کے منہ سے نکل جاتی ہے لیکن تم نے میرا نام انکو کیا بتایا تھا۔

کلو سٹپٹا گیا اور بولا۔ صاحب کیا نام آپکا وہی بتایا تھا۔

سروش نے مسکرا کر کہا کہیں تم نے میرا نام سروش کمبخت تو نہیں بتا دیا تھا

کلو نے خوش ہوکر کہا۔ جی ہاں صاحب بس یہی بتا دیا تھا لیکن آپ یہ سب باتیں کیوں پوچھ رہے ہیں وہ تو گھر پر ہیں ہی نہیں۔

سروش بولا۔ اچھا تم پریشان نہ ہو میں جا رہا ہوں۔

یہ کہکر وہ کار میں بیٹھ گیا پھر اپنی جیب سے ایک سگریٹ نکالکر سلگایا اور تیزی سے کار کو باہر نکال کر لے گیا۔

عروسہ اپنی کھڑکی سے اسکو جاتا دیکھ رہی تھی اب وہ کمرے میں آکر ٹہلنے لگی

شرم نہیں آتی مجھ سے ملنے آتے ہیں مجھے دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کاش میرے دل میں ان کیلئے کوئی لگاؤ نہ ہوتی پھر میں اچھی طرح خبر لیتی لیکن مشکل تو یہی ہے کہ میں جتنا بھولنے کی کوشش کرتی ہوں اتنا ہی دل و دماغ میں انکا خیال سماجاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔

سوچتے سوچتے اسکا دماغ ماؤف ہوا جاتا تھا اسکی نیند غائب ہو چکی تھی۔ تکان اور بوجھ سے دماغ پھٹنے لگتا اسکا جی چاہتا کہ اپنا سر دیواروں سے ٹکرادے اور پھر اسکے کسی بات کی خبر نہ ہو۔

~~~~~~~~~~

عروسہ کے ہاں سے سروش سیدھا گھر آیا اسوقت اسکو عروسہ کے نہ ملنے پر بہت غصّہ آرہا تھا۔ پریشانی اور مایوسی بھی تھی آخر گھر میں موجود ہوتے ہوئے مجھے ملنے سے انکار کردیا کوئی وجہ ضرور ہے اس نے دومرتبہ ٹالدیا مجھے اچھی طرح یاد ہے آخری بار کار میں میری صاف گوئی کے باوجود وہ مجھ سے ناراض نہیں تھی۔ جب تو ناگوار نہ گذرا بلکہ مجھے ٹیلیفون کرنیکا وعدہ بھی کیا۔ پھر وہ گھر پہنچتے ہی اتنی بدل کیوں گئی۔

وہ سوچتا ہوا برآمدہ میں پہنچ گیا کمرے میں سے خورشید نے باہر نکل کر کہا کدھر گئی تھی خفیلت مآب کی سواری۔

سروش نے مسکرا کر جواب دیا۔ آہا۔ خورشید تم کب آئے۔

خورشید بولا۔ کیا عرض کروں بندہ پرور بڑی دیر سے حضور کا انتظار کر رہا ہے جب یہاں آیا معلوم ہوا سرکار کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔

سروش نے ہنسکر کہا بھئی سخت افسوس ہوا کہ بڑی دیر سے میرا انتظار
~~~~~~~~~~

کر رہے ہو۔ میں ابھی بیس منٹ پہلے ہی نکلا تھا۔ ایک ضروری کام تھا۔

خورشید نے کہا۔ ہاں سب ٹھیک ہے لیکن ہم تو تصور کے سارے ضروری کام جانتے ہیں اور درحقیقت اسوقت جس کام کو آپ گئے تھے اس سے بڑھکر اور کیا کام ہو سکتا ہے۔ کیوں جناب ٹھیک ہے نا؟

سروش نے تیوری چڑھا کر کہا۔ ارے ارے کیا بالکل ہی دماغ نے جواب دیدیا کیا تم کسی کام کی اہمیت ہی نہیں سمجھتے۔؟

نہیں حضور بھلا میری کیا مجال ہے جو آپکو جھٹلاؤں۔ مگر سرکار ہیں تو اب روشن ضمیر ہو گیا ہوں۔ مجھے غیب کے سارے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ باریابی ہوئی کہ نہیں؟ دیکھئے حضور جھوٹ کی گنجائش نہیں۔

سروش نے پھر جھوٹ بولا۔ کیا کہہ رہے ہو میں سمجھا نہیں۔

خورشید نے گردن ہلا کر کہا۔ جی بالکل بجا ارشاد فرمایا جناب نے آپ کیسے سمجھا نہیں۔ ارے بیٹا اب استاد کو بھی چلانے لگے ہم نے تو تمہیں اس طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا ہم ٹہلتے ہوئے آ رہے تھے لیکن تم اسقدر تیزی میں تھے کہ نہیں کیا دیکھتے۔ اب بھی چھپاؤ گے؟ لیکن یار ایسی خلاف توقع بہت جلد ہو گئی۔

سروش نے اسکا ہاتھ پکڑ کر کمرہ میں لیجاتے ہوئے کہا۔

چلو اندر بیٹھو باہر کھڑے خوانخواہ بکواس کر رہے ہو۔

خورشید بیٹھتے ہوئے بولا۔

ہاں ہاں۔ لیکن حالات سے آگاہی بھی تو کراؤ۔

سروش نے سگریٹ سلگا کر خورشید کو دیا اور بولا بھئی کیا بتائیں قصہ کچھ ایسا ویسا معلوم ہوتا ہے یعنی یہ کہ معاملہ ٹائیں ٹائیں فش ہی سمجھو۔

خورشید نے کہا۔ لو بھئی حد ہو گئی اب ہم سے چھپانے لگے کیا خوب
سروش نے اسکی طرف بڑھا کر جواب دیا۔
یہ خوب کہ آپ ہماری کسی بات کا یقین ہی نہیں کرتے کیا ہم جھوٹ بولتے ہیں۔
خورشید نے جواب دیا۔
آخر قصہ کیا ہے؟ ہماری سمجھ میں یہ گورکھ دھندا نہیں آتا۔
سروش نے کہا بھئی قصہ وصہ کچھ بھی نہیں ہے میں دو مرتبہ جا چکا ہوں لیکن مجھے ملنے سے قطعی انکار کر دیا۔ اسوقت حالانکہ گھر پر موجود تھیں لیکن نوکر سے کہلوا دیا کہ نہیں ہیں۔
خورشید نے کہا۔ کیا خبر یہ تمہارا وہم ہی ہو ممکن ہے کیا معلوم کہ وہ گھر پر موجود نہ تھیں گئی ہونگی کہیں۔
جی نہیں۔ گھر پر ہی تھیں کیونکہ انکے ملازم صاحب نے آکر کہا کہ وہ کہتی ہیں کہ گھر پر نہیں ہیں۔
خورشید ہنسکر بولا۔ خوب اچھے ملازم ہیں بیگم صاحبہ کی قلعی کھولدی یار ہم تو صرف اسوقت اسلئے آئے تھے کہ تم سے مشورہ کر کے ایک پروگرام بنایا جائے جسمیں انکو بھی مدعو کیا جائے بلکہ خاص طور پر انھیں کے اعزاز میں کھانا ہو۔
سروش نے جھنجھلا کر کہا
نہیں بھئی چھوڑو۔ وہ معلوم ہوتا ہے کہیں نہیں جائینگی آخر کیا وجہ ہے جو ملنے سے انکار کر دیا۔ آخری مرتبہ مجھے ٹیلیفون کرنیکا وعدہ خود ہی کیا

تھا لیکن پھر نہ کیا اب تم ہی کچھ عقل کے گھوڑے دوڑاؤ۔

خورشید نے غور کر کے کہا معلوم ہوتا ہے عارفہ نے ان سے کچھ کہہ دیا ہے جس سے وہ بھڑک اٹھی ہیں اسکے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں اور پھر بقول تمہارے "راضی خوشی تھیں" جب تم نے حالِ دل سنایا جب بھی نہ بگڑیں بلکہ ٹیلی فون کرنیکا وعدہ بھی کیا۔

سروش نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔ ہاں یہی سب باتیں میں بھی سوچتا ہوں لیکن یار میرا خیال ایک طرف اور بھی جاتا ہے۔؟

وہ کس طرف میں بھی سنوں۔

یہ ہو سکتا ہے کہ کہیں کسی اور سے اسکی شادی تو نہیں ہو رہی ہے جسکی وجہ سے وہ اب مجھ سے ملنے سے گریز کر رہی ہے۔

خورشید جلدی سے بولا۔ لاحول ولا قوۃ یار تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو اب ایسی بھی بیوقوف نہیں معلوم ہوتیں۔ انکی حالت بھی تم سے کچھ کم نہیں ہے اور پھر اب تو تم نے اظہارِ عشق بھی کر دیا ہے۔

سروش نے جواب دیا۔ اس سے کیا ہوتا ہے ممکن ہے آفتاب ہی سے کوئی سلسلہ شروع ہوا ہو۔

کیا خوب وہ اپنی ماں کی حالت بھول گئیں جو اب اپنی شامت بلوائینگی کچھ کم صدمہ پہنچایا تھا آفتاب کی ماں وغیرہ نے انکی والدہ کو؟

سروش کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ہاں یہ وجہ تو معقول ہے لیکن کبھی کبھی بعض وقت لڑکی والدین کی خوشی کے آگے مجبور بھی تو ہو جاتی ہے۔

خورشید نے طنز سے کہا جی ہاں کیا کہنے مجبوری کے مگر یہ یاد رکھو کہ وہ عارفہ کی بہن ہے جہاندار صاحب تو خود ہی لڑکیوں سے مجبور ہیں۔

سروش بولا۔ وہ تو عارفہ سے قطعی مختلف ہے۔

خیر ہو گی۔ لیکن تم سے ناراضگی کی کوئی اور وجہ ہے تم خود کسی نہ کسی طرح معلوم کرو۔ ہرگز پیچھے نہ ہٹنا۔ ابتک تو ہم تمہاری دلیری پر بہت خوش ہیں اب ہرگز ہار نہ ماننا۔

سروش بولا۔ کیا کوئی لڑائی چھڑ گئی ہے جو ہار جیت کا سوال ہو اسے بھی ہماری تو اچھی خاصی صلح تھی اب معلوم نہیں کیوں ملنے سے انکار کر رہی ہے۔

خورشید بولا۔ جو کچھ بھی ہو۔ معلوم نہیں کہ وہ صلح کیسی تھی کہ تمہاری اچھی جان کو ایک روگ لگ گیا۔

ہاں روگ تو اب زندگی بھر کیلئے لگ گیا ہے۔

خورشید نے سمجھایا۔ یار موقعے کے منتظر رہو کہیں نہ کہیں تو ملنے کا اتفاق ہو جائیگا۔ بس بغیر تمہید کے ناراضگی کی وجہ دریافت کر لینا مگر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ سر کو اچھی طرح لپیٹ کر اور رکھکر جانا کیونکہ میرا خیال ہے عارفہ انہیں بہت کچھ سکھا پڑھا گئی ہے بس یہ سمجھ لو خوب مرمت ہو گی۔

سروش کچھ کہنے ہی والا تھا۔ کہ اسکے چند ملنے والے آگئے اور بات کا موضوع تبدیل ہو گیا۔

—— x ——

ستمبر کے شروع میں حسینہ بیگم بھی پہاڑ سے واپس آ گئیں تھیں روح افزا اور آفتاب عروسہ کے آس پاس برابر آتے جاتے رہتے تھے لیکن عروسہ نے تو گھر سے نکلنا اور تفریح میں حصہ لینا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنا وقت پڑھائی میں صرف کر رہی تھی۔ آفتاب اسکو گھومانے کیلئے لیجانا چاہتا تھا لیکن وہ انکار کر دیتی تھی۔ اب اسکی تفریح اور مشغلہ صرف اسکی کتابیں تھیں۔ اسکی دیکھا دیکھی روح افزا نے بھی بی اے میں داخلہ لے لیا تھا لیکن اسکا پڑھنے میں دل نہ لگتا تھا حسینہ بیگم کی دلی خواہش تھی کہ وہ گریجویٹ ہو جائے اسکے بعد وہ باقاعدہ کسی ذریعہ سے سروش پر اس سے شادی کرنیکا زور ڈلوائیں لیکن روح افزا اچھی طرح سمجھتی تھی کہ سروش کو کسی گریجویٹ بیوی کی ضرورت نہیں وہ خوب یہ جانتی تھی کہ محض بی اے پاس کر لینے سے ایک من چاہا شوہر میسر نہیں آ سکتا۔ اسکے لئے بڑی اداکاری کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہنر صرف ایک عقلمند لڑکی ہی میں ہونا چاہئے۔ مرد کالج کی ڈگری سے شادی نہیں کرتے وہ تو صرف ایک دل لبھانیوالی طرار اور طرحدار لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔

ایک شام عروسہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی اور نعیمہ بیگم برآمدے کے فرش پر بیٹھی تھیں پاس ہی ایک بڑی بی بیٹھی ادھر اُدھر کی گپ شپ کر رہی تھیں۔

اے دیکھنا بیگم صاحب ارشد صاحب کے برابر والی کوٹھی میں ایک تھانیدار رہتے ہیں انکے بیٹے نے اپنی پسند سے شادی کر لی ہے وہ لڑکی بیحد خوبصورت ہے لیکن اسکے اولاد نہیں جیتی۔ سنا ہے کسی نے کچھ ایسا ویسا کر دیا ہے ہر سال ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے اور اسی وقت مر جاتا ہے۔

نعیمہ بیگم نے کڑھتے ہوئے کہا

اے ہے بیچاری کا دل کیا کہتا ہوگا۔ پھر کوئی علاج نہیں کرتی۔؟

بڑی بی نے اپنا پوپلا منہ گول کر کے کہا۔

اے بیگم صاحبہ اسکی ماں نے سینکڑوں علاج کرا کے دیکھ ڈالے اب کل نمبر والی مسجد کے پیر صاحب کو لیکر انکے پاس گئی انہوں نے لڑکی پر گہرا سحر بتایا ہے ہر نوچندی جمعرات کو سفید مرغا اور سیاہ بکرا صدقہ کیا کرو اور ایک جگہ بتائی ہے کہ کسی سید کا مزار ہے اب کے جو لڑکا ہو تو اسکو لیجا کر اس مزار پر چڑھا دینا اس سے کچھ مطلب نہ رکھنا پھر اسکے بعد جو لڑکا پیدا ہوگا وہ زندہ رہیگا۔ اگلے ماہ اسکی ماں اپنی لڑکی کو لیکر وہاں جائے گی۔

نعیمہ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

اے بوا ذرا تم بھی معلوم کرو کہ وہ مزار کہاں ہے میں بھی جاؤنگی۔

بڑی بی نے آگے سرک کر رائے دی۔ ہاں بیگم ضرور جائیے سنا ہے وہ بڑی کرامت والے سید کا مزار ہے۔

نعیمہ بیگم خوش ہو کر بولیں۔

اے میں تو مدت سے ایسی ہی چیز کی تلاش میں تھی۔

بڑی بی نے شکایت کی۔

بھلا آپ نے مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا میں تو پیروں فقیروں کے در پہ پڑی رہتی ہوں بہت دنیا کی خاک چھان چکی اب پرسوں ہی ایک شادی ہوئی ہے ایک لڑکی کی شادی کسی طرح نہ ہوتی تھی اسکی ماں نے مجھ سے کہا میں اپنی پیر صاحب کے پاس گئی۔ انہوں نے استخارہ کر کے کہا اس کی شادی جس کے ساتھ ہونی ہے وہ تو ہمارے پاس ہے۔ شادی کس طرح ہوتی اے بیگم انکا ایک شاگرد بہت ہی نیک بخت اور اللہ والا ہے اور بہت رئیس بھی ہے بس بیگم انہوں نے خدا کے حکم سے اپنے اس شاگرد کی شادی اس لڑکی سے کرا دی ابھی پرسوں ہی تو نکاح ہوا ہے۔

نعیمہ بیگم نے عقیدتمندانہ انداز سے کہا۔

ہاں تم ٹھیک کہتی ہو۔ اب بھی اللہ کے نیک بزرگوں کی کمی نہیں ہے اور یہ ضرورت ہی انسان سے سب کچھ کراتی ہے اب مجھے ہی دیکھو جس پیر فقیر کا ذکر سن لیتی ہوں چپکے سے پہنچتی ہوں کیونکہ بات یہ ہے کہ اللہ بخشے ان کے مرنے کے بعد ہمارے ایک رشتے کے دیور ہیں مجھے جس چیز کی بھی ضرورت ہوئی اپنی اپنے دیور سے مانگتی تھی۔ روپے پیسے کی جس قدر بھی ضرورت ہوتی تھی وہ مجھے دیتے رہے میں بھی ان سے خوب دل کھول کر لیتی رہی کچھ دن بعد انہوں نے حساب لگا کر ایک بہت لمبی چوڑی رقم مجھ سے مانگی بھلا میرے پاس کیا رکھا تھا جو ان کو دیتی اور ہاں ایک اسٹامپ پیپر پر وہ مجھ سے پہلے ہی دستخط لے چکے تھے اب انکی

ساری چالاکی مجھ پر روشن ہو گئی۔ انہوں نے قانونی کارروائی کر کے میرے دونوں مکان اور جو کچھ بھی جائیداد تھی سب اسی روپے کے عوض دبالی۔ میں نے بھی بڑے ہاتھ پیر مارے جہاں تک ہو سکا اپنی سی بہت کوشش کی میرا سارا زیور بھی اسی میں ختم ہو گیا اور میرے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ ہمارے بھیا تو بس ایسے ہی ہیں میرے لئے تو کوئی دوڑ دھوپ کی نہیں اور مجھے اپنے گھر لے آئے۔ اللہ بخشے جب تو اماں زندہ تھیں کسی کی مجال نہ تھی جو مجھے نگاہ اٹھا کے دیکھے مگر پھر بھی بھاوج نے جو ہو سکتا تھا کیا ہمارے ساتھ۔

بڑی بی ٹھنڈا سانس لیکر بولیں۔

ہاں بیگم صاحب! خدا آپ کے بھائی کو رہتی دنیا تک رکھے اب آپکو کس چیز کی کمی ہے۔ اکیلی جان ہیں۔

نعیمہ بیگم نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر اور بھنّا کر کہا۔

نہیں بی بھلا اکیلا دم ہے تو کیا ہے جیتی جان کو ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے پھر اپنا اپنا ہی ہوتا ہے۔

اب بڑی بی نے بھی پینترا بدلا۔

بیگم یہ تو آپ سچ کہتی ہیں۔ خدا کسی کو دوسرے کا دست نگر نہ کرے۔

نعیمہ بیگم پھر اسی انداز سے بولیں۔

ہاں بوا۔ کہاں تک دوسروں کی محتاج رہوں اب تو بھیا نے اپنی ہر چیز دونوں لڑکیوں کے نام آدھی آدھی کر دی ہے میں اس سعید کے مزار

پیر جا کر منت مانگوں گی کہ وہ نامراد جس نے مجھے کوڑی کوڑی کو محتاج کر دیا
ہے مر جائے اور میں اپنی جہیز واپس لوں کمبخت کو جورو نہ اولاد بس
روپے کی طمع ہے اسکے مرنے پر صرف میں ہی اسکی وارث ہوں۔

بڑی بی نے پھر لمبا سا سانس کھینچا

اچھا بیگم صاحب خدا آپکی مراد پوری کرے تو ہم غریبوں کا بھی
بھلا ہو۔

یہ کہکر انہوں نے حرص بھری نگاہوں سے نعیمہ بیگم کو دیکھا جو پان کھا کر
پاندان بند کر رہی تھیں۔

نعیمہ بیگم نے بڑے خلوص سے کہا۔

ہاں بوا دعا کرو۔ خدا وہ دن لائے تو اللہ جانتا ہے کہ میں تمکو دل
کھولکر خوش کر دونگی۔

یہ کہکر انہوں نے اپنے بٹوے میں سے پانچ روپے کا نوٹ نکالا
اور چپکے سے بڑی بی کی مٹھی گرم کر دی۔ اور اپنی آنکھیں بند کر کے بڑے
خلوص سے اپنی تسبیح کا ورد شروع کر دیا

پانچ کا نوٹ پاکر بڑی بی کے سرد خون میں گرمی آگئی۔ انہوں
نے بڑی مستعدی سے دعائیں دیکر کہا

بیگم صاحب میں ابھی جا کر نکڑ والی مسجد کے پیر
صاحب سے بات کرتی ہوں۔ آپ بالکل فکر نہ کریں خدا کرے گا
سب کام بن جائیں گے میں بھی آپکے ساتھ اس کرامت والی
زیارت گاہ پر جاؤنگی۔

وہ اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ روح افزا اور آفتاب آتے ہوئے

نظر آئے۔ روح افزا نے آکر سلام کیا نعیمہ بیگم نے دعائیں دیں۔
آفتاب نے بغیر دعا سلام کے پوچھا۔
خالہ اماں عروسہ کہاں ہیں؟۔
نعیمہ بیگم نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے فرمایا۔
اے بیٹا مجھے کیا خبر، اپنے یا اپنے باپ کے کمرے میں ہوگی میرے پاس وہ کب آتی ہے جو مجھے کچھ پتہ ہو۔
بڑی بی نے آفتاب اور روح افزا پر خوشامدانہ نظریں ڈالتے ہوئے پوچھا۔
بیگم صاحب خدا رکھے یہ دونوں حسینہ بیگم کے بچے ہیں؟
روح افزا نے مسکرا کر خود ہی جواب دیا۔
ہاں بڑی بی۔ آپکا خیال درست ہے۔
بڑی بی نے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔ خدا خوش رکھے آپکو میں نے بہت چھوٹا سا دیکھا تھا اب ماشاءاللہ جوان ہو۔
نعیمہ بیگم روح افزا سے بولیں۔
بیٹی تم نے انہیں پہچانا نہیں۔ یہ بوا بنو ہیں۔
روح افزا نے جواب دیا
اچھا اب سمجھی۔ نام تو سنا تھا مگر دیکھا نہ تھا
آفتاب سیدھا عروسہ کے کمرے میں پہنچا۔ وہ اس وقت بازار جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ باہر کار تیار کھڑی تھی۔ وہ اس وقت بہت ہی عجلت میں تھی۔ آفتاب نے کمرے میں داخل ہو کر کہا۔
ہلو عروسہ کیا کر رہی ہو۔

عروسہ جو اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی آفتاب کی آواز پر چونک پڑی۔ اسکو آفتاب کا آواز دیئے بغیر کمرے میں گھس آنا بہت ناگوار گذرا اس نے ٹوکنا چاہا لیکن اسوقت خاموش ہوگئی اور کچھ نہ بولی۔ اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

اسوقت کوئی خاص کام تو میں نہیں کر رہی ہوں۔ فرمایئے۔

یہ سنکر آفتاب نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

جلدی چلو۔ اسوقت میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

عروسہ نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے پوچھا

خدا خیر کرے اسوقت کہاں جانیکا خبط سوار ہوگیا ہے؟

آفتاب مسکرا کر بولا۔

بس جہاں دل چاہے گا چلیں گے تم تیار ہوجاؤ۔ تمہیں اور کوئی مطلب نہیں۔

عروسہ نے پھر اسی انداز سے پوچھا۔

آخر کہاں جائیں گے کچھ معلوم تو ہو۔ کیا کہیں پارٹی وغیرہ میں جارہے ہیں۔

آفتاب نے جواب دیا۔

نہیں۔ پارٹی وارٹی کہیں نہیں ہے۔ تو ایک ے جگہ جانے کا خیال ہے۔

عروسہ نے پھر کریدا۔

پھر وہی۔ آخر معلوم تو ہو کیا ... جانیکا خیال ہے ...؟

آفتاب نے ... اچھا ... کر کہا

بھئی تم تو خواہ مخواہ بحث کرنے لگی ہو۔خیر بتائے دیتا ہوں۔
اسوقت تھوڑی دیر کے لئے خورشید اور خوش بخت کے ہاں جائینگے
یہ لوگ بڑی شکایت کرتے ہیں۔

یہ سنکر عروسہ کا چہرہ سرخ ہو گیا اس نے تیوری چڑھا کر کہا۔
آفتاب بھائی آپکا جہاں جی چاہے جائیے یہ ضروری نہیں کہ میں
آپکے ساتھ جاؤں۔

آفتاب اسکو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔
اگر میرے ساتھ چلوگی تو کونسا نقصان ہو جائیگا ؟
عروسہ نے کہا
خیر ان باتوں کا یہ وقت نہیں ہے مگر میں پوچھتی ہوں کہ کیا مسٹر
سروش نے آپکو بلایا ہے ۔؟

یہ بات اس نے اس انداز سے پوچھی جیسے کہ وہ سروش کو جانتی ہی نہ ہو۔
آفتاب بولا۔
نہیں بلایا تو نہیں ہے اس کا دوست خورشید ملا تھا
کہتا تھا سروش کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ہم نے سوچا
چلو دیکھ آئیں۔

یہ سنکر عروسہ نے بغیر کسی ارادے کے کہا
ٹھیک ہے۔ آپ خود چلے جائیے۔میرے پاس وقت نہیں کہ ادھر
ادھر لوگوں کی خیریت پوچھتی پھروں۔
آفتاب نے کہا۔
اگر تم وہاں نہیں جانا چاہتیں تو رہنے دو کہیں اور چلیں گے۔

عروسہ نے پیٹھ موڑ کر جواب دیا۔
دراصل میں اس وقت کہیں بھی نہیں جا سکتی۔ مجھے چند ضروری کام ہیں
ہمارے کالج میں ڈرامہ ہو رہا ہے اس لئے مجھے بازار جا کر کچھ شاپنگ
کرنی ہے۔
اچھا چلو بازار ہی چلتے ہیں۔
نہیں نہیں۔ آپ میری وجہ سے اپنے پروگرام میں تبدیلی نہ کریں
میں تو ابا جان کی کار میں جاؤنگی۔
اب آفتاب نے ذرا برا مانکر کہا
میری سمجھ میں نہیں آتا جہاں کہیں میں جانے کیلئے کہتا ہوں تم انکار کر
دیتی ہو۔ اسکے علاوہ معلوم نہیں تم نے گھر سے نکلنا کیوں بند کر دیا
ہے۔ آخر کوئی وجہ بھی ہے اس خانہ نشینی کی۔؟
عروسہ بولی
کوئی وجہ ہی نہیں ہے۔
پھر کچھ سوچکر اس نے کہا
اچھا چلئے آپ کے ساتھ بازار چلتی ہوں۔
آفتاب خوش ہوکر بولا۔
ہاں ان لوگوں کے ہاں پھر کسی دن ہو آئیں گے تم تیار رہو جاؤ میں
باہر چلتا ہوں۔
عروسہ نے ہلکے آسمانی رنگ کی ساڑی باندھی سفید بلاؤز اور سفید
جوتے پہنے اور اپنے بکھرے ہوئے پریشان بالوں کو قرینے سے سنوارا
اور آخری بار لمبے آئینہ کے سامنے اپنا عکس دیکھنے لگی۔ اس کا

سڈول جسم آسمانی ساڑی لپٹا قیامت خیز معلوم ہو رہا تھا چہرہ بیحد حساس اور سنجیدہ تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑی خود کو دیکھتی رہی اس کے ذہن میں خیالات کا طلاطم برپا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے اسکے پیچھے کوئی کھڑا ہے جسکی متین اور سنجیدہ آنکھیں مسکرا کر اسے گھور رہی ہیں اس نے جلدی سے پلٹ کر پیچھے دیکھا اور کچھ نہ پاکر اسکا چہرہ ندامت سے سرخ ہو گیا اور دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ ایک لمبا سا سانس لیکر وہ بڑبڑائی۔

ہائے اللہ مجھے کیا ہو گیا ہے کیوں میرے ذہن میں ہر وقت اس شخص کی صورت رہتی ہے جتنا میں نے اسکے خیال سے بچنا چاہا اتنا ہی اسکا تصور سایہ کی طرح میرے پیچھے لگا رہا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے دیوار سے اپنا سر ٹکا دیا۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔ اسکا دل چاہا اس پتھر کی سخت دیوار سے اپنا سر ٹکرا دے لیکن وہ کر نہ سکی۔ بے بسی کے آنسو ٹپ ٹپ زمین پر گرنے لگے۔

چند لمحے بعد اسے ہوش آیا اس نے چہرہ صاف کیا اور پرس اٹھا کر باہر نکل آئی۔ باہر آفتاب، روح افزا اور نعیمہ بیگم بڑی بی سے گپ شپ کر رہے تھے۔ عروسہ کو آتے دیکھ کر نعیمہ بیگم نے اسکو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

کہاں جا رہی ہو عروسہ بیٹی۔؟

عروسہ نے جواب دیا۔ ذرا بازار جانے کا ارادہ ہے۔

نعیمہ بیگم اچھل پڑیں اور بولیں

اچھا بیٹی بازار سے دو ایک چیزیں میری بھی لیتی آنا۔

عروسہ بولی۔ آپ بتا دیجئے۔

نعیمہ بیگم نے گنانا شروع کیا۔

دیکھو بیٹی ایک تو میرے پاجامے کا کپڑا لانا اور قمیص کے واسطے ملائم سی چکن لے لینا موٹا کپڑا تو جسم پر ڈال ہی نہیں سکتی۔ ملائم ریشم جیسا کپڑا ہونا چاہیئے۔ اور ایک باریک جالی کا کامدار دوپٹہ لینا لیکن سفید ہو۔

آفتاب بولا۔ کیوں خالہ اماں سفید کیوں رنگین ہونا چاہیئے۔

نعیمہ بیگم سر ہلا کر بولیں۔

نہیں بٹیا رنگین پر تو لوگ مذاق اڑائیں گے۔ ویسے تو ہر رنگ بڑے شوق سے پہن لیتی ہوں۔ میرا کیا ہے بڑھاپا ہے۔ یہ فیشن تو لڑکیوں کو ہی مبارک رہیں کہ جو رنگ فیشن میں داخل ہوگا وہ تو پہننے لگیں باقی سب بیکار۔ اچھا بیٹی آٹھ دس سیر آم ضرور لیتی آنا۔ جاتی فصل ہے ایک مرتبہ تو اور تمہارے ابا کھالیں۔ انہیں بہت پسند ہیں لیکن انکی عادت ہے کبھی فرمائش نہیں کرتے اور ہاں ایک وسلین کی اور ایک وہی سفید کریم جو ہوتی ہے۔ اسکی شیشی لے لینا۔ پانچوں وقت کے وضو سے ہاتھ پاؤں سکڑ کر لکڑی کی طرح ہو جاتے ہیں ایک عطر کی شیشی بھی ضرور لیتی آنا۔ کپڑوں میں سے پسینہ کی بو آنے لگتی ہے کسی کے پاس بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے...... اور بیٹی ایک ضروری چیز تو بھول ہی گئی تھی اے وہی طاقت کی دوا جو ڈاکٹر نے بتائی ہے وہ پرسوں ختم ہوگئی۔

آفتاب نے حیرت سے کہا۔ خالا اماں دوا ابھی سے کیوں ختم ہوگئی ایک ہی ہفتہ تو ہوا جو میں نے آپکو لا کر دی تھی۔

نعیمہ بیگم نے جواب دیا۔ اے وہ نگوڑی ماری بوتل ہوتی ہی کتنی ہے۔ کوئی پاؤ بھر کی ہوتی ہے۔ نیم ڈاکٹر نے پانچ وقت پینے کو بتائی ہے ختم کیسے نہ ہو گی وہ کوئی جادو کی بوتل ہوتی ہے کیا۔

آفتاب مسکرا کر بولا۔ وہ ڈاکٹر ہیں یا اللہ میاں جنہوں نے پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے۔ اور اس ڈاکٹر نے پانچ وقت کی دوا کا حکم صادر کر دیا۔ آپ کہاں تک یہ پانچ وقت کے فرض پورے کریں گی۔

نعیمہ بیگم بگڑیں۔ بس خبردار جو مجھ سے ایسی باتیں کیں۔ مسخرہ پن کیا۔ اب کفر کے کلمے منہ سے نکالنے لگا۔

یہ سنکر آفتاب دوسری طرف منہ کر کے سیٹی بجانے لگا۔

نعیمہ بیگم نے اپنا سلسلہ جاری رکھا۔

ہاں اور ایک قیمتی باریک کنگھی بھی لے لینا اور چنبیلی کے تیل کی نمبر اوّل قسم کی شیشی ضرور لیتی آنا۔۔۔۔ اور ہاں خوب یاد آیا میرے پاس تولیے بالکل ختم ہو گئے ہیں۔ دو جوڑی ضرور اچھے قسم کے لے لینا۔ اور دیکھنا بیٹی میرا بیننگ اسپتس بھی اب پھٹ چلا ہے۔ اگر کوئی اچھا سا نظر آ جائے تو ضرور خرید لینا اور دیکھو بیٹی ایک شیشی کحل جواہر کا سرمہ بھی لینا۔ امی کے پاس سے مہندی بھی ہوتی ہے ایک پاؤ وہ لیتی آنا۔ ہاتھ پیروں کی حالت خراب ہو گئی ہے ہاں ایک سیر بھر حلوا سوہن حبشی بھی لانا۔

کلو نے برآمدہ میں داخل ہو کر کہا۔ دیکھئے یہی چیز میں آپکو یاد دلانے والا تھا۔ بیگم صاحب نے سب کچھ تو بتا دیا اور اصلی چیز بھولی جا رہی تھیں۔ تو کہیئے کہ آپکو یاد آ گئی ورنہ بھی بڑی مشکل ہو جاتی۔

یہ سنکر نعیمہ بیگم نے کھا جانے والی نظروں سے کلو کو گھورا۔ اور کچھ کہنے

ہی والی تھیں کہ وہ وہاں سے چل دیا۔

پھر وہ عروسہ سے مخاطب ہوئیں۔ دیکھو بیٹی اسوقت میرے پاس پیسہ نہیں ہے تم یہ سب چیزیں اپنے پاس سے لے آنا میں تمکو روپیہ دیدونگی۔

روح افزا جو کھڑی ہوئی بور ہو رہی تھی بولی۔

عروسہ پہلے خالہ اماں کی بتائی ہوئی چیزوں کی فہرست بنالو کیونکہ اگر انمیں سے ایک بھی یاد رہی تو میرا نام روح افزا نہیں۔

یہ سنکر نعیمہ بیگم روح افزا کو گھور کر بولیں۔

اے کون ایسی سینکڑوں چیزیں ہیں دو چار ہی تو چھوٹی موٹی چیزیں میں نے بتائی ہیں۔ تم لوگوں کے حافظے ایسے ہی کمزور ہیں تو بیٹی علاج کرو۔ کالج میں کیسے پڑھتی ہو؟

روح افزا کھسیانی ہنسی ہنسنے لگی۔ نعیمہ بیگم کی یہی عادت تھی اگر کسی کو بازار جاتے سن لیتیں تو سینکڑوں چیزوں کی فرمائش کرڈالتیں۔ اسلئے اکثر لوگ انہیں بغیر بتائے ہی چلے جایا کرتے تھے۔

روح افزا کو جب یہ معلوم ہوا کہ عروسہ سروش کے گھر جانے پر رضامند نہیں ہے صرف بازار ہی جارہی ہے تو اسے بہت بُرا معلوم ہوا وہ خاص طور سے بن سنور کر آئی تھی ہلکے بنفشی پھولدار کپڑے اس نے کس شوق سے پہنے تھے اور اپنے لمبے لمبے بالوں کو بڑی خوبصورتی سے دو چوٹیاں گوندھی تھیں۔ سانولے رنگ پر سرخی مائل پوڈر کی تہہ جماکر خوب روشن کیا تھا اسکا چہرہ سنگھار بھی بنا ہوا تھا۔ بڑی بڑی آنکھوں میں سروش کے گھر جانیکی خوشی ناچ رہی تھی۔ اب وہ اداس ہوگئی اور کھسیانی ہوکر بولی۔

ہوا ایسا جب مجھے آپ نے قمر آرا کے گھر چھوڑ دینا میں خواہ مخواہ کیوں بازار جاؤں

یہ کہتی ہوئی وہ عروسہ کے ساتھ کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی پھر جب کار قمر آرا کے پھاٹک پر ٹھہری تو وہ خاموشی سے اتر گئی ۔ اور آفتاب کے اصرار کرنے پر عروسہ سامنے اسکے پاس آ کر بیٹھ گئی ۔ کار چلاتے چلاتے آفتاب نے اسکی طرف مڑ کر اور اپنی آنکھیں مٹکا کر بڑے ڈرامائی انداز میں کہا ۔

کیا یہ کہنا بیجا ہو گا کہ اسوقت بیحد خوبصورت معلوم ہو رہی ہو ؟

یہ سنکر عروسہ منہ بنا کر بولی ۔

ہاں آپکو ایسے الفاظ منہ سے نکالنے کا کوئی حق نہیں ۔

آفتاب نے کچھ برا سا مانکر پوچھا ۔

اگر یہ حق مجھے نہیں ہے تو پھر کسے ہے ؟

عروسہ نے تیوری چڑھا کر جواب دیا ۔ کسی کو نہیں ۔

آفتاب نے دیکھا کہ عروسہ واقعی برا مان گئی ہے تو اس نے نرم پڑتے ہوئے کہا ۔ اچھی بات ہے تم ناراض ہوتی ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لے لیتا ہوں لیکن کبھی تو مجھے یہ حق حاصل ہو جائیگا ۔

یہ سنکر عروسہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا اور بولی ۔

معاف کیجیئے گا آفتاب بھائی میں اس قسم کا مذاق بالکل پسند نہیں کرتی

آفتاب بولا ۔ مذاق تم سے کون کر رہا ہے ۔؟

عروسہ نے ذرا سنجیدگی سے کہا چاہے آپ مذاق کریں یا نہ کریں لیکن برائے مہربانی مجھ سے اس قسم کی باتیں نہ کریں تو بہتر ہے ورنہ ....

اتنا کہکر وہ خاموش ہو گئی ۔ آفتاب نے دیکھا کہ اسطرح بات کے زیادہ الجھنے کا ڈر ہے تو اس نے اپنا لب و لہجہ بدلا ۔

واہ ۔ اتنی جلد خفا ہو جاتی ہو ۔ میں تو صرف مذاق کر رہا تھا ۔

عروسہ نے کوئی جواب نہیں دیا آفتاب نے کار ایک طرف روک دی اور پھر اتر کر عروسہ کے ساتھ دکانوں میں چیزیں دیکھنے لگا۔

بازار میں بہت بھیڑ تھی کہ کھوے سے کھوا چھل رہا تھا۔ عروسہ نے ضرورت کی چند چیزیں جلدی جلدی خریدیں۔ آفتاب نے اس سے کہا۔

تم جا کر کار میں بیٹھو میں سامنے والی دکان سے چند بلیڈ کے پیکٹ وغیرہ لے لوں۔ پھر آگے چلیں گے۔

یہ کہکر وہ دکان سے باہر نکل گیا۔ خریداروں کا بڑا ہجوم تھا۔ عروسہ کو دکان میں سے نکلنا مشکل ہو گیا وہ باہر نکل رہی تھی کہ ایک بہت لحیم شحیم برقعہ پوش عورت نے اسے اتنی زور سے دھکیلا کہ عروسہ پہلو کی طرف دیوار سے جا ٹکرائی۔ اسکا ہاتھ دیوار پر ایسی زور سے پڑا کہ اس کی کلائی کی گھڑی کا شیشہ چکنا چور ہو گیا۔ وہ گھبرا کر باہر نکل رہی تھی کہ وہ پھر وہ ٹکراتے ٹکراتے بچی وہ گھبرا کر سنبھلی اور نگاہ اٹھا کر اس شخص کو دیکھا تو سروش خوش بخت کو اپنے مقابل کھڑا پایا ایک لمحہ کیلئے وہ اسی طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی اسکے ہونٹ کھلے رہ گئے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ بھی اسی طرح خاموش کھڑا اسکو دیکھ رہا تھا بات کرنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ پہاڑ سے واپسی کے بعد یہ پہلا موقع تھا جو ان دونوں کا آمنا سامنا ہوا تھا چند لمحے اسی طرح گذر گئے اور وہ اس طرح بولی جیسے کہ سوائے اس بات کے دنیا اسکے لئے کوئی ضروری بات نہیں رہ گئی۔

دیکھئے کسی بیگم صاحب نے مجھے ایسے زور سے دھکا دیا کہ میں دیوار سے جا ٹکرائی اور میری گھڑی کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ کیا یہ شیشہ جڑ سکتا ہے؟

سروش کا چہرہ اداس تھا۔ لیکن عروسہ کی بات پر ہلکی مسکراہٹ
اسکے ہونٹوں پر نمودار ہوگئی۔ اور اس نے آہستہ سے جواب دیا۔
ہاں کیوں نہیں۔ ہر ٹوٹی چیز جڑ سکتی ہے اور بگڑی ہوئی چیز
بن سکتی ہے۔
یہ سنکر عروسہ نے کوئی جواب نہیں دیا اسکے قدم خود بخود اٹھ گئے۔
وہ سروش کو دیکھتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ اور جاکر کار میں بیٹھ گئی۔ اس کا
بے اختیار رونے کو جی چاہ رہا تھا اسوقت اسکے دل میں بہتی ہوئی جذبات
کی خاموش لہریں پھر طوفانی شکل اختیار کرنے لگیں تھیں وہ مشکل سے
ضبط کئے بیٹھی تھی۔ اسوقت بازار میں بہت بھیڑ تھی لیکن اسکی آنکھیں کچھ
بھی نہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ خاصی دیر تک اسی عالم میں بیٹھی رہی آخر
آفتاب بھی آگیا۔ اور اسکے ساتھ ساتھ باتیں کرتا ہوا سروش بھی تھا۔ آفتاب
کار میں بیٹھ گیا اور اسٹارٹ کردی عروسہ اسی طرح خاموش بیٹھی رہی
آفتاب نے بھی کوئی بات نہ کی۔ آفتاب نے کچھ دیر بعد کار کو ایک کافی ہاؤس
کے سامنے روکدیا۔ اب عروسہ چونکی اور کچھ سمجھتے ہوئے بولی۔
کیا بات ہے آپنے کار یہاں کیوں روک دی۔؟
آفتاب نے مسکرا کر جواب دیا۔
تھوڑی دیر یہاں بیٹھیں گے آؤ جلدی سے اترو۔
عروسہ نے بگڑ کر کہا۔
میرے پاس وقت نہیں ہے۔
آفتاب بولا۔ ارے بھئی دس منٹ سے زیادہ نہ ٹھہریں گے۔
عروسہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔ آپ بغیر میری اجازت کے یہاں کیوں

لے آئے میں کار سے نہیں اترونگی۔

آفتاب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کھڑا ہوا صرف مسکراتا رہا۔ پیچھے سروش کی کار بھی کھڑی تھی۔ جب اس نے دیکھا یہ دونوں کار سے نہیں اترتے تو وہ خود اتر کر آیا۔ اسکو دیکھ کر عروسہ اور بھی جل گئی۔ لیکن بولی نہیں۔

آفتاب نے پھر خوشامد سے کہا۔

عروسہ خدا کے واسطے دس منٹ کے لئے اتر آؤ اسوقت خواہ مخواہ ناراض نہ ہو۔

عروسہ نے تنک کر جواب دیا۔

آپ مجھے یہاں کیوں لے آئے ہیں نہیں اترونگی۔

آفتاب نے مسکرا کر اپنا کان پکڑا اور بولا۔

اچھا اب میں کان پکڑتا ہوں ایسی غلطی کبھی نہیں ہوگی۔ لیکن اسوقت اندر چلو سب کے سامنے ایسی باتیں مت کرو یہاں بہت سے میرے جاننے والے ہیں۔

عروسہ نے سروش کے سامنے زیادہ جھگڑنا مناسب نہیں سمجھا اور یہ کہتی ہوئی کار سے اتر آئی اس بات کا آپ کو پہلے ہی خیال کرنا چاہئے تھا۔

اب یہ تینوں کافی ہاؤس میں داخل ہو گئے یہاں حسب معمول رونق اور بھیڑ تھی۔ زرق۔ برق لباسوں میں نوعمر لڑکیاں، عورتیں بعض بوڑھی مگر شوقین مزاج بیگمات اپنے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ الگ الگ میزوں پر گپ شپ میں مصروف تھیں بھنے اور تلے ہوئے خشک میوے چبائے جا رہے تھے۔ بیرے مصروفیت کے عالم میں کشتیاں ہاتھوں میں اٹھائے ادھر

سے ادھر بھاگے کھپ رہے تھے۔ بلکہ چکنے فرش پر بڑے فنکارانہ طریقہ سے پھسل رہے تھے۔

ایک میز پر سرخ غرارہ اور دوپٹہ پہنے ایک دبلی پتلی نیلی آنکھوں اور بھورے بالوں والی خاتون ایک نیلے سوٹ میں ملبوس بہت باریک سیاہ ڈورا جیسی مونچھوں والے گورے چٹے صاحب سے باتیں کر رہی تھیں۔ جیسے ہی ان کی نظر سروش اور آفتاب پر پڑی انہوں نے اشارے سے دونوں کو اپنی طرف بلایا۔ سروش تو ان کے بلانے پر چلا گیا لیکن آفتاب عروسہ کو لئے ہوئے آگے بڑھ گیا سامنے ایک کونے میں خالی میز اور چند کرسیاں پڑی تھیں وہ دونوں وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اور عروسہ نے پورے ہال میں ایسے نگاہیں دوڑائیں جیسے اپنے دشمن کو تلاش کر رہی ہو۔ سروش ابھی سرخ جوڑے والی خاتون کے پاس کھڑا باتیں کر رہا تھا اس نے سروش پر عجیب نظر ڈالی اسکو پارٹی سے واپسی کی وہ شام یاد آگئی جب سروش اس سے عجیب باتیں کر رہا تھا پھر سروش سے وہ نہ ملتی تھی اسی وجہ سے اس نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا تھا کہ کہیں سروش سے مڈبھیڑ نہ ہو جائے۔

آفتاب بولا۔

دیکھا تم نے یہ بیگم حسین ہیں۔ مجھے سخت نفرت ہے ان محترمہ سے دیکھو سروش کو کیسے زبردستی پکڑ رکھا ہے۔

عروسہ یونہی بولی۔

زبردستی کی کیا بات ہے وہ خود ہی دلچسپی لے رہے ہیں۔

آفتاب نے جواب دیا۔

جی نہیں۔ وہ ایسی نہیں ہے کہ کوئی ان سے دل چسپی لے۔ بلکہ خواہ مخواہ ہر ایک کے خود سر ہو جاتی ہیں۔ میرا اور سر بخش کا تو پیچھا ہی نہیں چھوڑتی تھیں۔ ایک زمانے میں عارفہ آپا سے انکی گاڑھی چھنتی تھی۔ اور اب یہ عارفہ آپا پر نقطے کستی ہے اور ایسی ایسی باتیں کہتی ہے کہ مجھے غصہ آتا ہے۔

عروسہ نے کریدا۔

کیا کیا کہتی ہیں بتائیے تو سہی۔

آفتاب نے جواب دیا۔

خوب مذاق اڑاتی ہے عارفہ آپا اور خوش بخت کا۔

عروسہ نے پھر پوچھا۔

بتائیے تو سہی۔ آخر کس بات کا مذاق اڑاتی ہیں۔

آفتاب نے اپنے شانے ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

یہی کہ خوش بخت نے عارفہ کو دھوکہ دیا۔ عارفہ سے شادی کر کے کسی اور لڑکی کے پیچھے بھاگنے لگا۔ اور یہ بات عارفہ برداشت نہ کر سکی۔ اور اسی وجہ سے دونوں میں نا چاقی ہو گئی۔ وغیرہ وغیرہ اور معلوم نہیں کیا کیا خرافات بکتی ہے جس جگہ بھی یہ جاتی ہے اپنی نسبی دوسروں کی فکر رہتی ہے کوئی بات سن لیتی ہیں تو رائی کا پہاڑ بنا دیتی ہیں اور بعض وقت تو بغیر رائی کے پہاڑ کھڑا کر دیتی ہیں۔

عروسہ آہستہ سے بولی۔

یہ کونسی اہم باتیں ہیں ممکن ہے یہ حقیقت ہی ہو۔

آفتاب نے اسکو دیکھتے ہوئے کہا۔

نہیں یہ بات قطعی غلط ہے۔ خوش بخت اس قسم کا آدمی نہیں ہے۔

عروسہ نے بڑے طنز سے مسکرا کر جواب دیا۔

یہ تو سروش صاحب کی خوش نصیبی ہے جو آپ جیسا چاہنے والا دوست ملا۔

یہ سنکر آفتاب خوشی سے پھولکر کپا ہو گیا۔ اور اس نے اپنے الفاظ پر مزید زور ڈالکر کہا۔

میں غلط نہیں کہتا خوش بخت بڑے رکھ رکھاؤ کا شخص ہے وہ چوری چھپے کوئی کام نہیں کرتا۔ اور پھر اسکو ضرورت بھی کیا ہے میں تو ایسی باتوں کا بیگم حسین کو بخوبی جواب دیتا ہوں اسلئے وہ مجھ سے ذرا گھبراتی ہیں دیکھو وہ ادھر ہی چلی آرہی ہیں۔

بیگم حسین اور سروش عروسہ اور آفتاب کے پاس آگئے۔ بیگم حسین نے آفتاب کو مسکرا کر دیکھا اور بولی۔

ہلو۔ آفتاب صاحب کہئیے مزاج کیسے ہیں۔؟

آفتاب بحالت مجبوری کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور انسے عروسہ کا تعارف کرایا۔ انہوں نے ہنس کر عروسہ پر ایک نظر ڈالی اور سروش کو دیکھا پھر بولی۔

کہئیے عارفہ کا بھی کوئی خط وغیرہ آتا ہے یا نہیں۔

عروسہ نے بڑے مہذب طریقے سے جواب دیا۔

جی انکے برابر خطوط آرہے ہیں شکر ہے وہ بالکل ٹھیک ہیں۔

اسکی بات کی ہنسی ان سنی کر کے بیگم حسین آفتاب کیطرف مڑ گئیں اور اسکا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لیجاتے ہوئے بولیں۔

آئیے آئیے میں آپکو ایک بہت چھوٹی سی چیز دکھاؤں۔

ان کے جانیکے بعد سروش نے عروسہ کیطرف دیکھ کر پوچھا

اجازت ہو تو یہاں کرسی پر بیٹھ جاؤں۔

عروسہ نے سر ہلا کر مختصراً کہا۔

جی بالکل آپ شوق سے تشریف رکھیئے۔

بیرا چکن سینڈوچ لے آیا۔ اور میز پر رکھ دیں۔ عروسہ کی نگاہیں سامنے دور بیٹھے ہوئے لوگوں پر جمی تھیں وہ کسی کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ اس نے سروش کیطرف بھی نہ دیکھا اس کا چہرہ پرسکون تھا۔ اور سروش سلیٹی سوٹ پہنے ہوئے سامنے بیٹھا تھا اسکا سگریٹ سلگ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد آخر سروش ہی بولا۔

" تمہیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ "

یہ سنکر عروسہ جلدی سے بولی۔ کیوں کیا بہت عرصہ گذر گیا تھا۔

سروش نے جواب دیا۔ ہاں تین مہینے کے بعد تم سے آج ملاقات ہو گئی وہ بھی اتفاقاً ورنہ امید تو نہ تھی تمہیں پھر دیکھنے کی۔

یہ سنکر عروسہ کی لمبی لمبی پلکیں جھپکنے لگیں لیکن وہ خاموش رہی۔

سروش نے اسکے سامنے کافی کی پیالی بڑھاتے ہوئے پھر کہا

میں نے کئی دنوں ٹیلیفون پر بیٹھ کر انتظار کیا لیکن تم نے فون نہیں کیا۔

عروسہ کے چہرے پر ہلکا سا رنگ پھیل گیا اس نے طنزیہ مسکراہٹ کیساتھ کہا پھر تو آپکو بڑی مایوسی ہوئی ہوگی۔

سروش نے اقـــرار کیا ۔

بےشک اس انتظار میں مجھے سخت تکلیف ہوئی میں نے سوچا بھی کہ تمہیں ٹیلیفون کر کے خود وجہ معلوم کر یوں ۔

عروسہ بھی جلدی سے بولی غنیمت ہے آپ نے مجھے ٹیلیفون نہیں کیا ۔

اب سروش کا چہرہ ہلکا ہلکا سرخ ہو گیا اس نے مایوسی سے پوچھا ۔

کیوں مجھ سے کونسی ایسی خطا ہو گئی ہے جو تم نے یہ رویّہ اختیار کر لیا ہے ۔

عروسہ نے مسکرا کر جواب دیا ۔

میں کب کہتی ہوں کہ آپ سے کوئی خطا ہوئی ہے میں نے صرف یہی کہا ہے کہ آپ نے بہت اچھا کیا جو ٹیلیفون نہیں کیا ۔

سروش نے تعجب سے پوچھا ۔

تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو ؟

عروسہ نے آہستہ سے جواب دیا ۔

کچھ نہیں صرف عارفہ آپا کے خیال سے میں ایسا کہہ رہی ہوں ۔ کچھ تو انکا خیال ہونا چاہیئے ۔

سروش نے پھر اسی طرح پوچھا ۔

عارفہ کی وجہ سے تم ایسا اب کیوں کہہ رہی ہو اس سے پہلے تمہیں ایسا خیال کیوں نہیں آیا اور اب جبکہ ....

وہ صرف اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ عروسہ جلدی سے بول اٹھی ۔

بڑی دیر کر دی آفتاب بھائی نے معلوم نہیں کہاں چلے گئے ۔

سروش نے اس کی بات سنتے ہوئے اپنے شانے ہلا کر کہا ۔

عروسہ ان باتوں سے کام نہیں چلیگا ۔ مجھے ٹھیک بتاؤ معاملہ کیا ہے تمہیں

ضرور بتانا ہوگا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم آخری بار ملے تھے تو تمہارا یہ رویہ نہ تھا۔ ٹیلیفون کرنے کا بھی تم نے وعدہ کیا تھا لیکن جب میں تم سے دوبارہ ملنے گیا تو تم نے مجھ سے ملنے سے قطعی انکار کر دیا۔ بغیر کسی وجہ کے مجھ سے ناراض کیوں ہو؟

عروسہ نے جواب دیا۔ ناراض وغیرہ تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ یہ تو محض وہم ہے مگر مجھے ایسی بیکار باتیں پسند نہیں۔

سروش مغموم انداز میں مسکرا کر بولا۔

تمہارے نزدیک یہ بیکار باتیں ہونگی لیکن میرے لئے بہت زیادہ اہم ہیں۔ میں تمہاری ناراضگی کی وجہ ضرور معلوم کروں گا۔

یہ سنکر عروسہ کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ اسوقت سروش سے نظریں نہیں ملا سکتی تھی۔

یکایک وہ کھڑی ہوگئی اور آپ ہی آپ بولی۔

آفتاب بھائی تو آتے نہیں میں جا رہی ہوں۔

یہ کہہ وہ جلدی جلدی باہر آئی۔ سروش بھی اسکے ساتھ باہر آیا موٹر کے پاس پہنچکر دونوں رک گئے۔ سروش نے یکایک اسکا ایک ہاتھ اپنے دونوں میں تھام لیا اور اپنے خاص انداز میں بولا۔

عروسہ خدا کے لئے مجھ سے یوں ناراض نہ ہو۔ مجھے بتاؤ تو سہی کہ میں نے ایسی کیا خطا کی ہے جسکی سزا تم مجھے دے رہی ہو۔ تمہیں یہ معلوم ہے اور اچھی طرح سمجھتی ہو کہ صرف تمہی میری زندگی کا مقصد ہو۔ خدارا مجھے میرا قصور بتا دو۔

لیکن قبل اسکے کہ عروسہ سروش کی بات سمجھ سکے اور کوئی جواب دے آفتاب بھاگتا ہوا وہاں پہنچ گیا اور تیزی سے بولا۔

ارے تم لوگ اتنی جلدی وہاں سے اٹھ آئے کافی اسی طرح میز پر پڑی ہے
خواہ مخواہ اسکا بل ادا کرنا پڑیگا۔
عروسہ نے بھی تو ارے بگڑے تیور سے کہا۔
کمال کر دیا آفتاب بھائی آپ نے! میرا سارا وقت ضائع کر دیا۔ معلوم
ہیں کہاں جا کر بیٹھ گئے تھے۔ میں کہاں تک آپکا انتظار کرتی۔
یہ کہکر وہ لغیر کسی کیطرف دیکھے تو تب تیزی سے کار میں بیٹھ گئی۔

—— x ——

صبح کا وقت ہے عروسہ اپنے کالج گئی ہوئی ہے نوکر چاکر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہیں۔ کلو کمروں کی صفائی کر رہا ہے نعیمہ بیگم جہاندار منزل کے لمبے چوڑے برآمدہ میں دھوپ میں بیٹھی ہوئی ہیں بسردی کا آغاز ہے خوشگوار ہوا چلنی شروع ہو گئی ہے۔ نعیمہ بیگم کے پاس ہی ایک پلیٹ میں بھری مٹھائی رکھی ہے جو شاید کسی نیاز نذر کیلئے آئی تھی۔ نعیمہ بیگم کسی فکر میں غرق ہیں کبھی کبھی مٹھائی کا ایک آدھ ٹکڑا منہ میں ڈال لیتی ہیں اور اپنے ٹوٹے پھوٹے سیاہی مائل ہلتے ہوئے دانت۔ اور زبان کی نوک سے اس کا مزہ لے لیتی ہیں چھوٹی چھوٹی آنکھیں متحرک ہیں اور دماغ کسی گتھی سلجھانے کی فکر میں ہے۔

پیچھے سے کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی انہوں نے مٹھائی کے چھوٹے سے ٹکڑے کو جلدی سے نگل لیا۔ ہاتھ فوراً تسبیح پر بڑھ کر دانوں کا ورد کرنے لگے اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگیں، پیچھے سے حسینہ بیگم سامنے آئیں انہیں دیکھ کر نعیمہ بیگم کھڑی ہو گئیں۔ اور گلے ملتے ہوئے بولیں اے حسینہ کتنے دن بعد آئی ہو تم؟

حسینہ بیگم نے تخت پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ آپا جان کیا کروں اسوقت

بھی مشکل سے آئی ہوں۔ روبح افزا تو خضر سے کالج گئی ہے اور آفتاب اپنے
کسی دوست کیساتھ گیا ہے گھر میں اسکے ابا ہیں۔

نعیمہ بیگم نے کتھا چونا پان پہ لیتے ہوئے کہا کہ

چلو خیر کبھی کبھی تم ہی آجاتی ہو تو دیکھ لیتی ہوں ورنہ میں تو اس گھر سے
نکل ہی نہیں سکتی۔ اگر تالا لگا کر نکلوں تو ایسے بے ایمان نوکر ہیں کہ ان کے
پاس چابیاں تک بنی ہوئی ہیں۔ میرے اپنے پاس کون سے خزانے
رکھے ہیں بس بھیا کے گھر کی ایک ایک چیز پر نگاہ رکھتی ہوں ورنہ کچھ
بھی نہ رہے۔ کیا زمانہ آگیا ہے ایک ہمارے وقت کے نوکر تھے چاہے اپنی
جان جاتی رہے مگر مالک کی کسی چیز میں فرق نہ آئے۔

حسینہ بیگم نے تائید کی۔

ہاں آپا آپ تو بس ایسی پھنسی ہیں اس گھر میں کہ اگر میں نہ آؤں تو آپکی
صورت کو بھی ترسوں۔

نعیمہ بیگم نے ٹھنڈا سانس کھینچ کر جواب دیا۔

کیا بتاؤں میرے نصیب ہی ایسے ہیں خدا رکھے بھیا کی دو لڑکیاں
ہیں لیکن کسی مرض کی دوا نہیں ہیں اے عارفہ تو چلو بچپن سے ہی ایسی ہے
لیکن اس چھوٹی سے بھی تو گھر کا کوئی دھندہ نہیں ہوتا۔ سب پڑے
پڑے کھاتے ہیں۔ میز پر چاروں وقت اچھے سے اچھا کھانے
کو مل جائے۔ بہترین سے بہترین کپڑے پہننے کو مل جائیں انہیں گھر
بار سے کیا مطلب۔ سمجھتی ہیں کہ جب مفت کی لونڈی کام کرنے کو موجود
ہے تو ہم کیوں کریں۔

حسینہ بیگم نے ہاں میں ہاں ملائی۔ ہاں آپا آپ تو اس بڑھاپے میں بھی

ہر وقت کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہیں۔ تھوڑی بہت تو عروسہ سے بھی گھر کے
کاموں میں مدد لیا کیجئے۔ اب وہ بچی نہیں ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو اپنا گھر بار
کیسے سنبھالیگی۔

نعیمہ بیگم نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ نا بابا۔ بھلا اس سے کون
کچھ کہہ سکتا ہے۔ مجال ہے جو کبھی کمرے سے باہر بھی نکلے جب ناشتہ
کھانا میز پر یہ لونڈی لگوا دیتی ہے تو آکر نوش فرما لیتی ہیں مجھ سے تو
بات تک نہیں کرتی۔ باپ کا اتنا لاڈ پیار ہے کسی کچھ پوچھو نہیں
جب سے خدا رکھے عارفہ سدھاری ہے۔ وہ ہر وقت اسکا منہ تاکتے دیکھتے
رہتے ہیں کمروں کا فرنیچر نیا بنوا کر دیا ہے۔ روزانہ ایک سے ایک فیشن کے
کپڑے سل کر آتے ہیں مگر پھر بھی لڑکی کا منہ سیدھا نہیں ہوتا۔ نگاہ اٹھا کر
دیکھنا اپنی ہتک سمجھتی ہے اگر کوئی بات کرو تو اسے جواب دینا مشکل ہوتا ہے

حسینہ بیگم نے گردن ہلا کر کہا۔ بھابھی نے معلوم نہیں کیا کیا ہمارے خلاف
سکھا پڑھا رکھا ہوگا وہی اسکے طور طریقے ہیں جو اسکی ماں کے تھے۔

نعیمہ بیگم نے کہا۔ اور کیا یہ سب ماں کا ہی کیا دھرا ہے۔

حسینہ بیگم نے گردن ہلا کر جواب دیا۔ دیکھ لو مرتے مر گئیں لیکن کبھی یہ نہ ہوا
کہ ہم سے آکر ملتیں وقت کچھ سمجھتی ہی نہ تھیں ہمکو تو۔

نعیمہ بیگم نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔ جیسے بڑے نواب صاحب کی تو
وہ صاحبزادی تھیں۔ موئے ہیڈ ماسٹر کی لڑکی پر بھاگ جو لگا دیئے تھے
نا ہم نے۔ سیر کی ہنڈیا میں سوا سیر جو پڑا تو ابل پڑی۔ وہ کیسے اپنی حد
میں رہتیں اب لڑکی کے گن دیکھ لو۔

حسینہ بیگم کچھ سوچتے ہوئے

ہاں دیکھئے گا میں کیسا ٹھیک کرتی ہوں۔ ذرا آجائے میرے اختیار میں اے آپا آپ نے بھائیجان کا عندیہ تو لیا ہوتا۔

نعیمہ بیگم مسکرا کر بولیں۔ ہاں میں ایک مرتبہ ذکر کر چکی ہوں۔

حسینہ بیگم نے اشتیاق سے پوچھا۔ تو کیا کہا بھائیجان نے؟۔

نعیمہ بیگم نے کہا۔ جواب تو کچھ نہیں دیا بس گول کر گئے۔ میں خوب اچھی طرح سمجھایا کہ غیروں میں رشتہ کرنا ہمارے یہاں درست نہیں ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے۔ بھیا کی نظر میں کوئی لڑکا ضرور ہے میں نے بہت پوچھا چاہا مگر انہوں نے کچھ بتایا ہی نہیں میرے پاس کون ایسا بیٹھا ہے جس سے یہ معلوم کروں کہ ان کے پاس کون آتا ہے۔

حسینہ بیگم پھر سوچتے ہوئے بولیں۔ آپا میں تو یہ چاہتی ہوں کہ آفتاب اور فرزانہ کی بے تکلفی بڑھ جائے اسی وجہ سے روزانہ اس کو یہاں بھیجتی ہوں کہ لڑکی کو شام کو یا رات کو اپنے ساتھ ادھر ادھر گھمانے پھرانے لیجایا کرے

نعیمہ بیگم مسکرا کر بولیں۔ ہاں حسینہ یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر تمہارا لڑکا ایسا سیدھا سادا فرشتہ قسم کا ہے کہ ذرا ہمت نہیں کرتا اگر وہ جانے سے انکار کر دیتی ہے تو زبردستی نہیں کر سکتا۔ اس سے کیا امید رکھی ہوا ہے؟

ہاں آپا ٹھیک کہتی ہیں آپا وہ تو ایسا نیک ہے کہ بات کرنے میں بھی شرماتا ہے۔

نعیمہ بیگم نے سمجھایا۔ دیکھو یہ انکی غلطی ہے تم اسکو خوب ذہن نشین کراؤ کہ یہ لڑکی صرف تمہاری ہے جس طرح چاہو اس سے برتاؤ کرو کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن ایک لڑکی کو مٹھی میں کرنا کونسا مشکل کام ہے بس لڑکا مضبوط ارادے کا اور ہمت والا ہونا چاہیے بعد میں کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں

نے آخر دنیا دیکھی ہے اپنے فائدہ کے لئے سب کچھ جائز ہے اسکے علاوہ ہمیں یہ بھی تو ثابت کرنا ہے کہ وہ کس ماں کی بیٹی ہے ذرا بھیا کو بھی تو معلوم ہو کہ نیچ گھرانے میں شادی کرنیکا کیا پھل ہوتا ہے؟

حسینہ بیگم نے جوابدیا۔ جی ہاں میں سمجھتی ہوں اور یہی میں نے آفتاب کو بھی سمجھا رکھا ہے کہ ذرا میل ملاپ بڑھ جائے تو دیکھنا سب کر گذرونگی ابھی تو خوشامد درآمد ہی سے کام چلیگا اور جب دیکھونگی کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلتا تو پھر اسکی بھی ترکیب کرونگی۔

نعیمہ بیگم نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔ دیکھو حسینہ لڑکی ہاتھ سے نہ جانے پائے، میں کہے دیتی ہوں دن رات دیکھتی ہوں اس کے رنگ جسدن وہ بیاہ کے خوش بخت کے ساتھ آئی تھی ماتھا میرا اسی دن ٹھنکا تھا بھلا آزادی کی حد ہے غیر مرد کے ساتھ اکیلے آتے شرم نہ آئی اسکول میں یہ آزادی باپ نے دے رکھی ہے میں کہتی ہوں کہ تم کسی دن آکر باقاعدہ بھیا کو پیغام دو۔

حسینہ بیگم نے مسکرا کر گردن ہلائی۔

ہاں آپا پہلے دونوں کا میل جول خوب بڑھ رہا۔ نہ پھر پیغام سلام بھیجا کچھ دونگی۔ اور ہاں کیا شبہ ہوا تھا آپکو جب وہ خوش بخت کیساتھ آئی تھی کیا خوش بخت نے پھر آنا جانا شروع کر دیا۔

نعیمہ بیگم نے گردن ہلا کر جواب دیا۔ مجھے خبر نہیں اور نہ میں نے سنا کہ وہ یہاں آیا ہے مگر لڑکی کا بھروسہ کیا ہے کالج جاتے آتے مل سکتی ہے حد درجہ کی آزاد ہے اپنی ماں کیطرح۔

حسینہ بیگم نے سر ہلا کر کہا۔ ہاں آپ ٹھیک کہتی ہیں ایک میری روح افزا ہے بہتیرا کہتی ہوں کہ سرو شی خوش بخت سے ہاں ہو آخر لیکن وہ ٹال جاتی ہے

سمجھتی ہے کہ سروش اسکول پسند کرتا ہے اسلئے مارے شرم کے نہیں جاتی جب وہ آتا ہے تو نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتی۔ آپا میرے تو دونوں ہی بچے ایسے ہیں میں کیا کروں۔

نعیمہ بیگم نے جوابدیا۔

دیکھو میں کہتی ہوں لڑکی کی بات تم جلد خوش بخت سے پکی کر لو۔ ایسا لڑکا ملنا مشکل ہے وہ بیچارا ابھی بہت سیدھا سادہ ہے ممکن ہے بھتیجی صاحبہ اسپر ڈورے ڈالیں آٹھ نو گھنٹے اسکے ساتھ کار میں تنہا آتی ہے۔

دونوں بہنیں دیر تک آہستہ آہستہ اسی طرح کی باتیں کرتی رہیں گلو کمرے میں صفائی وغیرہ کر رہا تھا۔ اس نے جو دونوں کو آہستہ آہستہ باتیں کرتے سنا تو کواڑ کے پیچھے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اور باتیں سنکر مسکراتا رہا۔

حسینہ دن بھر بھائی کے گھر رہیں کھانے پر جب بیٹھیں تو توفیق احمد کو مخاطب کر کے بولیں۔ بھائیجان عزیزہ بہت کمزور ہو رہی ہے رنگت بھی پہلے جیسے نہیں رہی۔

نعیمہ بیگم فوراً بول اٹھیں۔ یہ آجکل کی پڑھائی جو ہے بچوں کا کچومر نکال دیتی ہے۔ موٹی موٹی کتابیں دیکھ کر مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ انہی بچوں کی ہمت ہے جو پڑھ لیتے ہیں۔

توفیق احمد بولے۔ بیٹی اتنی محنت نہ کیا کرو صحت خراب ہو جائے گی۔ تندرستی سے بڑھکر کوئی چیز نہیں ہے۔

حسینہ بیگم نے موقع غنیمت جانکر کہا۔ ہاں بھائیجان میرے خیال سے تو اسکا پڑھنا چھڑوا دیا جائے۔ خدا رکھے بی اے تو پاس کر چکی ہے خدانخواستہ نوکری تو کرنی نہیں جو بچی اسقدر جان کھپائے۔

پھر عروسہ کی طرف دیکھ کر اضافہ کیا۔

بیٹی تم روزانہ شام کو گھومنے پھرنے جایا کرو۔ دیکھو نا لڑکیاں کیسی بے دھڑک ہر جگہ آتی جاتی ہیں کہیں پکنک ہو رہی ہے کہیں پارٹی جائی جا رہی ہے کہیں تھیٹر جا رہی ہیں ٹینس بول رہی ہیں۔ طرح طرح سے تفریح کرتی ہیں تو صحت بھی اچھی رہتی ہے۔

توفیق احمد نے بھی بہن کی تائید کی۔ وہ انہیں کی لڑکی کے فائدے کو کہہ رہی تھیں لیکن عروسہ انکی ہمدردی کو خوب سمجھتی تھی وہ صرف مسکرا کر خاموش ہو گئی اور کلو بھی کھڑا مسکراتا رہا۔

شام جب حسینہ بیگم اپنے گھر پہنچیں تو سر سے پیر تک فکر میں غوطہ کھائے ہوئے تھیں۔ دن کو نعیمہ بیگم کی باتوں سے انہیں بڑا کھٹکا ہو گیا تھا انہوں نے سوچا واقعی یہ انکی اپنی غلطی تھی۔ جو بیاڑ سے انہوں نے عروسہ کو تنہا سروش کیساتھ بھیجدیا۔ انہیں روح افزا کو ضرور ساتھ بھیجنا چاہئے تھا۔

جسقدر وہ سب یہ سوچ رہی تھیں۔ ان پر حالات اور زیادہ روشن اور واضح ہو رہے تھے کہیں حقیقت میں عروسہ کا سروش کے ساتھ تنہا سفر کرنا نازک اور پیچیدہ صورت نہ اختیار کر جائے۔ وہ بیچینی سے آفتاب کا انتظار کرنے لگیں۔ تاکہ اسپر اپنے اندیشے ظاہر کریں اور احتیاطی کارروائی کرنے کو کہیں وہ خوب سمجھتی تھیں کہ آفتاب حد درجہ کا لاپرواہ اور عیاش لڑکا ہے اسپر جبتک زور نہیں دیا جائیگا وہ قطعی اپنی طرف سے کچھ نہیں سمجھ سکتا کیونکہ آفتاب میں عقل کی بھی تھوڑی کمی تھی۔ اسوقت حسینہ بیگم کو دو طرح کی فکر تھی۔ اوّل تو عروسہ کی فکر جو توفیق احمد کی آدھی دولت کی مالک تھی یعنی ایک سونے کی چڑیا تھی۔ دوسری طرف وہ سروش کی بیحد گرویدہ تھیں۔

وہ بھی ان کی نظروں میں اچھا خاصا سونے کا انڈا یا اس سے بھی زیادہ تھا جسکو مسلّم نگل جانا چاہتی تھیں۔ اس کی شکل و صورت چال ڈھال، وضع قطع، تہذیب و اخلاق کی وہ دل سے مداح تھیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے روح افزا کے لئے کوئی اور لڑکا تلاش نہیں کیا تھا سروش انہیں از سر تا پا پسند تھا وہ اس کو کسی نہ کسی ترکیب سے اپنے چنگل میں پھنسانا چاہتی تھیں۔ جب کبھی وہ ان کے گھر آتا فوراً روح افزا کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتیں اول تو روح افزا خود ہی سروش کو دیکھ کر بننے سنورنے اپنے ڈریسنگ روم میں گھس جاتی لیکن پھر بھی حسینہ بیگم اسپر تنقیدی نظر ڈالتیں۔

اپنی آنکھوں کے کاجل کا ذرا بناؤ۔ ادھر آؤ میں ٹھیک کروں اور یہ قمیص کیوں پہنی ہے وہ شیشہ کے پیپ والی پہنی ہوتی اور ساٹن کی شلوار کیوں نہ پہنی۔ ذرا اپنے رخساروں پر سرخی تو لگاؤ۔ یہ سب چیزیں آخر کس دن کیلئے آئی ہیں لڑکی میں ذرا بھی تو عقل نہیں ہے اور لڑکیوں کو دیکھ کر بھی نہیں سیکھتیں۔

غرضکہ اسی طرح وہ اپنے اعتراضات کی بوچھار کرتیں اور روح افزا مسکرا مسکرا کر انکے حکم کی تعمیل کرتی۔ اور نک سک سے درست ہو کر سروش سے ملتی۔ حسینہ بیگم کی یہی کوشش ہوتی کہ کسی نہ کسی طرح دونوں کو تنہائی میں بات کرنیکا موقع دیں۔

وہ کبھی کہتیں۔ لے جاؤ روح افزا سروش بھیا کے ساتھ ذرا بازار ہو آؤ۔ یا فرماتیں۔ آج تو تم دونوں سنیما دیکھ آؤ۔ روحیہ مجھ سے لومش اپنے بچوں کا خیال نہیں کرونگی تو کون کریگا۔ مجھے وہ جہالت کی باتیں ایک آنکھ

نہیں بھاتیں کہ لوگ اپنے بچوں کا سنیما دیکھنا پسند نہیں کرتے ۔

وہ سرزنش کے آجانے پر اس قسم کی باتیں ضرور کیا کرتی تھیں اور مہروش طرح طرح کے بہانے تلاش کر کے انکی ایسی فرمائشوں سے گریز کرتا تھا ۔

وہ بڑی کشمکش و پیچ میں تھیں رات کے گیارہ بجے آفتاب واپس آیا تو انہوں نے اس کے کمرے میں قدم رکھتے ہوئے کہا ۔

بیٹے تم کہاں رہ گئے تھے میں تو پریشان ہو رہی تھی ۔؟

آفتاب نے کچھ بے تکلفی سے جواب دیا ۔ رہ کہاں جاتا ہاسٹل میں عشرت کیسا تھا پڑھ رہا تھا آپکو کیوں فکر ہوئی ؟

حسینہ بیگم نے پیار سے اسکی پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

اچھا تم کھانا کھا لو مجھے تم سے کوئی بات کرنی ہے ۔

آفتاب نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا ۔

کھانا تو میں کھا چکا ہوں اب مجھے نیند آرہی ہے ۔

حسینہ بیگم بستر پر آفتاب کے پاس بیٹھتے ہوئے بولیں ۔

آج میں جہاندار منزل آپا جان کے پاس گئی تھی......

آفتاب نے انکی بات کاٹ کر کہا ۔

تو پھر میں کیا کروں خالہ اماں نے کوئی نئی فرمائش کر دی ہوگی جسے پورا کروانے آپ میرے پاس آئی ہیں ۔

حسینہ بیگم نے لمبا سانس بھر کر جواب دیا۔ نہیں بیٹا وہ بیچاری کونسی فرمائش کرتی ہیں انہوں نے اپنی دنیا ہی تج دی ہے ۔ تم بیشک اپنی جان چھڑاکتی ہیں وہ کہتی ہیں کہ آفتاب بہت کم آتا ہے اس کو دیکھنے کو میرا دل بہت

چاہتا ہے۔ ارے بٹیا ضروری کام سمجھ کر ہی روز شام کو جہاں نما منزل ہو آیا کرو۔ یہ بھی ایک فرض ہے جب تم اسطرح دور دور رہو گے تو عروسہ تم سے کسطرح بے تکلف ہوگی۔ وہ تو ہے ہی تمہارے نام کی۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری اس سے بے تکلفی اور تعلقات اس درجہ بڑھ جائیں کہ یہ کسی کو کہنے سننے کا موقعہ نہ ملے۔ جبتک آپس میں محبت نہ ہو شادی کا کیا خاک لطف ہے لیکن تم کچھ سمجھتے ہی نہیں۔

آفتاب مسکرا کر بولا۔ اماں جان میں اکثر بلکہ تقریباً روزانہ وہاں جاتا ہوں لیکن عروسہ مجھ سے اسقدر شرماتی ہے کہ کھلکر بات نہیں کرتی۔

حسینہ بیگم نے تڑ کہ لگایا۔ ہاں بٹیا اسی لئے تو کہتی ہوں کہ آخر تم سے کیوں شرماتی ہے ؟ تم اسکو لیکر ادھر ادھر چلے جایا کرو۔ اور اسکو خوب تفریح کراؤ۔ یہ آجکل کی لڑکیاں تفریح کرانے والوں سے زیادہ خوش رہتی ہیں جسقدر روپے کی ضرورت ہو مجھ سے لے لو۔ آخر تمہارے کام نہ آیا تو کس کام کا۔ عروسہ کو تو میں نے تمہارے لئے بچپن سے ہی منتخب کر لیا تھا۔ بھائیجان سے پیدا ہوتے ہی مانگ چکی ہوں۔ وہ تمہاری ہی ہے تم چاہے پسند کرو یا نہ کرو اُس کی شادی تو تمہی سے ہوگی۔ اپنے نام کی چیز پر پورا اختیار ہوتا ہے کسی کی مجال نہیں جو اعتراض کرے اور ہاں میں کہتی ہوں سرورش سے اسکا ملنا جلنا ٹھیک نہیں ہے۔

آفتاب نے کچھ حیرت سے پوچھا۔ سرورش سے ملنا جلنا کیا مطلب میں سمجھا نہیں ؟ ...... اچھا آپ ٹھیک کہتی ہیں اچھا اب میں صاف طور سے سرورش سے کہدونگا آپ فکر نہ کریں۔ اس کی یہی عادت ہے کہ جس لڑکی کو دیکھ لیتا ہے اسکے آگے پیچھے پھرنے لگتا ہے۔

حسینہ بیگم جلدی سے بولیں۔ نہیں بیٹا کہیں ایسا غضب نہ کرنا کہ وہ ہماری طرف سے بدظن ہو جائے میں تو اسے راہ راست پر لانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ آخر تمہیں بہن کا بھی خیال ہونا چاہیئے۔ سروش سے اچھا لڑکا ملنا بہت مشکل ہے۔ اس سے ایسی ویسی کوئی بات نہ کرنا۔ البتہ کوئی ایسا انتظام کرو کہ وہ دونوں آپس میں نہ ملنے پائیں۔

آفتاب نے سوچتے ہوئے کہا۔ اچھا پھر کوئی اور ترکیب کروں گا۔

بڑی دیر تک دونوں ماں بیٹے باتیں کرتے رہے۔ حسینہ بیگم نے آفتاب کو یہ اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا کہ وہ عروسہ کا حقدار ہے وہ اسی کی ہے اور اس کے کسی بھی عمل سے کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ بلکہ جتنے دونوں کے تعلقات گہرے ہونگے اتنی ہی بات پختہ سمجھی جائے گی۔

اب آفتاب بہت کچھ سمجھ چکا تھا۔ اور بڑا مطمئن تھا۔ اسکو بزرگوں کی جھجک ضرور تھی لیکن جب ماں نے اسکو سارے اختیارات دیدیئے تھے تو وہ بالکل اپنے آپ کو عروسہ کا مالک و مختار سمجھنے لگا۔ نعیمہ بیگم و حسینہ بیگم توفیق احمد کو محض ایک کاٹھ کا الو سمجھتی تھیں جو آنکھ کا اندھا اور گانٹھ کا پورا ہو۔ وہ سمجھتیں تھیں کہ جس طرح چاہیں گی تصویر کا رخ انکی طرف پھیر دینگی اور انہیں حسب عادت کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

— x —

توفیق احمد نے عروسہ کے کمرے میں داخل ہو کر تار کا لفافہ میز پر ڈال دیا۔ عروسہ بیٹھی ہوئی کچھ لکھ رہی تھی باپ کو دیکھ کر چونکی اور کھڑی ہو گئی اور انہیں دیکھنے لگی۔ توفیق احمد کے چہرے سے گھبراہٹ اور پریشانی ٹپک رہی تھی انہوں نے عروسہ سے کہا۔

دیکھو عروسہ یہ تار جلپنیوا سے آیا ہے عارفہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے ڈاکٹر نے تار دیا ہے مجھے فوراً بلایا ہے۔

یہ کہتے کہتے انکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آواز گلوگیر ہو گئی اور ہونٹ کپکپانے لگے۔ عروسہ مبہوت کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے انکو دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حالات کو سمجھ کر بولی۔

ابا جان عارفہ آپا کو کیا ہو گیا ہے ابھی پرسوں ہی تو انکا خط آپکے پاس آیا تھا۔؟

توفیق احمد نے جواب دیا۔ لو یہ تار پڑھ لو۔

عروسہ نے جلدی سے ان کے ہاتھ سے تار لیکر پڑھا اسمیں لکھا تھا عارفہ کو ڈپتھیریا ہو گیا ہے وہ ہسپتال میں ہیں آپ فوراً آئیں۔

تار پڑھکر عروسہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

ابا جان آپ فوراً چلے جائیے معلوم نہیں آپا کی کیا حالت ہوگی وہ آپکو بہت یاد کررہی ہونگی۔

یہ کہتے ہوئے اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

توفیق احمد بولے۔

ہاں بیٹی اب جاتا ہوں۔ جلد پاسپورٹ وغیرہ تیار کرا کے روپے اور ہوائی جہاز کی سیٹ کی بھی کوشش کرنی ہے۔ میں نے عارفہ کو تنہا جانے سے بہت منع کیا تھا لیکن وہ نہ مانی اب دیکھو نہیں کتنی پریشانی ہورہی ہے۔

عروسہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اس نے بمشکل کہا۔

ابا جان! خدارا آپ جلدی جائیے۔ اور پاسپورٹ وغیرہ کی کوشش کیجیئے۔ بیچاری آپا اجنبی ملک میں بہت پریشان ہونگی۔ خدا کرے انکی طبیعت سنبھل جائے۔

توفیق احمد نے اسکو تسلی دی۔

ہاں بیٹی اب جاتا ہوں تم پریشان نہ ہو خدا نے چاہا تو وہ ٹھیک ہوجائے گی۔ سب سے بڑا ڈاکٹر خدا ہے اگر اس نے چاہا تو سب ٹھیک ہوجائیگا۔

عارفہ کی بیماری کی خبر آناً فاناً سارے گھر میں پھیل گئی۔ اور شام تک حسینہ بیگم کے گھر میں بھی پہنچ گئی۔ وہ سنتے ہی معہ آفتاب اور روح افزا کے آن پہنچیں عروسہ بیحد پریشان تھی۔ وہ چاہتی تھی کسی نہ کسی طرح توفیق احمد اس کے پاس جلد پہنچ جائیں۔ شام کو وہ انکے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی دینے

کی کوشش کرنے لگیں۔ عارفہ کی بیماری کی خبر سے وہ بالکل بوکھلا گئے تھے عروسہ انکی حالت دیکھ کر پریشان تھی۔ ماں کے بعد سے وہ اب باپ کے دم کو بہت غنیمت سمجھنے لگی تھی۔

نعیمہ بیگم نے توفیق احمد کو پریشان دیکھ کر تسبیح کے دانے جلدی جلدی گھمانے شروع کر دیئے اور ٹھنڈی آہوں میں خود بخود بڑبڑائیں۔

الٰہی تو بچی کی خیریت جلد سنا میں تو تیرے نام کا صدقہ دونگی۔ محتاجوں کو کھانا کھلاؤں گی۔

حسینہ بیگم نے لقمہ دیا۔

ہاں آپا خدا تمہاری دعا سن لے تم بہت پاک و معصوم عبادتگذار ہو۔ خدا بھائی جان کو بخیریت عارفہ کی صورت دیکھنی نصیب کرے جب سے سنا ہے دل تڑپ رہا ہے پردیس میں بچی کیسی بیمار پڑ گئی۔ جہاں نہ کوئی اپنا نہ بیگانہ۔

نعیمہ بیگم نے پھر آہ سرد بھری اور کہا

ہاں یہ تو سب تقدیر کی پریشانیاں ہیں جو ہو کر رہیں گی۔ اور جتنی بھیا کو تکلیف اٹھانی ہو گی اٹھائیں گے خدا ان کے حال پر رحم کیے انہوں نے آج تک کوئی سکھ ہی نہ دیکھا۔

بڑی دیر تک توفیق احمد کے سامنے دونوں بہنیں ایسی ہی باتیں کرتی رہیں۔

رات کافی گذر چکی تھی بارہ بجے ہونگے عروسہ اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی نیند کا کہیں پتہ نہیں تھا وہ سوچ رہی تھی عارفہ جنیوا میں بیمار ہیں اور سرکش خوش بخت کو خبر نہیں۔ جانے اسکی حالت سنکر بھی ان پر کوئی اثر

اثر ہو گا یا نہیں۔ ممکن ہے عارفہ کی حالت جان کر ان کے دل کی دبی ہوئی چنگاری سلگ جائے۔ ایسے سنگدل تو نہیں معلوم ہوتے افسوس سروش تم میرے خیالوں کے بالکل برعکس نکلے مجھے معلوم نہیں تھا تم ایسے ہو۔ عارفہ بے چاری تنہائی میں یقیناً تمہیں یاد کرتی ہوں گی۔ تم کو اس کے پاس ضرور جانا چاہیئے کچھ تو اپنے گذرے ہوئے زمانے کا خیال کر لو۔ تمکو ایسے وقت میں اپنی ضد چھوڑ دینی چاہیئے۔

وہ بڑی دیر تک یونہی سوچتی رہی پھر اسکو خیال آیا۔

سروش کو معلوم ہی کیا کہ عارفہ بیمار ہے انہیں خبر کون کر سکتا ہے اور سوائے میرے ان دونوں کے آپس کے تعلقات کی کسی کو خبر نہیں ہے یہ راز تو صرف میں جانتی ہوں ابا جان تک کو نہیں معلوم۔

پھر اسکے دل نے کہا۔

عروسہ اسوقت تو اور باتیں بھول جا اور سروش کو عارفہ کی بیماری سے آگاہ کر۔ یہ تیرا فرض ہے سوائے تیرے کوئی اس حقیقت سے باخبر نہیں ہے اٹھ جلدی۔

یہ سوچتے ہوئے عروسہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ دبے قدموں توفیق احمد کے آفس میں پہنچی۔ اور ٹیلیفون پر سروش کا نمبر ملانے لگی پھر ریسیور کان سے لگا کر کھڑی ہو گئی۔ لیکن کوئی سن نہیں رہا تھا۔ خاموشی میں گھنٹی بجے جا رہی تھی۔ آخر پانچ منٹ لگاتار گھنٹی بجنے کے بعد سروش کی کی خواب آلود بھاری سی آواز اسکے کانوں میں آئی۔

ہلو کون صاحب ہیں۔ کہاں سے بول رہے ہیں؟

اسکی آواز اپنے کانوں کے اسقدر قریب سنکر عروسہ کا دل اچھلنے لگا آواز حلق میں پھنس گئی اور بول نہ سکی۔

سروش کی آواز پھر آئی

ہلو۔ہلو۔کون صاحب ہیں؟

عروسہ نے ہمت کرکے بمشکل کہا۔

میں عروسہ بول رہی ہوں۔

سروش کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا اور اس نے گھبراکر پوچھا

پھر سے کہئے آپ نے کیا نام بتایا میں سمجھا نہیں۔

عروسہ نے کہا۔میں عروسہ جہانداد بول رہی ہوں۔

سروش حیرت سے بولا۔

عروسہ تم اسوقت۔خیریت تو ہے کیا بات ہے جو تم نے اسوقت تکلیف کی؟

عروسہ بولی۔

مجھے خود افسوس ہے کہ ایسے ناوقت آپکو پریشان کیا لیکن میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آج اباجان کے پاس تار آیا ہے جنیوا میں دادا جان سخت بیمار ہیں۔اباجان کو فوراً بلایا ہے۔میں نے سوچا کہ یہ میرا فرض ہے کہ آپکو باخبر کردوں۔

سروش کی کچھ بجھی سی آواز آئی۔مجھے یہ سنکر واقعی بہت افسوس ہوا میں آپ لوگوں کی کیا مدد کرسکتا ہوں؟

یہ جواب سنکر عروسہ کچھ جھینپ سی گئی

شکریہ ویسے ہمیں کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے مگر میں نے سوچا شاید

سمجھکر آپ کو اطلاع دی ہے باقی آپ خود سمجھتے ہیں۔

سروش نے جواب دیا۔

واقعی مجھے بڑی فکر ہو گئی ہے آپ اور آپ کے والد صاحب بہت پریشان ہونگے میرے خیال سے آپ کو جلد عارفہ کے پاس چلے جانا چاہئیے۔ کہیں کرنسی وغیرہ کی تو گڑبڑ نہیں ہو رہی ہے؟

عروسہ نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

جی نہیں ابا جان۔ پاسپورٹ وغیرہ کی کوشش کر رہے ہیں امید ہے ایک ہفتہ کے اندر اندر چلے جائیں گے۔ خدا حافظ

یہ کہکر اس نے ٹیلیفون بند کر دیا۔ اور اپنے کمرے میں آگئی وہ بستر پر لیٹ کر سوچنے لگی کہ سروش نے عارفہ کی بیماری کا ذکر سنکر کوئی خاص اثر کیوں نہیں لیا۔ معمولی افسوس و فکر ظاہر کی۔ اور وہ بھی اس لئے کہ میں اور ابا جان پریشان ہیں سمجھ میں نہیں آتا مرد اتنی جلد اپنا ماضی کیوں بھول جاتا ہے؟ اور میرے پاس تو اسکے اپنے ہاتھ کا لکھا خط موجود ہے وہ دکھادوں تو کیسے انکار کرینگے۔

رہ رہ کر سروش کی بھاری آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی اس نے عروسہ کی آواز سنکر کسی قدر حیرت اور خوشی سے بات کی تھی لیکن پھر عروسہ کا لب و لہجہ سمجھ کر اس کی آواز بجھ گئی۔ اور وہ اوپری دل سے رسمی باتیں کرنے لگا۔

یا خدا سروش کو مجھ سے کیوں اتنا لگاؤ ہے یا یہ اسکی فطرت ہی ہے عارفہ کے شوہر ہوتے ہوئے بھی ایسی باتیں کرتے ہیں اور پھر اس نے سوچا۔ کاش سروش تم ایسے نہ ہوتے تمہارا باطن بھی ظاہر کیطرح صاف

دھمکدار ہوتا افسوس تم بزدل ہو۔ تم نے خواہ مخواہ ایک لڑکی کی زندگی برباد کی اور اب ..... اور اب میری بھی کر رہے ہو۔

وہ اچھی طرح سمجھ چکی تھی سروش کے خیال کو چھوڑ دینا اسکو بھول جانا اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اب وہ قطعی ناامید تھی اور جانتی تھی کہ یہ روگ تمام زندگی لگا رہے گا۔ اور وہ خود بھی اس میٹھے میٹھے درد اور کسک میں ایک لطیف قسم کا سکون محسوس کرنے لگی تھی۔ اگر وہ نہیں مل سکتا تو کیا ہوا؟ اس کی یادوں کے میٹھے درد کو ہی وہ اپنے کلیجے سے لگائے رہے گی۔ اسی کے سہارے زندگی گزار دے گی۔ وہ اپنی بے بسی اور مجبوری پر سسکیاں لینے لگی۔ اس کے دل کو کسی طرح قرار نہ تھا۔ دل جل رہا تھا اگر آنسو بہہ جاتے تو شاید یہ آگ کچھ سرد پڑتی۔

لیکن وہ اپنے دل کی دہکتی ہوئی چنگاری کو بجھانے میں کامیاب نہ ہو سکی اس کا دماغ بوجھل تھا۔ اس کی رگ رگ دکھ رہی تھی اسکا جی چاہ رہا تھا کہ دیوار سے سر ٹکرا دے اور پھر اسے کسی بات کا ہوش نہ رہے وہ بالکل غافل ہو جائے۔ یہاں تک کہ اپنے وجود کی بھی اسے خبر نہ رہے۔

توفیق احمد جہاندار دولت مند آدمی تھے۔ اسی کے سہارے انسان عزت آبرو، اثر و رسوخ سب کچھ خرید لیتا ہے ان کا بھی یہی حال تھا وہ بھی دولت کے سہارے یہ سب چیزیں حاصل کئے ہوئے تھے بلکہ وہ تو شہر کے برگزیدہ شخصیات میں سے تھے۔ بچہ بچہ ان کے نام سے واقف تھا۔ شہر کا ہر چھوٹا بڑا افسر انکی کوٹھی پر مدعو ہو چکا تھا وہ شہر کے ملنے ہوئے

رئیس تھے۔ اور چونکہ آدمی بہت سنجیدہ اور ملنسار تھے۔ کسی سے دبکا ڈکا بیر نہ
رکھتے تھے ہر ایک کی ہاں میں ہاں ملانا انکا شیوہ تھا۔ اسی وجہ سے ہر دلعزیز
بھی تھے۔ چند روز کی دوڑ دھوپ کے بعد وہ جنیوا جانے کیلئے تمام ضروری
چیزیں مہیا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہزار کی جگہ پانچ ہزار خرچ ہوئے
لیکن ان کا کام ہو ہی گیا۔ کیسے نہ ہوتا سب افسران کی امارت سے
مرعوب تھے انکی بدولت اپنے بھی متعدد کام نکلتے تھے۔

ان کے جانے سے ایک روز قبل حسینہ بیگم معہ سازوسامان کے
جہانداد منزل آگئیں تاکہ باپ کے جانے کے بعد عروسہ نہ گھبرائے۔ لیکن عروسہ
دل ہی دل میں گھٹ کر رہ گئی۔ انکے آنے سے باپ کی جدائی اور عارفہ کی
پریشانی بھی رفو چکر ہو گئی۔ اس کے دل و دماغ میں تو بس روح افزا
اور آفتاب بھرنے لگے۔ جو اب اس کے ساتھ سایے کیطرح پیچھے
لگے رہیں گے۔ آفتاب جتنا اس پر اپنا حق جتاتا عروسہ کو اس سے
اتنی ہی چڑھ ہو گئی تھی۔ اس خیال سے وہ لرز گئی کہ اب اس گھر میں
آفتاب کا دور دورہ ہو گا۔ لیکن وہ مجبور تھی اس لئے زبان سے کچھ نہ
کہہ سکی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی باپ کے جانے کے بعد وہ بپھرے ہوئے
طوفان کے درمیان تنہا رہ جائے گی۔ اسکا کوئی ہمدرد نہ ہو گا سب مطلب
کیلئے اپنی ڈفلی اور راگ الاپیں گے۔ اسکے ساتھ کسی کو ہمدردی نہ ہو گی
وہ تو سب کی حرص آلود نگاہوں کی مرکز ہو گی۔ لیکن وہ کر ہی کیا سکتی تھی
باپ کا جانا بیحد ضروری تھا چلتے وقت توفیق احمد کے گلے لگ کر
خوب روئی وہ ضبط نہ کرسکی تھی۔ پھوپھیوں نے بہت تسلی دی۔ محبت
بھرے الفاظ کہے اور دلاسا دیا۔ اس نے سوچا کاش ان لوگوں کو

توفیق احمد کو جنیوا گئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا تھا۔ لیکن ابھی تک ان کے پہنچنے کی اطلاع نہیں آئی تھی عروسہ بہت بے چین تھی اندر ہی اندر اسکی طبیعت گھبراتی تھی۔ اور جب تک توفیق احمد کا تار نہیں آگیا وہ کالج بھی نہیں گئی۔ تار میں عارفہ کا حال بھی لکھا کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔

تار پڑھکر اسکی جان میں جان آئی۔

اس دوران حسینہ بیگم کا رویّہ اسکے ساتھ بچوں جیسا تھا۔ وہ اس کو ایسے بہلاتیں جیسے کوئی ننھے بچے کو بیوقوف بناتا ہے آفتاب کو بھی انہوں نے منع کر دیا تھا کہ ابھی کچھ دن وہ ذرا بے تعلق ہی رہے۔ تو بہتر ہے۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جائیگا۔ ابھی تو گھبرائی ہوئی ہیں سال چھ مہینے سے پیشتر تو آئیں گے نہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے پندرہ بیس روز خاموش رہو۔

روح افزا بھی ہر وقت اس سے یونہی چونچلوں کی باتیں کیا کرتی تھی عروسہ خوب سمجھ رہی تھی کہ اس مہربانی اور پیار کے پردے میں ضرور کوئی بات پوشیدہ ہے وہ خود کو پیار و محبت اور مہربانیوں کے جال میں جکڑا ہوا

محسوس کرنے لگی۔ اسکا دم گھٹنے لگتا۔ گھر میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جس سے کھلکر بات کرتی۔ اسکے لبوں پر مہر خاموشی تھی لیکن آنکھیں اور کان کھلے ہوئے تھے۔ ایکدن دن

ایک دن صبح صبح وہ کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ کہ دوسرے کمرے میں ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔

عروسہ نے کلو سے کہا

دیکھنا کسکا فون ہے؟

تھوڑی دیر بعد کلو نے آکر کہا۔ بی بی آپ کو کوئی صاحب ایک منٹ کیلئے فون پر بلا رہے ہیں۔

یہ سنکر روح افزا ٹیلیفون سننے کیلئے چلی لیکن کلو بولا۔ بی بی آپ ناحق تکلیف کرتی ہیں وہ صاحب عروسہ بی بی کو بلا رہے ہیں۔

یہ سنکر عروسہ سناٹے میں آگئی اور اس نے گھبراتے ہوئے رلیسیور اٹھایا

• ہلو آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟

آواز آئی۔ میں سروش خوش بخت بول رہا ہوں آپ سبکی خیریت معلوم کرنا چاہتا تھا۔

عروسہ کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

جی ہاں شکر ہے سب خیریت ہے۔

سروش نے پھر پوچھا۔ والد صاحب کے پہنچنے کی اطلاع تو آگئی ہوگی عارفہ آپا اب کیسی ہیں؟

عروسہ نے جواب دیا۔ شکر ہے عارفہ آپا اب بہتر ہیں اباجان

وہاں پہنچ ہی گئے ہیں۔

سرکش بولا۔

یہ سنکر خوشی ہوئی۔ مگر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپکو کوئی کام وغیرہ ہو تو بتائیے گا۔ ہر وقت خدمت کیلئے تیار رہوں۔

عروسہ نے طنزاً مسکرا کر کہا۔

جی شکریہ۔ خدا حافظ۔

یہ کہکر اس نے ریسیور رکھ دیا۔

برابر کے کمرے میں روح افزا تھی جو کلو کے کہنے پر بھرک لگی تھی۔ اب اس نے ان دونوں کی گفتگو بھی سن لی۔ اور سمجھ گئی کہ یہ سرکش کا ٹیلیفون ہے۔ وہ جل گئی اور فوراً حسینہ بیگم کو یہ بات بتلائی۔ وہ سنکر خاصی فکر مند ہو گئیں۔

روح افزا اور عروسہ کے کالج جانے کے بعد، حسینہ بیگم جنکے پیٹ میں چوہے قلابازیاں کھا رہے تھے بہن سے بولیں۔

اے آپا۔ کچھ سنا تم نے

نعیمہ بیگم اشتیاق سے بولیں کیا بات ہے حسینہ؟

بات کیا ہوتی۔ عروسہ چپکے چپکے روز ٹیلیفون پر سرکش سے باتیں کرتی ہے۔

نعیمہ بیگم کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں ابل پڑیں۔

اے ہے کب سنا تم نے کس نے کہا تم سے۔ دیکھو جالا کی کہ میں اس گھر میں رہتی ہوں لیکن مجھے خبر تک نہیں۔

حسینہ بیگم منہ سکیڑ کر بولیں۔

کہے گا کون روح افزا نے خود اپنے کانوں سے باتیں کرتے سنا ہے۔

نعیمہ بیگم سوچ کر بولیں۔

دیکھو حسینہ میں نے پہلے ہی تم کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا کہ اس کا کوئی انتظام کر و اب دیکھو وہی ہوا نا جس کا مجھے ڈر تھا۔

حسینہ بیگم نے جواب دیا۔

میں نے آفتاب سے کہا تھا لیکن اس عرصہ میں عارفہ کی بیماری کی وجہ سے کسی کو خیال نہیں رہا اور سب سے بڑھ کر لڑکی کو بہلانا پھسلانا پڑ رہا ہے تاکہ وہ ہماری طرف سے بدظن نہ ہو۔

نعیمہ بیگم نے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

اب دیکھ لو اپنی اسقدر خاطر و محبت کا نتیجہ وہ تمہارے لڑکے کی حقیقت ہی نہیں سمجھتی اور اس غیر مرد سے کیسی خوش ہو کر گھل ملکر باتیں کرتی ہے۔ دیکھو حسینہ اب موقعہ بڑا اچھا ہے بھیّا شہر میں موجود نہیں ہیں جو کچھ کر سکتی ہو کر لو۔

حسینہ بیگم نے سوچتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ موقعہ بیشک بہت اچھا ہے۔

نعیمہ بیگم پان چبا کر بولیں۔

بار بار ایسے موقعے نہیں آتے خدا نے تمہارے ہی لئے یہ وقت پیدا کیا ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ کسی کی پرواہ نہ کرو لیکن وہ کلو جو ہے وہ بھیّا کا بہت منہ چڑھا ہے اس سے دور رہنا۔

اور کلو کواڑ کے پیچھے کھڑا دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اب کچھ عرصہ سے اسکی یہ عادت ہو گئی تھی کہ جب یہ دونوں باتیں کرتیں وہ ضرور کسی نہ کسی طرح سننے کی کوشش کرتا۔ وہ دونوں بہنوں کی سازش سے پوری طرح سے

باخبر تھا۔

شام کو عروسہ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ صبح سے سروش کی ٹیلیفون والی آواز اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس کا دل بار بار چاہ رہا تھا کہ ٹیلیفون کر کے پھر اس کی آواز سنے اس کا دل مچل رہا تھا۔ مگر وہ قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔۔ اسے سروش سے مطلب ہی کیا ہے اسے دل کی باتوں میں نہ آنا چاہیئے۔ سروش دوسرے کا ہے۔ سوچتے سوچتے سروش کے خیالوں میں وہ بالکل گم ہو گئی۔ قلم اسکے ہاتھ میں تھا میز پر پڑے کاغذ پر اسکا قلم خود بخود سروش خوش بخت، کا نام روانی سے لکھنے لگا۔ اردو میں انگریزی میں سینکڑوں جگہ یہی نام خود بہ خود اس کے قلم نے لکھ ڈالا۔ کاغذ اس نام سے بالکل سیاہ ہو گیا۔

یکایک آفتاب دبے قدموں کمرے میں داخل ہوا عروسہ اپنے کام میں اتنی محو تھی کہ اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کمرے میں کوئی آیا ہے اور آفتاب قریب کھڑے ہو کر لکھے ہوئے کاغذ کو پڑھنے لگا۔ عروسہ چونکی۔ اور کاغذ جلدی سے اٹھا کر مٹھی میں دبا لیا اور تیز نظروں سے گھور کر آفتاب کو دیکھتے ہوئے بولی۔

آپ کی یہ کیا عادت ہے کہ بغیر بتائے ہوئے آپ دوسروں کے کمروں میں چلے آتے ہیں۔

آفتاب جو کہ سروش کا نام دیکھ کر جل گیا تھا بولا۔

کیوں کیا ہرج ہے؟ تم کو کونسا ایسا پرائیویٹ کام کر رہی تھیں جو تم کو غصہ آ گیا۔؟

عروسہ نے چڑ کر جواب دیا۔
آپکو اس سے کیا غرض میں کچھ بھی کر رہی تھی۔ لیکن میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی بغیر اطلاع کے میرے کمرے میں آجائے۔
آفتاب نے اپنے الفاظ پر زور دیکر کہا
میں تو ضرور آؤنگا اسمیں ہرج کیا ہے۔؟
عروسہ تن کر بولی۔
اتنا بڑا گھر پڑا ہے آپ سب جگہ جا سکتے ہیں اگر اس کمرے میں نہیں آئینگے تو کونسا نقصان ہو جائیگا۔
آفتاب غصے سے بولا۔
دیکھو عروسہ۔ تم اس وقت میری توہین کر رہی ہو۔ سوچ لو اچھی طرح۔
عروسہ نے اسی تیزی سے کہا
اگر آپ کی توہین ہوتی ہے تو کیوں میرے کمرے میں آتے ہیں اور کیوں مجھ سے بات کرتے ہیں؟
آفتاب نے بھڑک کر کہا
میں ضرور آؤنگا تمہارے کمرے میں۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ ماموں جان نے ہمیں پورا اختیار دیکر گئے ہیں۔ تمکو بے راہ ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو ہم ضرور روکیں گے۔ اچھی طرح ذہن نشیں کر لو۔
یہ سنکر عروسہ غصے سے بے قابو ہو گئی۔ اور کرسی سے کھڑی ہو کر بولی۔
آپ برائے مہربانی میرے کمرے سے تشریف لے جائیے آپکو کسی قسم کا اختیار نہیں ہے میں خود اپنی مرضی کی مالک ہوں چاہے بے راہ ہوں یا

راہ پر چلوں کسی کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے آئندہ ایسی بات نہیں سن سکتی۔

آفتاب طنزاً مسکرا کر بولا۔ تم اس وقت میرے آنے سے جل گئیں لیکن یہ سمجھ لو کہ میں نے دیکھ لیا ہے اچھی طرح کہ تم کسکو خط لکھ رہی تھیں۔ خوب عشق لگھار لو۔ لیکن ہوگا وہی جو ہم چاہتے ہیں۔ وہ بدمعاش پہلے تمہاری بہن کو دھوکہ دے چکا ہے اب تم اسکے پھندے میں پھنس رہی ہو اس سے تو میں نپٹ لونگا۔ آوارہ بدمعاش کہیں کا ایک بہن کو چھوڑ کر دوسری کے پیچھے پڑا ہے۔ اور تم بھی روزانہ ٹیلیفون پر بڑے رازونیاز کی باتیں کرتی ہو۔

عروسہ غصّے سے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

آپ چلے جائیے میرے سامنے سے میں آپکی بات بھی سننا نہیں چاہتی جیسے خود ہیں ویسا ہی دوسروں کو سمجھتے ہیں۔

آفتاب تھسیا کر بولا۔

جی ہاں تم تو جیسے بڑی معصوم ہو نا۔ لوگ آخر ٹھیک کہتے ہیں کہ تم آخر کس ماں کی بیٹی ہو۔

عروسہ نے دو قدم آگے بڑھکر سختی سے کہا۔

دیکھیئے آپ اپنے ہوش وحواس میں رہیئے۔ آپکی زبان اس لائق نہیں کہ امی جان کا نام لے سکے۔ اسوقت میں آپکا بہت لحاظ کر رہی ہوں مگر آئندہ کبھی میں نے آپسے ایسی بات سنی تو آپ کے حق میں اچھا نہیں ہوگا آپ نے مجھے کیا سمجھا ہے ؟ میں امی جان کیطرح لقمۂ اجل بننے والوں میں سے نہیں ہوں یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔

آفتاب نے تیور بدلکر کہا۔

اور تم نے ہمیں کیا سمجھکر الٹی سیدھی باتیں کیں۔؟

عروسہ نے نفرت سے کہا۔

بس اب آپ چلے جائیے میں آپ سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔

آفتاب نے طنزاً مسکرا کے کہا

ہاں ٹھیک ہے۔ اب تو تم کو ٹیلیفون پر عشق کی باتیں کرنے میں مزا آتا ہوگا۔

عروسہ نے پھر اکڑ کر جواب دیا۔

بیشک۔ میں جس سے چاہونگی ٹیلیفون پر بات کرونگی اور جسکو چاہونگی خط لکھونگی۔ آپ کون ہوتے ہیں۔؟

آفتاب نے جلکر کہا۔

آپکو خبر نہیں ہم سب کچھ ہو سکتے ہیں مگر یہ اچھی طرح سوچ لو اپنی اس توہین کا بدلہ میں ضرور لونگا۔

عروسہ نے کوئی جواب نہیں دیا اس کاغذ کو پرس میں ٹھونس لیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ برآمدے میں کلو بیٹھا ہوا کچھ سن رہا تھا اور دوسرے کمرے میں روح افزا تھی۔

عروسہ سیدھی گیرج میں پہنچی اور موٹر باہر نکالی ڈرائیور بھی پاس کھڑا ہوگیا۔ اسکو عروسہ نے پیچھے بٹھا لیا۔ اور موٹر پھاٹک کے باہر نکال کر کالج کی طرف چلدی۔

وہ ہوسٹل میں کچھ دیر ایک لڑکی سے یونہی گپ شپ کرتی رہی غصہ کیوجہ سے اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے پھر اٹھ کر کار میں بیٹھ کر کسی اور طرف چلدی۔

عروسہ کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد آفتاب کو بھی ہوش آیا اس نے بھی جلدی سے باہر آکر اپنی کار نکالی اس کا خیال تھا بلکہ پختہ یقین تھا کہ عروسہ ضرور خوش بخت کے گھر گئی ہے اس لئے اس نے تیزی سے ادھر کا رخ کیا۔ جب سروش کی کوٹھی پر پہنچا تو اس نے دیکھا تک نہیں کہ عروسہ کی کار وہاں موجود ہے یا نہیں وہ غصہ میں بھرا ہوا سیدھا ڈرائینگ روم میں پہنچا۔ یہاں سروش اور خورشید بیٹھے ہوئے تھے اور چائے پی رہے تھے۔ خورشید اپنے چٹکلوں اور مزاحیہ باتوں سے سروش کو ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا مگر سروش سنجیدہ تھا۔

یکایک آفتاب کمرے میں داخل ہوا۔ یکلخت دونوں کی زبان سے نکلا۔

آئیے آئیے قبلہ آپ ہی کی کسر تھی بغیر آپ کے ہمارا ڈرائنگ روم سونا تھا۔

مگر آفتاب نے قہر آلود نگاہوں سے سروش کو گھورا پھر وہاں اسے عروسہ کو نہ پا کر بڑا تعجب ہوا۔ وہ سمجھا مجھے دیکھ کر ادھر ادھر ہو گئی ہے اس لئے وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھ کر عجیب انداز سے بولا۔

آج یہ محفل کیوں گرم ہے کیا کوئی خاص مہمان آیا ہے؟

سروش نے تعجب سے پوچھا۔

کیسی محفل؟ کیسا مہمان؟ میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔

آفتاب نے اسکو گھور کر دیکھا اور کہا۔

جی ہاں۔ ہم تمہاری یہ چار سو بیس والی باتیں سب جانتے ہیں یہ باتیں کبتک پوشیدہ رہ سکتی ہیں۔

Scanned by CamScanner

سروش تو اسکو حیرت سے دیکھتا رہا۔ مگر خورشید بولا۔

مسٹر کس ہوا میں ہو؟ کچھ معلوم تو ہو کیوں اسقدر جامے سے باہر ہوئے جا رہے ہو؟۔

آفتاب نے ٹیڑھی نظر سے اسکو دیکھا اور ہونٹ کاٹتے ہوئے غصے سے بولا۔

بس مذاق میں بات نہ ٹالو۔ ہم اس ملی بھگت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں خوب تم لوگوں نے یہ اڈا بنایا ہے شرافت کے یہی معنی ہیں؟

سروش نے قدرے تیز ہو کر کہا۔

تم کیا بک رہے ہو۔ مطلب کیا ہے تمہارا۔ صاف صاف کہتے کیوں نہیں؟ کبتک معموں میں باتیں کروگے؟۔

خورشید پھر بولا۔ نہیں نہیں۔ ذرا انہیں خوب اچھی گرم ہو لینے دو پھر معمہ خود بخود حل ہو جائیگا۔

آفتاب بگڑ کر بولا۔ دیکھئے مسٹر میں آپ سے باتیں نہیں کر رہا ہوں جو آپ بیچ میں ٹیک رہے ہیں۔

سروش نے تیز لہجے میں کہا۔ کچھ معلوم تو ہو کسکی بات کر رہے ہو۔ کیا پی کر آرہے ہو جو ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو۔

آفتاب نے جلکر جواب دیا۔

بیٹے تو تم لوگ ہو میں کیوں بہکی بہکی باتیں کرنے لگا۔ جب دکھتی رگ پکڑ لی جاتی ہے تو انسان اسی طرح تڑپ جاتا ہے۔

خورشید نے مسکرا کر جواب دیا۔

ہاں ہمیں خوب معلوم ہے کہ کون کون کیا کیا بیتیا ہے مگر وجہ معلوم ہونی

جا بیٹے جناب کی تشریف آوری کی۔ یا یونہی کباب میں ہڈی بننے کا ارادہ ہے۔
آفتاب نے جواب دیا۔

جی ہاں تم جیسے بچے ہونا ہمیں معلوم ہے۔ سب پتہ چل گیا ہے اگر ٹیلیفون نہ کٹوایا ہو تو میرا نام نہیں۔

یہ سنکر پروش نے قہقہہ لگایا۔ اور خورشید بولا۔ کیا کہنے جناب کی بادشاہت اور حکومت کے تھئی واللہ قسم خدا کی یہ تو آج ہی معلوم ہوا آئل ہو گئے ہم تو آپ کے احسانمند ہو جائیں گے اگر کوئی ایسی ویسی افتاد پڑے گی تو آپ سے مدد لیا کرینگے۔ میرا یار بڑا کام کا ہے۔
آفتاب نے بھڑک کر جواب دیا۔

دیکھو جی میں تم سے بات نہیں کر رہا ہوں۔ تم کیوں اپنی ٹانگ بیچ میں اڑا رہے ہو؟ میں تم لوگوں کی بدمعاشی سے اچھی طرح واقف ہوں۔

اب خورشید نے کھڑے ہو کر آگے بڑھ کر سنجیدگی سے کہا۔

دیکھیئے محترم اگر اپنی خیریت چاہتے ہیں تو ٹھنڈے ٹھنڈے گھر کو سدھار جائیے ورنہ مجبوراً ہمیں بھی کوئی کارروائی کرنی پڑے گی۔

آفتاب نے واپس جاتے ہوئے پھر گھوم کر دیکھا اور بولا۔

تم دونوں نے بڑی گہری سازش کر رکھی ہے مگر اب سارا حال میں جان گیا ہوں۔ تم لوگوں سے سمجھ لونگا۔

یہ کہکر وہ تیزی سے اپنی موڑ لے کر چلا گیا۔

اسکے جانیکے بعد سروش جو کافی فکرمند ہو گیا تھا بولا۔

اسوقت کا معاملہ سمجھ میں نہیں آیا یہ حضرت اسقدر طیش میں یہاں کیوں

تشریف لائے تھے۔ مجھے کافی فکر ہوگئی ہے۔

خورشید نے جواب دیا۔

ہاں دیکھو کس قدر دھونس جما رہے تھے گویا ہم انکی رعایا ہیں اگر اس قسم کی ایک آدھ بات اور کرتے تو مجھے اسقدر غصہ آگیا تھا کہ بخدا میں انکے دو ایک ہاتھ اچھی طرح رسید کرتا اور انکی گدی ناپتا۔

سروش نے کھڑے ہوکر کہا۔

ہاں ارادہ تو میرا بھی تھا لیکن اس نے ایک آدھ بات اس وقت ایسی کہی کہ مجھے بہت فکر ہے۔ ٹیلیفون بیشک ایک مرتبہ آج صبح میں نے عروسہ کو کیا تھا۔ وہ بھی جہاندار صاحب کی خیریت معلوم کرنیکو اس سے پہلے میں نے کبھی ٹیلیفون نہیں کیا۔ حالانکہ ہم دونوں جب چاہیں ٹیلیفون پر گھنٹوں باتیں کر سکتے ہیں۔ اول تو خود معلوم نہیں کیوں کچھ ناراض معلوم ہوتی ہے دوسرے وہ اس قسم کی لڑکی بھی نہیں ہے۔

خورشید نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

معلوم ہوتا ہے آج صبح والی ٹیلیفون کی گفتگو ان حضرت نے سن لی ہے۔ اور اسوقت ممکن ہے وہ کہیں چلی گئی ہے یہ حضرت سمجھے یہاں آئی ہوگی ہم دونوں کو یکجا دیکھ کر اور چراغ پا ہوگئے۔

سروش بولا۔ پھر بھی معلوم تو ہونا چاہیئے۔ کہ اصلی قصہ کیا ہے وہ بیکار ہم لوگوں سے الجھ پڑے۔ وہ بے چاری تنہا ہے باپ بھی اسکے پاس موجود نہیں ہیں معلوم ہوتا ہے یہ لوگ اسے تنگ کر رہے ہیں۔

خورشید نے مسکرا کر جواب دیا۔ جی ہاں آفتاب صاحب اسکے بڑے دعویدار معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ واقعہ ضرور معلوم ہونا چاہیئے ورنہ ہم

تک تم ضرور دیوانے ہو جاؤ گے۔

بیشک۔ لیکن اب تو ٹیلیفون بھی نہیں کر سکتا جا بھی نہیں سکتا جہاندار منزل میں ان لوگوں کی حکومت ہے۔

خورشید تیزی سے بولا۔ کیوں نہیں کر سکتے ٹیلیفون۔ تم بھی کس احمق کی دھونس میں آ گئے۔

سروش نے جواب دیا۔ نہیں جی کیا فائدہ ایسی بات کرنے سے جس میں عروسہ کے نام پر کوئی حرف آئے۔ یہ لوگ عروسہ کو خواہ مخواہ بدنام کر دیں گے۔ تم ان لوگوں کو نہیں سمجھتے۔

خورشید نے کہا۔ یار تم بھی بڑے احمق واقع ہوئے ہو ذرا ٹھہرو۔

یہ کہکر وہ اٹھا اور ٹیلیفون پر نمبر ملانے لگا۔

کیا غضب کر رہے ہو خورشید؟

خورشید نے اسکو آنکھ کے اشارے سے روکا۔

ٹیلیفون کا جواب کلو نے دیا۔

خورشید بولا۔ کہو کلو کیا حال ہیں کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی۔؟

کلو بہت چالاک تھا۔ سمجھ گیا کہ خورشید بول رہا ہے۔

اس نے جواب دیا۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی سرکار۔

خورشید نے کہا۔

تمہیں کچھ خبر ہی نہیں۔ ضرور کوئی بات ہوئی ہے۔

کلو نے آہستہ سے کہا۔

صاحب تمام گڑبڑ صاحب بیبی کچھ کھٹ پٹ ہو گئی تھی کسی خط اور ٹیلیفون کے بارے میں۔

خورشید بولا۔ اچھا یہی تو ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں پھر کیا ہوا؟
کلو نے کہا۔
صاحب۔ بی بی نے کھری کھری سنائیں۔ پھر وہ غصے میں بھری موٹر لیکر کہیں چلی گئیں اور اب تک واپس نہیں آئی ہیں۔ صاحب اب بند کر دیجئے۔ میں کبھی آکر زبانی سنا دوں گا۔" کیونکہ اس نے ٹیلیفون خود ہی بند کر دیا۔
خورشید نے کہا۔
دیکھو وہی بات تھی جو میں نے کہا تھا۔
سروش بولا یہ غلط ہے۔ اس نے کبھی خط نہیں لکھا۔
دونوں کافی دیر تک یونہی باتیں کرتے رہے۔ پھر ٹہلنے کے لئے نکل گئے۔

کالج سے نکل کر عذرہ سیدھی قبرستان پہنچی۔ ڈرائیور کو کار کے پاس چھوڑ کر وہ اپنی ماں کی قبر پر گئی۔ فاتحہ پڑھنے کے بعد اسکا دل بے اختیار بھر آیا۔ اُس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور آنکھوں پر رومال رکھ کر رونے لگی۔ آج وہ بہت پریشان تھی۔ توفیق احمد کے جانے کے بعد آج اسکی طبیعت بہت گھبرا رہی تھی۔ پھر اس نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا۔ ماں کی حالت پیش نظر تھی۔ اس نے سوچا ہمت اور استقلال سے کام لینا چاہیئے۔ اگر میں خاموش رہی تو میرا انجام بھی خراب ہوگا۔ مجھے ہر مشکل کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ ابا جان شہر کے مشہور آدمی ہیں۔ میرا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں ہرگز ہرگز امی جان کی طرح گھٹ گھٹ کر جان نہیں دوں گی۔ میرے دل پر

کیوں وحشت و ہراس طاری ہے آفتاب مجھے کیا نقصان پہنچا سکتا ہے۔ کافی دیر تک وہ سوچتی رہی اور شام کیونوقت وہ روانہ ہوگئی۔

وقت گذارنے کیلئے آہستہ آہستہ کار چلا رہی تھی۔ بیشمار قسم کے خیالات دماغ میں حکر کاٹ رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وقت کس طرح گذارے۔ اتنی جلدی گھر جانے کو طبیعت نہیں چاہتی تھی۔

اسے آفتاب کی صورت سے نفرت محسوس ہو رہی تھی وہ اپنی ماں کے بارے تحقیر آمیز الفاظ نہیں سن سکتی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی اس وقت میں بالکل تنہا۔ امیوں کوئی میرا ساتھی نہیں ہے جس سے میں اپنے دل کا حال بیان کروں۔ آفتاب بڑا اوباش قسم کا آدمی ہے۔ آج خواہ مخواہ مجھ سے الجھ پڑا۔ میں ضرور چھوٹی جان سے کہونگی کہ میرا ایسی باتیں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی۔

انہیں خیالات میں غرق کار کو آہستہ آہستہ چلاتے ہوئے ایک سنسان سی سڑک پر موڑا۔ سامنے ذرا فاصلے پر خورشید اور سروش کو آتے دیکھا۔ وہ سروش کو دیکھتی رہ گئی۔

سروش اور خورشید نے بھی اسکو اچھی طرح دیکھ لیا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں لیکن پھر عروسہ نے کار کو جلدی سے اپنے گھر کی طرف موڑ لیا۔ سروش اور خورشید کھڑے رہ گئے۔

اس شام جب وہ گھر پہنچی تو دونوں بہنیں چپکے چپکے باتیں کر رہی تھیں۔ روح افزا کسی سے ملنے گئی تھی آفتاب بھی گھر

پر موجود نہیں تھا۔
کلو برآمدے میں بیٹھا کان میں پنسل اڑائے ایک اردو کے رسالے کا معمہ حل کر رہا تھا۔

—— × ——

ٹن ٹن ٹن ٹن ... ٹیلیفون کی گھنٹی سروش بخت کے کمرے میں بج رہی تھی۔ وہ جلدی سے کھانے کی میز پر سے اٹھا ایک نوالہ منہ میں دوسرا ہاتھ میں لیئے رسیور کان سے لگایا اُس کے کانوں میں باریک سی نازک آواز گونجی۔ اس کا دل دھڑک اٹھا اور خوشی سے آنکھوں میں چمک نمودار ہوگئی لبوں پہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے کہا۔

ہلو۔ جی ہاں میں سروش بول رہا ہوں۔ فرمائیے کیا حکم ہے؟

سروش بھائی میں روح افزا آفتاب منزل سے بول رہی ہوں۔

یہ سنکر سروش کے تمام ولولے یکلخت دب گئے اور اس نے گھٹتی ہوئی آواز کو دبا کر پوچھا۔

جی ہاں میں سمجھ گیا ہوں فرمائیے کیا خدمت کر سکتا ہوں۔

روح افزا نے ہنسکر کہا۔ سروش صاحب خدمت یہ ہے کہ آج شام کو تکلیف کریں۔ اماں جان کا آپکو دیکھنے کیلئے بہت جی چاہ رہا ہے وہ کہتی ہیں کہ آج رات آپ کھانا ہمارے ساتھ کھائیں ویسے تو آپ تکلیف کرتے نہیں اسلئے آپکو دعوت دینی پڑی۔

یہ سنکر سروش دھک سے رہ گیا اسکی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دے وہ سوچتا ہی رہ گیا۔ روح افزا پھر بولی۔

کیوں آپ سوچ کیا رہے ہیں؟ کوئی بہانہ تلاش کیجئے آج رات آپکو ضرور آنا پڑے گا۔ اماں جان کوئی عذر نہیں سنیں گی۔

سروش نے کہا میں تو اکثر آپ کے ہاں آتا رہتا ہوں۔ کھانے کی تکلیف بالکل نہ کریں۔ آپ لوگ جہاندار منزل میں ہیں اسلئے میں حاضر نہیں ہوا۔ اب کسی روز ضرور آؤنگا۔

روح افزا زور دیکر بولی۔ نہیں نہیں آپکی کوئی بات نہیں مانی جائے گی آپ کو آنا پڑیگا۔ رات کو ہم انتظار کرینگے۔ خدا حافظ۔

یہ کہکر اس نے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی ٹیلیفون بند کر دیا۔

سروش سوچنے لگا۔ اب کیا کروں عجیب مشکل ہے اس روز آفتاب اس قدر بداخلاقی اور بیہودگی کر کے گیا اور آج والدہ صاحبہ کھانے پر بلا رہی ہیں۔ مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ نہیں آفتاب کس طرح پیش آئے۔ مگر یہ لوگ تھر کیسے آ گئے۔ ممکن ہے اسدن کوئی اور جھگڑا ہوا ہو اور یہ ناراض ہو کر گھر آ گئی معلوم نہیں کیا بات ہے کاش یہ بلاوا جہاندار منزل سے آتا۔ کس خوشی سے وہاں جاتا۔ سمجھ میں نہیں آتا ورنہ یہ لوگ میری طرف سے بدظن ہونگے اور طرح طرح کی حاشیہ آرائیاں کرینگے۔ وہ کافی دیر تک سوچتا رہا بالآخر وہ جانیکا فیصلہ کر کے اٹھ گیا۔

رات کو اس نے جلدی جلدی کپڑے پہنے اور بغیر کسی کو بتائے آفتاب منزل روانہ ہو گیا۔

حسینہ بیگم اور روح افزا اسکی منتظر تھیں۔ روح افزا نے آگے بڑھ کر اسکا

پرجوش استقبال کیا وہ اسوقت سفید ریشم کی شلوار گلابی دوپٹہ اور گلابی قمیص پہنے ہوئے تھی۔ اور گلابی لمبا کوٹ اسکے شانوں پر پڑا ہوا تھا چہرہ میکس فیکٹر کے گلابی پوڈر اور کریموں سے بہت زیادہ دلکش لگ رہا تھا ہونٹ بھی ہلکے گلابی تھے۔ اسکی پرکشش آنکھوں سے خوشیوں کی بجلیاں چمک رہی تھیں حسینہ بیگم نے پدرانہ شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا۔ کیونکہ انہیں احساس تھا کہ اس روز آفتاب غصہ کی حالت میں سروش کے گھر گیا تھا جب سے وہ بہت پریشان تھیں انہوں نے سوچا کسی نہ کسی طرح سروش کو راضی کرنا چاہیئے اور اسکے ساتھ اسطرح پیش آنا چاہیئے کہ اسکے دل کا غبار دھل جائے انہیں قطعی معلوم نہیں تھا کہ آفتاب سروش سے کسطرح پیش آیا تھا لیکن انہیں خدشہ تھا کہ آفتاب نے ضرور سروش سے سختی سے بات کی ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ کسی نہ کسی بہانے سے روح افزا کو لیکر گھر آئیں اور سروش کو کھانے پر بلایا۔

ڈرائنگ روم میں جا کر سروش نے دیکھا کہ نہ آفتاب ہے اور نہ اس کے باپ موجود ہیں آخر اس سے نہ رہا گیا اور اس نے پوچھا۔

خالہ جان اور سب لوگ کہاں ہیں کوئی نظر نہیں آتا۔

بیٹیا تمہارے خالو تو اپنی زمینداری پر گئے ہوئے ہیں آفتاب آجکل پڑھائی میں اتنا مصروف ہے کہ کئی دن تک گھر نہیں آتا۔ ہاسٹل میں اپنے دوستوں کے ساتھ رہتا ہے خدا اسکو لیس کامیاب کردے۔ پریشانی کیوجہ سے اسکا مزاج بھی بہت چڑچڑا ہو رہا ہے۔

سروش نے یونہی کہا۔ جی ہاں لیکن میں سمجھ رہا تھا کہ آپنے کھانے پر مجھے بلایا ہے آفتاب تو ضرور ہو گا۔

حسینہ بیگم جلدی سے بات کاٹ کر بولیں۔ اے بیٹیا تمہیں تو میں نے یونہی

بلایا ہے کوئی دعوت تھوڑی ہے میں آج جہاندار منزل سے ایک ضروری کام سے آئی ہوں اسوقت تنہا کھانے کو دل نہیں چاہا میں نے سوچا تم کو بلا لوں اپنے گھر کے بچے ہو۔ بیٹیا تم اپنی بہن کو کیوں نہ لیتے آئے وہ تنہا ہو گی۔

سروش نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔ جی مجھے خیال نہیں رہا خود ہی چلا آیا۔ لیکن آفتاب کو یہاں نہ پاکر بڑی کوفت ہوئی۔

حسینہ بیگم نے لاچاری سے جواب دیا۔ کیا کروں اسکے دیکھنے کو تو میں بھی ترس گئی ہوں۔ اسی وجہ سے آج تمکو بلا لیا۔ میں تمہیں اس سے زیادہ سمجھتی ہوں، تم یقین مانو آفتاب سے زیادہ مجھے تم سے محبت ہے۔

سروش نے انکی اس محبت کے سامنے گردن جھکا کر آہستہ سے کہا۔

خالہ جان یہ آپکی مہربانی اور قدر دانی ہے لیکن آپنے کھانے کی کیوں تکلیف کی میں ویسے ہی آجاتا۔

حسینہ بیگم بڑے چاؤ سے بولیں نہیں میاں تکلیف کیسی؟ اپنے بچوں کو کھلا کر جی خوش ہوتا ہے یا تکلیف ہوتی ہے۔؟ اچھا بیٹی تم انکے پاس بیٹھو میں ذرا باورچی خانے میں ہو آؤں۔

یہ کہکر وہ کمرے سے نکل گئیں۔ روح افزا نے پانوں کی گلوریوں سے بھرا ہوا خاصدان سروش کیطرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

لیجئے پان تو کھا لیجئے۔

سروش نے پان لیتے ہوئے کہا۔ پان تو میں کبھی کبھی کھانیکے بعد کھا لیتا ہوں مگر آپ کھلا رہی ہیں تو کوئی عذر بھی نہیں کر سکتا۔

اطمینان رکھیئے کھانے کے بعد بھی آپکو پان پیش کیا جائیگا آپ پہلے سے کیوں سمجھ رہے ہیں۔

سروش نے کوئی جواب نہ دیا اور میز پر پڑا ہوا تصویروں کا رسالہ اٹھا کر دیکھنے لگا۔ روح افزا بھی اسکے پاس صوفہ پر آکر بیٹھ گئی اور رسالہ اسکے ہاتھ سے لیکر بولی۔ میری ایک سہیلی کی پچھلے مہینے شادی ہوئی ہے اسکے دولہا اور اسکا فوٹو اسمیں چھپا ہے دیکھئے کتنا شاندار جوڑا ہے۔

یہ کہکر اس نے صفحہ الٹ دیا اور تصویر دکھانے لگی وہ سروش سے بالکل لگی بیٹھی تھی سروش آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا بالکل کونے میں گھس گیا وہ اس ماحول سے گھبرا گیا تھا اور یہاں آنیکے بعد بہت پچھتا رہا تھا۔

روح افزا آہستہ آہستہ اسکے اور قریب آگئی۔ یکایک سروش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کمرے میں ٹہل کر دیواروں پر لگی ہوئی تصویریں دیکھنے لگا۔ روح افزا بھی اٹھکر اسکے پاس آگئی۔ اور ایک ایک چیز کی تاریخی اور جغرافیہ سروش کے گوش گزار کرنے لگی۔ وہ کمرے کی چیزیں ایسے دیکھ رہا تھا جیسے پہلی مرتبہ وہاں گیا ہو۔ وقت کسی طرح گزر نہیں رہا تھا اس کی نگاہ بار بار اپنی کلائی کی گھڑی پر پڑ رہی تھی۔ ایک کونے میں ستار اور طبلے دیکھ کر بولا۔

انکا کس کو شوق ہے؟

روح افزا نے مسکرا کر جواب دیا۔ دو سال سے میں سیکھ رہی ہوں۔

سروش یہ سوچکر کہ وقت کاٹنے کا خاصہ بہانہ ہے۔ بولا۔

تو پھر یہ کسدن کام آئینگے؟ آج ہمیں بھی کچھ سنا دیجئے۔

روح افزا نے شرماتے ہوئے کہا۔

نہیں نہیں۔ ابھی اتنی ریہرسل نہیں ہے کہ کسی کو سنا ؤں۔

سروش بولا۔ واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے دو سال سے آپ سیکھ

رہی ہیں۔ ہمیں تو آج یہ نیا انکشاف ہوا ہے ہم تو ضرور سنیں گے۔

روح افزا اٹھلا کر بولی۔

نہیں نہیں۔ میں بالکل سچ کہتی ہوں مجھے بالکل گانا نہیں آتا۔

سروش نے زور دیکر کہا۔ جی نہیں جو کچھ آپ دو سال سے سیکھ رہی ہیں وہی سنا دیجیئے۔ میں زیادہ نہیں کہتا۔

حسینہ بیگم بھی کمرے میں آگئیں۔ انہوں نے روح افزا کو گھور کر دیکھا اور بولیں۔ واہ اچھا خاصا تو بجا لیتی ہے سناتی کیوں نہیں۔ مجھے یہ اترانا اچھا نہیں لگتا۔

روح افزا ہنس کر بولی۔

واہ اماں جان۔ آپ بھی انہیں کی سی کہنے لگیں مجھے کچھ نہیں آتا۔

حسینہ بیگم نے جواب دیا میں تو ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ جو کچھ آتا ہے سنا دو۔ شرمانے کی کیا بات ہے۔ اسوقت طبلہ پر گت بجانیوالا کوئی نہیں ہے ورنہ تم ناچ بھی اچھا لیتی ہو۔

سروش نے پوچھا۔ اچھا تو آپ رقص بھی کر لیتی ہیں؟ اس سے پہلے ہمنے نہیں سنا تھا۔

حسینہ بیگم نے جواب دیا۔

ہاں میاں! دو سال سے ایک استاد آتے ہیں۔ رقص اور ستار انکو سکھاتے ہیں۔ مگر یہ تو اتنی شرمیلی ہے کہ میرے سامنے بھی نہیں ناچتی۔ اچھا چلو اب ستار پر ایک اچھی سی غزل انہیں سنا دو میں تو جا رہی ہوں۔ مجھ سے نہ شرماؤ۔

یہ کہکر وہ واقعی چلی گئیں۔ اور روح افزا نے بڑے دلربانہ انداز سے

ستار اٹھالیا۔ اور مضراب لگا کر دھیرے دھیرے تاروں کی جھنکاریں
ایک غزل گانے لگی۔

سروش خاموش بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا غزل کے ختم ہونے پر روح
افزا نے ستار ایک طرف رکھدیا اور شرما کر بولی۔ اسوقت آپ نے مجھے مجبور
کر دیا ورنہ میں کسی کو سناتی تھوڑی ہوں۔

سروش نے جواب دیا۔ واہ کتنا اچھا گاتی ہیں آپ اور آپکی آواز
ماشاءاللہ۔ میں تعریف نہیں کر سکتا۔ طبیعت واقعی خوش ہو گئی۔
آپ نے مجھے بنانا بھی شروع کر دیا۔

سروش مسکرا کر بولا۔
نہیں نہیں۔ میں تو حقیقت کہہ رہا ہوں۔

حسینہ بیگم نے کمرے میں نمودار ہو کر کہا۔
کیوں بیٹے اس نے تمہیں غزل سنائی یا نہیں؟

سروش نے جواب دیا۔ ماشاءاللہ خوب گاتی ہیں آواز بھی بہت
خوب پائی ہے۔

حسینہ بیگم پھول کر کپّا ہو گئیں۔ اور ہنسکر بولیں۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی
شرماتی ہے چلو اب کھانا لگ گیا ہے۔

یہ سنکر سروش کو کچھ اطمینان ہوا کھانے کے دوران بھی اسی طرح
کی باتیں ہوتی رہیں۔ کھانا بیحد لزیذ اور پُرتکلف تھا ہر چیز میں خوشبو تھی
دو چار سے مزیدار چیزیں روح افزا کے ہاتھ کی پکی ہوئی تھیں حسینہ بیگم نے
سروش سے کہا نیکا ذائقہ پوچھ پوچھ کر خوب تعریفیں کرائیں۔ کھانے کے
بعد سب لوگ ڈرائینگ روم میں پہنچے تو حسینہ بیگم سروش سے بولیں۔ اے

میاں یہاں جو نمائش ہو رہی ہے سنا ہے بہت اچھی ہے ۔
سروش نے کہا ۔ جی ۔ اچھی تو ہے ۔
حسینہ بیگم نے کہا ۔
میری روح افزا دیکھنے کیلئے تڑپتی ہے ۔
سروش نے مصنوعی حیرت سے پوچھا ۔ آپ نے دیکھی نہیں ابتک ؟
حسینہ بیگم نے فوراً پینترا بدلا ۔ ارے بیٹا یہ بیچاری کیسے دیکھتی آفتاب استقدر مصروف ہے کہ اس سے کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا ۔ میں کسی اور کیساتھ بھیجتی نہیں میں نے کہا تھا کسی دن سروش آجائینگے تو انکے ساتھ چلی جانا ۔
سروش یہ سنکر بوکھلا گیا اور بغیر سوچے سمجھے ہکلا کر بولا ۔ جج ... جی ہاں ۔ جی نہیں ۔" یہ کہکر بے بسی سے حسینہ بیگم کیطرف دیکھنے لگا ۔ انہوں نے ایک اور وار کیا ۔ وہ روح افزا سے بولیں ۔ جاؤ بیٹی میرا پرس اٹھا لاؤ ۔ ایسے میں سروش میاں آئے ہوئے ہیں ۔ یہی تمکو نمائش دکھا کر لائیں گے ۔
اب سروش میں انکار کی سکت نہ رہی اس نے اپنا جسم ایک شکست خوردہ کیڑے کیطرح بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا ۔ اور بے دم سا ہو کر صوفے میں دھنس گیا اسکا دل پکار پکار کر کہہ رہا تھا ۔ چل تو جلال تو آئی بلا کو ٹال تو "
مگر یہ بلا ٹلنے والی نہ تھی اسکے ہاتھ پاؤں ایسے ڈھیلے ہوئے کہ جلتا ہوا سگریٹ بھی اسکے ہاتھ سے چھوٹ پڑا ۔
حسینہ بیگم نے پوچھا ۔
کیا بات ہے میاں ؟
سروش جلدی سے بولا ۔
جی کچھ نہیں ۔ سارا دن کام میں گذرتا ہے ۔ اسلئے نیند سویرے

سے آجاتی ہے۔

ہاں بیٹا۔ روپیہ کمانا آسان نہیں ہے مردوں کا ہی دل جانتا ہے کہ کسقدر خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے اور پھر بھی تو کوئی دائمی سکون بھی نہیں ملتا بیوی بچے ہوں تو خیر کچھ دل بہلے۔ مگر معلوم نہیں آجکل کے لڑکوں کو کیا ضد ہے کہ شادی دیر سے کرتے ہیں میں تو آفتاب کی شادی کا کام شروع کر نیسے پہلے ہی کردونگی۔

سروش نے پوچھا۔

آپنے آفتاب کے لئے کوئی لڑکی بھی تلاش کی ہے؟

حسینہ بیگم مسکرا کر بولیں۔

اے بیٹا۔ لڑکیوں کی کیا کمی ہے اور اس کے لئے تو اپنے گھر میں لڑکی موجود ہے۔ بس اسکے پاس ہونے کی دیر ہے۔

سروش کو اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا وہ صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ دل کہہ رہا تھا بھاگ چل یہاں سے میں کون ہوں انکا رشتہ دار ہوں جو یہ لڑکی کو میرے ساتھ بھیج رہی ہیں۔ لیکن وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔

روح افزا جانے کیلئے تیار ہو گئی اب سروش کو بھی مجبوراً اٹھنا پڑا۔

حسینہ بیگم بولیں۔

جاؤ بیٹیا۔ خدا حافظ مگر ذرا جلدی واپس آجانا میں تنہا پڑے پڑے پریشان ہوجاؤنگی۔

روح افزا نے مسکرا کر سروش کی طرف دیکھا اور کمرے سے نکل کر اسکی کار میں جا بیٹھی۔ وہ بھی حسینہ بیگم سے رخصت ہو کر آگیا اور

جلدی سے کار اسٹارٹ کردی۔ اس کا دل اندر ہی اندر سے سلگ رہا تھا۔ طبیعت چاہ رہی تھی کہ روح افزا کو باہر پھینک دے۔ اور سیدھا گھر پہنچکر بستر پر دراز ہوجائے۔

نمائش شہر کے دوسرے سرے پر تھی۔ روح افزا پتہ نہیں کیا کیا باتیں کر رہی تھی اور وہ صرف ہوں ہاں کئے جا رہا تھا۔ اندھیری رات کے سناٹے میں روح افزا اس سے بالکل لگی بیٹھی تھی۔ اس کا شانہ سروش کے پہلو سے ٹکرا رہا تھا ایک آدھ مرتبہ اس نے اسٹرنگ گھمانے کے بہانے اپنے بازو سے اس کو ہٹانا بھی چاہا۔ لیکن روح افزا پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب سروش نے موٹر تیز کردی۔ اتنی تیز کہ روح افزا کا دل گھبرانے لگا۔ اور اس نے سروش سے آہستہ کرنے کو کہا۔ اس نے معافی مانگتے ہوئے جواب دیا۔

کیا کروں۔ مجبور ہوں۔ مجھے تیز چلانیکی عادت ہے خود بخود تیز ہوجاتی ہے۔

یہ سنکر روح افزا خاموش ہوگئی۔ آخر خدا خدا کرکے نمائش پہنچے۔

سروش نے ٹکٹ خریدے اور یہ دونوں اندر داخل ہوگئے روح افزا ایکدم ایک اسٹال میں جا جا کر چیزیں دیکھنے لگی۔ اور سروش اس سے دس قدم پیچھے سر جھکائے کسی طرف توجہ دیئے بغیر چل رہا تھا۔ دو ایک مرتبہ روح افزا نے ٹوکا بھی مگر اس نے نیند کا بہانہ کرکے ٹال دیا یہ تو سر پڑے کی بیگار تھی جسکو وہ خاموشی سے بھگت رہا تھا۔

روح افزا نے طرح طرح کی چیزیں خریدیں۔ زیادہ تر بناؤ سنگھار کی چیزوں پر اس کی نگاہ پڑتی تھی۔ اس نے ایک بہت خوبصورت سنہری اور سبز کوٹ پر لگانے والا بروچ سروش کو دکھا کر کہا۔

یہ دیکھئے کس قدر خوبصورت ہے میرا دل چاہتا ہے کہ اسکو خرید لوں۔ مگر اس قدر گراں ہے کہ ہمت نہیں پڑتی آپ ایک سیما کیلئے خرید لیں۔

سروش نے وہ بروچ اس کے ہاتھ سے دیکھا اور اس کی قیمت پوچھ کر خاموشی سے روپیہ نکالکر دکاندار کے سامنے ڈال دیئے اور بروچ کا ڈبہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ روح افزا دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ اسکو پورا یقین تھا کہ وہ یہ بروچ اسکے ہی لئے خرید رہا ہے مگر معاملہ برعکس دیکھ اس کے ابرو پر بل پڑ گئے۔ اس نے بھی فوراً روپے نکالکر ویسا ہی بروچ خرید لیا اور آگے بڑھ گئی۔ کچھ دیر تو سروش کی بداخلاقی پر اسے غصہ آتا رہا۔ لیکن پھر خود ہی کچھ سوچکر اس نے اپنی طبیعت پر قابو پا لیا۔ اور ہنس ہنس کر سروش سے باتیں کرنے لگی۔ اور اسے خوبصورت سے خوبصورت چیزیں دکھانے لگی۔ لیکن سروش تو اپنے خیالوں میں اسقدر محو تھا کہ اسے کچھ معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ بظاہر آنکھیں کھلی تھیں مگر وہ کسی چیز کو بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ سماعت بھی اپنا کام کر رہی تھی مگر دماغ کسی اور فکر میں تھا۔ اسکا دل بے حد گھبرا رہا تھا۔ معلوم نہیں کیوں وہ ایسا محسوس کر رہا تھا۔ اس کی حالت روح افزا نے بھی محسوس کی۔ آخر

دو گھنٹے گھومنے کے بعد اس نے روح افزا سے کہا۔

میرا خیال ہے اب واپس چلنا چاہیئے اسوقت طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے اور دیر بھی کافی ہو گئی ہے۔

روح افزا نے اس کی طرف حسرت سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

اچھا چلئے میں آپکی بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے نمائش کی سیر کرائی ہے۔

حالانکہ وہ دس مرتبہ نمائش دیکھ چکی تھی۔

سروش نے جواب دیا

نہیں شکریہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے یہ کونسا ایسا بڑا کام تھا۔ آپ نے مجھ سے پہلے ہی کہا ہوتا اب تو نمائش قریب الختم ہے

سروش خوش تھا کہ چلو اب یہ بلا ٹلنے والی ہے اس نے جلدی جلدی واپسی کے لئے قدم بڑھائے روح افزا ابھی پلٹی لیکن پیچھے مڑ مڑ کر ایک ایک چیز دیکھ رہی تھی۔ سروش آگے بڑھ گیا اس کو واپسی کی بے حد جلدی تھی۔ جب وہ آگے خاصی دور نکل گیا تو روح افزا کو ہوش آیا اور وہ بھی بھاگتی ہوئی اسکے قریب پہنچکر بولی۔ سروش بھائی آپ کو تو اسقدر جلدی ہے کہ مجھے پیچھے ہی چھوڑے جا رہے ہیں۔

سروش نے جواب دیا۔

معاف کیجیے گا میں یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ ساتھ ہی چلی آ رہی ہیں۔ آپکا ابھی تک دل نہیں بھرا ہے تو کچھ دیر اور ٹھہر جائیے۔

روح افزا نے ناک چڑھا کر کہا۔

نہیں۔ اب واپس ہی چلنا چاہیئے خاصی دیر ہو گئی ہے : در آپکی طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔

اب دونوں کار کے پاس پہنچ گئے اور دروازہ کھولکر بیٹھ گئے۔ سروش نے موٹر کار اسٹارٹ کر دی۔

روح افزا نے کہا۔ برائے مہربانی کار آہستہ چلائیے گا۔ رات کیوقت مجھے تیز رفتار سے ڈر لگتا ہے۔

سروش نے جوابدیا۔ دیکھیئے کوشش کرونگا۔ فاسٹ ڈرائیونگ کی مجھے عادت ہے۔

سروش کار کو آہستہ آہستہ چلانے لگا۔ روح افزا سروش سے بالکل ملکر بیٹھ گئی۔ اور اونگھنے لگی۔ جاڑے کی اداس اور سنسان چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا سرسرا رہی تھی۔ روح افزا نے اونگھتے میں اپنا سر سروش کے شانے سے ٹکا دیا۔ چہرہ اس کے چہرے کے قریب ہو گیا۔ اور گرم گرم سانسیں اسکی گردن سے ٹکرانے لگیں۔ سروش گھبرا گیا اور پریشان ہو کر اس نے جلدی سے اسے آہستہ سے دھکا دیا اور بولا۔

دیکھیئے آپ سو رہی ہیں ابھی میرا ہاتھ بہک جاتا اور حادثہ متوقع تھا میرا خیال ہے آپ پچھلی سیٹ پر آرام سے لیٹ جائیے۔

روح افزا نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔ اف اتنی نیند آنے لگی مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں سو گئی۔

سروش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور کار کی رفتار تیز کر دی جنید

منٹ بعد روح افزا نے پھر وہی حرکت کی۔

سروش نے یہ کہا۔

دیکھیے آپ پھر سونے والی ہیں اگر اس وقت میرا ہاتھ بہک گیا تو خیریت نہیں۔

روح افزا نے چونک کر جواب دیا۔ اب نہیں سوؤں گی۔

اور وہ واقعی سیدھی ہو کر خاموش بیٹھ گئی۔ چند منٹ بعد کار آفتاب منزل کی پورچ میں داخل ہو کر رک گئی۔ اور روح افزا اتر کر اسکا شکریہ ادا کرتے ہوئے اندر چلی گئی۔ اور بستر پر اوندھی پڑ کر سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔

حسینہ بیگم بھی آ کر اسکے قریب بیٹھ گئیں۔ انہیں بھی روح افزا کی ناکامی اور سروش کی رکھائی اور بد اخلاقی پر غصہ اور افسوس تھا انہوں نے کس امید سے اسے کھانے پر بلایا تھا قیمتی اور مزیدار کھانے پکوائے تھے اور پھر روح افزا کو بنا سنوار کر اسکے ساتھ تنہا نمائش میں بھیجا تھا اور یہ اپنی سریلی آواز میں روح افزا نے ایک غزل بھی تو سنائی تھی انہیں قوی امید تھی کہ انکی اس کوشش کا آج ضرور کوئی بہتر نتیجہ نکلے گا۔ مگر ہوا کچھ بھی نہیں وہی ڈھاک کے تین پات۔

سروش نے اپنی گھڑی دیکھی اب ایک بجنے والا تھا اف آج کسقدر وقت ضائع ہوا ہے۔ میں نے بے وقوفی کی سرے سے کھانے ہی سے انکار کر دینا چاہیئے تھا۔ یا پھر معذرت کر کے چلے آنا چاہیئے تھا۔ لاحول ولا قوت کس مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ جیسے سانپ کے منہ میں چھچھوندر۔ اگر میں اتنی لاپرواہی اور خشکی نہ برتتا تو پوری رات ہی

خراب ہوتی۔ چند گھنٹے ایک مصیبت ہو گئے تھے۔ کاٹے نہیں کٹتے تھے۔ مگر اس کھانے کا معمّہ سمجھ میں نہیں آیا۔ آفتاب نے تو اس دن بیہودگی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ واقعی میں نے بڑی بے وقوفی کی جو انکے گھر جا کر کھانا کھایا۔

سوچتے سوچتے وہ اپنے گھر پہنچ گیا اور کمرے میں جا کر ٹہلنے لگا۔

—— x ——

توفیق احمد کو جنیوا گئے ہوئے دو مہینے سے زیادہ گذر گئے تھے
انکے خطوط برابر عروسہ کے نام آتے رہتے تھے حسینہ بیگم بڑی بے چینی سے
اپنا وقت گذار رہی تھیں کبھی وہ جہاندار منزل میں رہتیں اور کبھی اپنے گھر
چلی جاتیں۔ انہیں سرورش کے اس دن کے رویئے کا بہت افسوس تھا
مگر اب وہ پہلے سے زیادہ عروسہ کی دیکھ بھال کرنے لگی تھیں آنکھوں ہی
آنکھوں میں اسکی نگرانی کرتی رہتی تھیں۔ اسکے علاوہ روح افزا ویسے
ہی اسکے ساتھ ساتھ رہتی۔

ادھر آفتاب کے قانون کے امتحان کے پہلے سال کا نتیجہ نکلنے والا تھا
آفتاب خود اس کی فکر میں تھا۔ اور برابر دوڑ دھوپ کر رہا تھا دن میں
کئی کئی مرتبہ یونیورسٹی کے چکر کاٹا کرتا تھا۔ پاس ہونے کے لئے روپیہ
پانی کی طرح بہا رہا تھا۔ انوار احمد آس لگائے بیٹھے تھے کہ کسی طرح آفتاب کے
نام کے آگے ایل ایل بی کی ڈگری لگ جائے۔ ان کے خاندان کے کسی
فرد کے پاس کوئی ڈگری نہیں تھی۔ اور حسینہ بیگم اس فکر میں تھیں کہ اسکے پاس
ہونیکے بعد وہ باقاعدہ عروسہ کا پیغام بھائی کو دیں روح افزا اس انتظا

میں تھی کہ عروسہ کی شادی جب آفتاب سے ہو جائے گی پھر تو میدان صاف
ہے۔ وہ پھر سے کوئی نہ کوئی جادو کرے گی میکسی نیکر تو ناکام رہا اب کے وہ ایوننگ ان
پیرس اور یارڈلے کی بھینی بھینی خوشبو کا سحر پھیلائے گی۔

خوش قسمتی سمجھی جائے یا حسینہ بیگم کے روپے کا زور یا پھر نفیسہ بیگم کے
وظیفہ کی برکت سمجھنی چاہئے کہ آفتاب نے امتحان کے پہلے سال میں کامیابی
حاصل کر لی۔ اب کیا تھا خبر سنتے ہی نفیسہ بیگم نے اپنی تسبیح اور گردن ہلا کر
اپنے پیلے پیلے سیاہ دانتوں کو خوشی سے باہر نکال کر ہنسنے کی کوشش میں
بطخ کی طرح قیں قیں کرتے ہوئے کہا۔

میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ اب کے بچہ ضرور پاس ہو گا۔ وہ وظیفہ بڑا جلالی
ہے جو میں نے پڑھا تھا اسکے لئے بڑی ہمت چاہئے اب دیکھو خدا کے فضل
سے پاس ہو گیا۔

حسینہ بیگم خوشی سے دل کو دباتے ہوئے بولیں۔

ہاں آپا جان۔ خدا نے رحم کیا۔ اے روپیہ بھی تو بے تحاشہ
صرف ہوا ہے۔

روح افزا نے مسکرا کر کہا۔ بس اب چھ مہینے کے اندر اندر بھائی
صاحب کی شادی ہو جانی چاہئے۔

یہ کہکر اس نے عروسہ کی طرف دیکھا۔ جو دھوپ میں کرسی پر بیٹھے
اخبار دیکھ رہی تھی۔

انوار احمد مسکرا کر بولے بھئی خدا اسکو آئندہ سال بھی کامیاب کرے
تو اسکے نام کا ایک بڑا سا بورڈ اپنے پھاٹک پر لگوائیں گے۔
کلو نے دانت نکال کر کہا بس حضور مٹھائی آنی چاہئے۔ بھلوگوں کا

منہ میٹھا ہو گا تب ہی دعا نکلے گی۔

حسینہ بیگم نے مسکرا کر کہا۔

ہاں تو گھبرا کیوں رہا ہے مٹھائی بھی ضرور آئے گی بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو سکتی ہے، خدا نے ایک سال تو آسان کر دیا معلوم نہیں میرے بچے کو کس کی نظر لگی تھی جو تین سال سے اٹک رہا تھا۔

حسینہ بیگم اور آفتاب ایسے خوش تھے۔ جیسے انہوں نے عالمی سطح کا کوئی کارنامہ انجام دیا ہو۔ اب آفتاب کی گردن ایک طرف کو اکڑی سی رہنے لگی تھی۔

حسینہ بیگم نے جھٹ ایک شاندار دعوت کا پروگرام بنا لیا انکو آفتاب کے پاس ہونیکا بے چینی سے انتظار تھا۔ انوار احمد بھی اب شہر کے بڑے بڑے افسروں کو اپنی کوٹھی پر کھانا کھلا کر اثر و رسوخ کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔

دعوت سے چند روز پہلے حسینہ بیگم اپنے گھر آ گئی تھیں۔ اور بڑے زور و شور سے انتظام شروع کر دیا تھا۔ بلاوے تقسیم کئے گئے۔ دعوت کے دن صبح ہی سے کمرے آراستہ کر دیئے گئے تھے۔ آفتاب خود انتظامات میں مصروف تھا۔ اسکے چند بہت ہی خاص دوست اور خوشامد خورے اسکے ارد گرد پھر رہے تھے۔

انوار احمد باورچی کو کھانیکے مصالحے اور ترکیب بتا رہے تھے حسینہ بیگم دیکھ بھال میں مصروف تھیں۔

روح افزا کی چند سہیلیاں بھی صبح سے آ گئی تھیں اسکے کمرے میں محفل سی سجی ہوئی قہقہے اور عام قسم کی چہلیں ہو رہی تھیں۔

سعیدہ بولی۔ روح افزا بس اب تو بھیا کی شادی کردو۔
قمر آرا مسکرا کر بولی۔
ہاں اور کیا۔ کہاں تک انتظار کریں گے۔
نگہت نے لقمہ دیا۔ صبر کرو۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔
قمر آرا نے کہا مگر بھئی پہلے سے کہے دیتی ہوں، کہ بھابی سے ذرا ڈر کر رہنا۔
روح افزا نے جواب دیا۔
مجھے کیا ضرورت ہے ڈرنے کی۔ ڈریں بنکے دولہا میاں۔
نگہت نے ہنسکر کہا۔
ہاں تمہیں کیا غرض تمہارے دولہا میاں تو خوش مزاج ہونگے۔
روح افزا مسکرا کر بولی۔
اسمیں کیا شک ہے اور پھر تم کیوں جلی مرتی ہو؟
قمر آرا بولی۔ بھئی ہمیں تو اپنی بھابی کی فکر ہے اور انکی بڑی بہن سے تو ہماری روح فنا ہوتی ہے۔
نگہت نے کہا۔ معلوم نہیں انکے ماموں کی دونوں لڑکیاں خود کو کیا سمجھتی ہیں۔ عارفہ تو ہماری شکل دیکھ کر ہی بھاگ جاتی ہے۔
سعیدہ جو خاصی دیر سے خاموش تھی۔
بھئی خوبصورت بھی تو ہیں دونوں اسی وجہ سے مغرور ہیں۔
نگہت نے کہا۔ عارفہ کا رنگ ہی تو صاف ہے نقشہ کچھ جاپانیوں جیسا ہے۔ ہاں عروسہ بیشک اچھی ہے جب وہ ٹیڑھی نظر کر کے بات کرتی ہے تو بس دل میں کھب جاتی ہے میرا تو اس کو دیکھنے کو دل ترس

رہا ہے کہ وہ کب آئے گی؟

روح افزا نے ناک چڑھا کر جواب دیا۔ مجھ سے پوری طرح آنے کا وعدہ تو نہیں کیا۔ کہہ رہی تھی شام کو وقت ملا تو آجاؤنگی۔

سعیدہ نے کہا۔ اس کے بغیر ہر محفل پھیکی رہتی ہے اسی وجہ سے سب کو ترساتی ہے۔

نگہت نے اقرار کیا۔ یہ تو ٹھیک ہے اسکے برابر شکل سے پوری محفل میں ہی کوئی نکلے گا۔ ایک یاد ہے پیازی جوڑے میں قیامت لگ رہی تھی۔

قمر آرا بولی۔ بھئی یہ تو اللہ میاں کی دین ہے۔

روح افزا نے جواب دیا۔ مگر صورت پر اکڑنا کونسی عقلمندی ہے بس رنگ ہی تو صاف ہے ورنہ آنکھ ناک سب کے ہوتی ہے۔

نگہت بولی۔ خیر یہ تو ٹھیک ہے مگر صورت میں کشش بھی ہوتی ہے تم دیکھ لینا پوری محفل میں اسکے مقابل کوئی نہ نکلیگا۔

قمر آرا نے مسکرا کر کہا۔ نہیں بھئی شام کو اور لوگ بھی بازی لے جائیں گے کیوں روح افزا ٹھیک ہے نا؟

تمام دن روح افزا کی سہیلیاں اسی قسم کی باتیں کرتی رہیں اور بیکار ہی باتوں پر قہقہے لگاتی رہیں۔ سب شام کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھیں انکو قوی امید تھی کہ سرفراز کھانے سے پہلے آجائیگا اس مرتبہ روح افزا نے سرفراز کے دوست خورشید اور اسکی بیوی کو بھی بلایا تھا۔

شام ہوتے ہی مہمان آنے شروع ہوگئے۔ میزبانوں کی سرگرمیاں بڑھ گئیں۔ انوار احمد برآمدے میں کھڑے ہوئے مہمانوں کا استقبال کر رہے

تھے۔ اور کمرے میں حسینہ بیگم اور انکی چند مخصوص سہیلیاں آنیوالوں کی تواضع کر رہی تھیں۔

روح افزا اپنی سہیلیوں کیساتھ اِدھر اُدھر گھوم رہی تھی۔ اسکی آنکھیں بار بار ایک سمت پر لگی ہوئی تھیں وہ بہت بے چینی سے سروش کی منتظر تھی۔ معلوم نہیں وہ ابتک کیوں نہیں آیا۔ اسکا کسی بھی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ سروش کو کئی مرتبہ ٹیلیفون کر چکی تھی۔ معلوم ہوا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے

ٹھیک پانچ بجے کے وقت عروسہ ہلکے نیلے رنگ کے ریشمی رنگ کے کپڑے اور سیاہ لمبا کوٹ پہنے ہوئے آئی۔ اور سیدھے حسینہ بیگم کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے بڑے پیار سے سب مہمانوں سے اسکا ایسے تعارف کرایا جیسے وہ کوئی نئی چیز ہو۔ اور مہمانوں کو ایسے دکھانے لگیں جیسے انہوں نے آج ہی کوئی جانور بڑے شوق سے خریدا ہو۔

عروسہ گھبرا کر روح افزا کے پاس چلی گئی۔ وہاں لڑکیاں ہنسی مذاق میں مصروف تھیں۔ مگر روح افزا بڑی مضطرب نظر آ رہی تھی۔ اسکو تعجب تھا کہ سروش کیوں نہیں آیا۔ اسی کی خوشی کے لئے تو اس نے خورشید کو بلایا تھا۔

عروسہ کا وہاں بھی دل نہ لگا۔ اور وہ حسینہ بیگم کے پاس آ کر انکا ساتھ کام میں لگ گئی۔

رات کے گیارہ بجے مہمان کھانا کھا کر رخصت ہو رہے تھے۔ بارہ بجے کے بعد عروسہ بھی گھر جانے کیلئے تیار ہو گئی۔ حسینہ بیگم نے اسکو بڑے پیار سے گلے لگایا پیشانی چومی اور رخصت کیا وہ باہر نکل کر کھڑی ہو گئی ادھر ادھر دیکھ رہی تھی کہ آفتاب نے آ کر اس سے پوچھا۔ کیا بات ہے عروسہ؟

اس نے جواب دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا گھر کیسے جاؤں؟

آج یہاں رہ جاؤ تو کیا حرج ہے۔

نہیں حرج تو کچھ نہیں مگر میں گھر پر کہکر نہیں آئی ہوں۔ پھوپی اماں کو میرا انتظار ہوگا۔ اسکے علاوہ مجھے کالج میں ضروری کام ہے امتحان ہونے والا ہے۔

آفتاب نے کہا۔

اچھا ٹھہرو میں تمکو بھجوانیکا انتظام کرتا ہوں میں نے دو ایک موٹریں اپنے دوستوں سے مانگ لی ہیں تاکہ مہمانوں کو واپس جانے میں دقت نہ ہو۔ میری کار ابھی آتی ہوگی تم ذرا انتظار کرو۔

عروسہ نے جواب دیا۔ ٹھیک ہے۔ میں یہیں کھڑی ہوں۔

کچھ دیر کے بعد کار آگئی۔ آفتاب نے اس سے کہا۔

لو کار آگئی ہے اگر تم پہلے جانا چاہو تو چلی جاؤ ورنہ پھر کسی اور کو پہنچانے کیلئے چلی جائیگی۔ یہ ڈرائیور رحیم بخش کا ہے۔

عروسہ نے کہا

نہیں پہلے میں ہی جاؤنگی مجھے ذرا جلدی ہے۔

آفتاب نے ڈرائیور سے کہا۔

کریم بخش انہیں جہاندار منزل پہنچا دو۔

جب عروسہ اطمینان سے کار میں بیٹھ گئی تو آفتاب نے کہا

اگر کہو تو کسی اور کو تمہارے ساتھ کردوں ویسے تو یہ کریم بخش بہت اعتماد کے آدمی ہیں۔

اور ڈرائیور سے مخاطب ہوکر بولا۔

کیوں بھئی کریم بخش جہاندار منزل اچھی طرح جانتے ہو نا؟

ڈرائیور نے بڑی مستعدی سے جواب دیا۔ جی ہاں سرکار جہاندار منزل کو کون نہیں جانتا۔ اور پھر ہمارے صاحب تو ایک زمانے میں دن میں چھ چھ پھیرے کیا کرتے تھے۔

آفتاب نے کہا۔ اچھا اب جاؤ۔ جلدی آنا۔

ڈرائیور نے کار چلا دی۔ عروسہ کے دل پر ڈرائیور کی بات کا زبردست اثر ہوا۔ اسے کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ وہ سوچنے لگی۔ کہ سروش اور عارفہ کے تعلقات کی سبھی کو خبر ہے۔ جب ہی کہ ادنیٰ سا نوکر بھی فقرے کستا ہے۔ یہ عارفہ کی نادانی ہے انہوں نے کیوں سروش سے ابگاڑ پیدا کر لیا۔ اسمیں کونسی برائی تھی۔ عارفہ نے کیوں اتنی بڑی نعمت ٹھکرا دی۔ یہ عارفہ کی بدنصیبی ہے۔ سوچتے سوچتے اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اسکے ذہن میں سروش اور عارفہ کی تصویریں بن بنکر بگڑ رہی تھیں۔

کبھی عارفہ کار میں اس کے ساتھ پکنک پر جاتے ہوئے نظر آرہی تھی کبھی ان دونوں کی شکلیں ہوا میں اڑتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کا دل جل رہا تھا جلن اور رقابت کی آگ اسکے دل میں بھڑک رہی تھی اسے کسی بات کا ہوش نہ تھا وہ بڑی دیر تک اسی عالم میں خاموش بیٹھی رہی اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے؟

آخر بہت دیر بعد چونکی اسے محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اس کے شانے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا ہو۔ اس نے جلدی سے آنکھیں کھولکر دیکھا کہ چاندنی رات میں کار فراٹے بھرتی تیزی سے کھلی اور صاف سڑک پر بھاگ رہی تھی۔ اسکا دل یکایک خوف سے اچھلکر حلق میں آگیا۔ اس نے گھبرا کر

ڈرائیور سے پوچھا۔
تم جہاندار منزل نہیں جانتے؟ کہاں جا رہے ہو؟
ڈرائیور نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔
بیگم صاحبہ آپ پریشان نہ ہوں میں ٹھیک جا رہا ہوں۔
عروسہ نے گھبرا کر کہا۔
ٹھیک کیسے جا رہے ہو کیا میں راستہ پہچانتی نہیں ہوں۔ مجھے بے وقوف بنا رہے ہو؟ بولو تم کہاں جا رہے ہو۔
ڈرائیور نے اسی انداز میں جواب دیا۔
اب آپ پوچھ ہی رہی ہیں تو بتانا پڑے گا۔ بات یہ ہے کہ ہمارے مالک سروش بخت صاحب نے آپکو بلایا ہے میں آپکو انہیں کے پاس لئے جا رہا ہوں۔ وہ آپکے منتظر ہیں۔
عروسہ نے غصّے سے کہا۔
کون سروش خوش بخت۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔ واپس چلو ورنہ تمہارے حق میں بہتر نہ ہو گا۔
ڈرائیور نے کار کی رفتار تیز کر دی اور بولا حضور میں اپنے مالک کا حکم نہیں ٹال سکتا بہتر یہی ہے کہ آپ خاموشی سے چلی چلیں آپ اطمینان رکھیں میں آپکو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔
یہ سنکر عروسہ پہ گویا بجلی سی گری۔ مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے وہ بدحواس ہو گئی۔ اسکا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ رات کا وقت سنسان سڑک پر اجنبی ڈرائیور اسے معلوم نہیں کہاں لئے جا رہا تھا ڈر کی وجہ سے اسکا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ اسکے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت

قطعی مفلوج ہو چکی تھی۔ دماغ سن ہو چکا تھا۔ پھر بڑی ہمت کر کے ڈرائیور سے بولی۔

میں تم سے کہتی ہوں کہ مجھے واپس پہنچا دو۔ ورنہ ٹھیک نہیں ہوگا اور اس حرکت کی تمہیں سخت ترین سزا ملے گی۔

ڈرائیور نے بڑی مستقل مزاجی سے کہا۔

بیگم صاحبہ آپ کسی قسم کی فکر نہ کریں ڈرنے کی کوئی بات نہیں میں روشن صاحب کا نمک کھا چکا ہوں۔ انکی حکم عدولی کرنا حرام سمجھتا ہوں۔ وہ شام سے آپ کے منتظر ہیں۔

عروسہ نے لالچ دیتے ہوئے کہا۔ اگر تم مجھے گھر پہنچا دو گے تو میں تمہیں اتنا انعام دونگی کہ تمہاری زندگی کے لئے کافی ہوگا۔ سوچ لو اچھی طرح۔

مگر ڈرائیور پر اس کی کسی بات کا مطلق اثر نہیں ہوا۔ اور تیزی سے کار چلاتا رہا۔

عروسہ پریشانی میں دیوانی سی ہو رہی تھی۔ اس نے سوچا کیوں نہ میں پیر سے جوتی اتار کر اس کے سر پر بجانی شروع کر دوں۔ پھر اسکو خیال آیا۔ کمبخت کلینہ آدمی ہے معلوم نہیں میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ پھر کیا کروں..... اسکا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اس نے چلتی کار سے چھلانگ لگا دینے کا بھی ارادہ کیا پھر سوچا۔ اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں یہ کمبخت کار روک کر مجھے پکڑ لے گا۔ پھر کیا کروں؟..... کاش اسوقت میرے پاس کوئی ہتھیار ہوتا..... چھوٹا سا پستول صرف ایک ہی گولی اسمیں ہوتی۔ پھر میں اس مردود کو یہیں ڈھیر کر دیتی...... مگر سرکشی نے ایسا کیوں کیا؟ میرے ساتھ اسقدر بدمعاشی کی چال کیوں چلی گیا

واقعی سروش اسقدر دھوکے باز اور کمینہ شخص ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟ نہیں نہیں سروش ہرگز ایسا نہیں ہے چاہے کچھ بھی ہے مگر مجھے سروش پر کامل بھروسہ اور اعتماد ہے۔ یہ کسی اور نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے سروش کو تو خبر بھی نہ ہوگی۔ کہ ان کے نام سے کوئی یہ حرکت کر رہا ہے نہیں سروش ہرگز اس قسم کی کمینی حرکت نہیں کر سکتا۔

وہ سوچتی رہی اور مجبور و بے بس بیٹھی رہی کافی دیر اسی عالم میں ہوگئی اسکا دل و دماغ اس حادثے سے اچھی طرح مانوس ہوگیا تھا اب وہ ذہین میں فرار کی ترکیبیں سوچ رہی تھی۔ کچھ دور کار چلنے کے بعد ایک سنسان سی جگہ پر بنے ہوئے ٹوٹے پھوٹے دیہاتی وضع کے مکان کے آگے ٹھہر گئی۔

کار کی آواز سنکر اندر کوٹھری میں سے ایک بڑھیا اور تین چار لڑکیاں باہر نکلیں۔ ڈرائیور نے اتر کر کار کا دروازہ کھولا اور ہاتھ باندھ کر عروسہ سے بولا۔

بیگم صاحبہ اب آپ اتر آئیں میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ اور مجھے جو حکم سروش صاحب نے دیا تھا بجا لایا۔ آفتاب صاحب ناراض ہو رہے ہونگے مگر میں مالک کے حکم کے آگے کسی کی نہیں سن سکتا۔

بوڑھی عورت اور اس کی لڑکیاں عروسہ کے انتظار میں کھڑی تھیں بڑھیا عروسہ کو دیکھ کر بولی۔

اتر آؤ بی بی۔ کوئی ڈر کی بات نہیں ہے۔

عروسہ نے مدھم آواز سے پوچھا۔ یہاں کون رہتا ہے؟

عورت نے جواب دیا۔

یہاں کوئی نہیں ہے صرف میرا بوڑھا ہے اور یہ میری لڑکیاں ہیں۔
عروسہ نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب پہلے سے انتظام تھا کہ مجھے یہاں پھانس کر لایا جائیگا۔
بوڑھی عورت نے کہا۔ ہاں بیگم جی۔ پہلے صاحب ہی آ کر کہہ گئے تھے کہ تمہیں چند روز ہم مہمان رکھیں گے۔ اس کے بدلے میں وہ ہمیں بہت سا انعام دیں گے۔ ہم غریب آدمی ہیں۔ صاحب کبھی کبھی آجاتے ہیں۔ تو روپے پیسے سے ہماری مدد کر جاتے ہیں۔ کھانیوالے بہت ہیں ہماری گذر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ تم جلدی سے اتر آؤ۔
عروسہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ موٹر سے اترے یا نہیں پریشانی اور گھبراہٹ میں اسکے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے اس کو اپنے اوپر سخت غصہ آرہا تھا کہ وہ کیوں اس طرح بغیر سوچے سمجھے تنہا موٹر میں بیٹھ گئی۔ مگر اسوقت اسکو وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ اسکے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا جائیگا۔ اسے یہ تک معلوم نہیں تھا کہ وہ کس جگہ ہے اور یہ فریب اسکو کسنے دیا ہے۔ اگرچہ ڈرائیور صاف طور سے سروش کا نام لے رہا تھا مگر اس کو یقین نہیں تھا۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کون ہیں؟
لیکن وہ کار سے اتر آئی۔ بیٹھے رہنے سے کوئی فائدہ نہ تھا۔
پھر مسکرا کر بڑھیا سے بولا۔
مائی اسوقت بڑی تیزی سے موٹر اڑا کر لایا ہوں سروش صاحب کا یہی حکم تھا۔ سردی کیوجہ سے ہاتھ اکڑ گئے ہیں اور جاتے میں برا حال ہوجائیگا ایک پیالہ گرم چائے پلا دو تو بڑی مہربانی ہوگی۔

یہ سنکر بڑی بی نے اپنی لڑکی کو اشارہ کر کے کہا۔

جا۔ رشیدہ۔ بابو صاحب کو چولہے کے پاس بٹھا کر گرم گرم چاء بنا کر پلا میں ذرا بی بی جی کو تسلی دیدوں۔

یہ کہکر وہ عروسہ کو ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر لیکر بیٹھ گئی۔

——— x ———

اری کمبخت کیا پاگل ہوگئی ہے۔ نعیمہ بیگم نے کریمن کو ڈانٹا جب اس نے صبح اللہ عروسہ کے گھر نہ آنیکا ذکر کیا۔

حسنیہ نے رات کو روک لیا ہوگا تو کیوں مری جا رہی ہے مجھے صبح ہی صبح ایسی ویسی خبر سنائے۔

کریمن پریشان ہوکر بولی۔

نہیں بیگم صاحب وہ تو رات کو واپس آنیکو کہہ گئی تھیں۔

نعیمہ بیگم پھر اسی انداز سے بولیں معلوم ہوتا ہے تیرا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ پھوپھی کے گھر رات کو ٹھہر گئی تو کونسی قیامت آگئی۔ وہ بھی تو بہن ہے جو ادھر ادھر چلی جائے گی۔ جا اپنا کام کر۔

یہ سنکر کریمن وہاں سے چلی آئی۔ اور کلو کو سوتے سے جگا کر تمام ماجرا سنایا۔

کلو گھبرا کر چارپائی سے سیدھا کھڑا ہوگیا اور آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

اے بوا یہ کیا ہوگیا؟

ارے تم یہاں کھڑے کیا باتیں بنا رہے ہو۔ ذرا آفتاب منزل میں جا کر دیکھ۔

کلو نے گردن ہلا کر کہا۔ ہاں جا رہا ہوں۔ مگر وہاں کیا رکھا ہے چھوٹی بی بی کبھی نہیں رات کو وہاں ٹھہریں گی۔ ہوا یہ تو بڑا غضب ہو گیا صاحب تو واپس آ کر ہمیں زندہ بھی نہ چھوڑیں گے۔

یہ کہتا ہوا وہ سیدھا آفتاب منزل پہنچا۔

حسینہ بیگم اور آفتاب وغیرہ یہ سنکر سخت حیران و پریشان ہو گئے اور جلدی جلدی دونوں ماں بیٹے ہانپتے کانپتے کسی نہ کسی طرح جہاندار منزل پہنچے کیونکہ آفتاب کی کار بھی نہ تھی۔ جب نعیمہ بیگم نے سارا حال سنا تو تخت سے کھڑی ہو گئیں اور اپنی جان پیٹتی ہوئی بولیں۔

اے ہے غضب ہو گیا۔ کہاں غائب ہو گئی۔ کسکے ساتھ جلدی؟

آفتاب نے دھیمی آواز سے کہا۔

خالہ جان۔ آپ کیوں شور و غل کر رہی ہیں۔ رات عروسہ کو خود میں نے اپنی کار میں سوار کرایا تھا۔ ڈرائیور خوش بخت کا تھا۔ جو کبھی انکے ساتھ یہاں بہت آتا تھا۔ اور اسی وجہ سے میں نے کوئی خیال بھی نہیں کیا رات بڑی دیر تک خود انتظار کرتا رہا کہ موٹر واپس آ جائے مہمانوں کے واپس چلے جانے کے بعد میں سو گیا۔ اب اس وقت میں یہاں آنے والا تھا میرا خیال تھا۔ کار یہاں ہو گی۔ اور ڈرائیور رات کو عروسہ کو یہاں پہنچا کر اپنے گھر چلا گیا ہو گا۔ یہ گمان تک نہیں تھا کہ عروسہ گھر ہی نہیں پہنچی۔ وہ ڈرائیور کبھی ایسی غلطی نہیں کر سکتا۔

حسینہ بیگم نے ذرا وضاحت چاہی اور پوچھا۔

بیٹا وہ ڈرائیور کل ہمارے یہاں کیوں آیا تھا کیا تم نے اسکو بلایا تھا؟

آفتاب نے جواب دیا۔

نہیں اماں جان۔ میں کیوں اسکو بلاتا۔ وہ تو خود ہی کل دعوت کو سنکر مجھ کو مبارکباد دینے آیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ اسمیں بھی خوش بخت کی کوئی چالاکی ہے۔ کل خود تو دعوت میں بھی نہ آئے مجھے کیا معلوم تھا کہ کوئی اسکیم بنی ہوئی ہے اور میں تو پہلے ہی سمجھ رہا تھا کوئی نہ کوئی گل کھلنے والا ہے۔

نعیمہ بیگم نے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا ہائے اب بھیا آئینگے تو ان کو کیا جواب دونگی۔ عروسہ نے تو میرا ابھی سر مونڈ دیا۔

حسنیہ بیگم نے بات آگے بڑھا دی۔

اور کیا بھائی جان یہ نہ کہینگے کہ دو دو بہنیں موجود تھیں مگر کسی نے لڑکی کا خیال نہ کیا وہ تو سارا سر ہمکو ہی موردِ الزام ٹھہرائیں گے۔ انہیں کیا معلوم کہ کسقدر آزاد ہو گئی ہے۔

آفتاب نے رائے دی۔

چلئے عروسہ کے کمرے میں تو دیکھا جائے شاید کچھ پتہ چلے اور پھر سب عروسہ کے کمرے میں آگئے۔ کلوا اور کریمن بھی ساتھ ہو لئے۔

ایک ایک چیز دیکھی۔ میزیں۔ درازیں۔ الماریاں۔ سب سے آخر میں مسہری کا بستر دیکھا تو۔ نیچے سے دو خط سروش خوش بخت کے نکلے جو لمبے لمبے محبت نامے تھے۔ اور انگریزی میں لکھے ہوئے تھے آفتاب نے ترجمہ کر کے سب کو سنایا۔ حسنیہ و نعیمہ بیگم دانتوں میں انگلیاں دبائے ششدر رہ گئیں۔

لو یہ تو پہلے ہی سے پروگرام بنا ہوا تھا۔ اب کہیں ڈھونڈنے یا تلاش کرنیکی گنجائش نہیں ہے۔

کلو سے خاموش نہ رہا گیا۔ وہ بولا۔

بس تو صاحب اب میں جاکر پولیس میں رپورٹ کرتا ہوں ہیں صاحب آکر ہمیں جوتے مارینگے۔

نعیمہ بیگم نے ڈانٹا۔

چپ۔ نمکحرام۔ اب تو پولیس میں رپورٹ کراکے بھیا کی عزت خاک میں ملائیگا۔ ایک تو صاحبزادی نے یہ گل کھلایا اور پھر تو پولیس میں رپورٹ کیسے شہرت کریگا۔ خبردار جو کسی کو کانوں کان خبر ہوئی۔

کلو بولا۔

بیگم صاحب۔ کوئی تلاش کرنیکا انتظام ضرور ہونا چاہیئے خاموش بیٹھنے سے تو بڑی گڑبڑ ہو جائے گی۔

آفتاب نے کہا۔ اچھا تم خاموش رہو ہم سب کچھ کرلینگے۔ اسطرح تھوڑی بیٹھے رہیں گے۔ خفیہ پولس کا ایک آدمی میرا دوست ہے ہم بھی دیکھ لیں گے یہ نامعقول حرکت کسکی ہے؟

نعیمہ بیگم نے سرد آہ بھر کے کہا۔ ہاں بیٹا تمہی کہیں جاؤ۔ کچھ کرو ورنہ یہاں تو سارے بدنامی کے خواہاں ہیں جو سنے گا مذاق بنائیگا کیا کچھ باتیں نہیں بنئیں گی۔؟ یہ بھی بھیا کی قسمت میں لکھا تھا۔

حسینہ بیگم بولیں۔

بھائیجان نے جیسا کیا ویسا انکے سامنے آیا۔ لڑکی کی ماں ہی کونسی پارسا نیک بخت تھی جو ایسی نہ ہوتی۔

آفتاب نے کہا۔

اب آپ لوگ بیکار کی باتیں نہ کریں۔ وقت ضائع ہوگا اچھا

کلو دیکھو تم اور نوکروں کو بھی منع کردو کہ یہ بات کسی سے نہ کہیں ورنہ ماموں جان کی بڑی بدنامی ہوگی۔ تم لوگ جاکر اپنا کام کرو۔

کلو اور کریمن تو وہاں سے چلے آئے۔ مگر آفتاب، حسنیہ بیگم اور نعیمہ بیگم بڑی رازداری سے کچھ باتیں کرتے رہے۔ پھر آفتاب اپنے کسی دوست کی کار لیکر عروسہ کی تلاش میں نکل گیا۔

کلو اور کریمن باہر کھڑے تھے کلو بولا۔ کریمن بوا۔ مجھے تو قصہ ہی دوسرا معلوم ہوتا ہے بھلا بی بی کے پاس سروش صاحب کے خط کیسے آسکتے ہیں؟

کریمن نے سوچکر گردن ہلائی۔ اور بولی۔

ہاں۔ دیکھو تو کسی کا خط آئیگا ہمیں معلوم نہیں ہوگا۔ ہرگز نہیں یہ جھوٹ ہے

ہاں۔ بوا میں سب سمجھ رہا ہوں جھوٹ موٹ کے خط لکھکر بستر کے نیچے رکھدینا کونسی بڑی بات ہے یہ تو میں بھی کرسکتا ہوں۔

کریمن بولی۔ معلوم نہیں بی بی کس مصیبت میں پھنسی ہیں۔ کلو بھیا تم ہی کوئی ترکیب کرو چاہے صاحب کو تار دیدو۔

ہاں۔ کچھ نہ کچھ ضرور کیا جائیگا۔ اور دیکھو تم بالکل خاموش ہی رہنا کوئی بات زبان سے نہ نکالنا۔

وہ اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ سامنے پھاٹک میں سے عروسہ بڑی تیزی سے کار لے کر داخل ہوئی اور برساتی میں پہنچکر موٹر ڈگمگاتی ہوئی ایک ستون سے جا ٹکرائی۔

عروسہ کو اپنے اطراف کی تمام چیزیں گھومتی ہوئی محسوس ہوئیں اور بیہوش ہوکر اسکا سر اسٹیرنگ سے ٹک گیا۔

کار کے ٹکراتے ہی، کلو، کریمن اور دوسرے نوکر دوڑتے ہوئے اسکے قریب

پہنچے۔ عروسہ کو بیہوش پا کر کریمن تو رونے لگی۔ کلو نے اسکو گھور کر
دیکھا اور بولا۔ اری پاگل رونے کیوں لگی۔ جلدی سے بی بی کو نکالکر بستر
پر لٹا۔ دیکھ وہ بیہوش ہو گئی ہیں۔

یہ کہکر اس نے کریمن کی مدد سے عروسہ کو کار سے اتارا اور جلدی
سے اسکے کمرے میں لیجا کر بستر پر لٹا دیا۔

عروسہ کے آنے کی اطلاع پا کر دونوں بہنیں چکرا گئیں انہیں یقین ہی
نہیں آیا تھا۔ پھر حیرت اور خوفزدہ سی عروسہ کے کمرے میں پہنچیں۔ اور حیرت
زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ کسی میں بولنے کی سکت نہ تھی۔ حسینہ بیگم
کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ آخر نعیمہ بیگم گلا صاف کر کے بڑی
ہمت سے بولیں۔

الٰہی تیرا شکر ہے کہ بچی واپس آگئی۔ معلوم نہیں اس نے رات کہاں
گذاری اب اس حالت میں گھر واپس آئی ہے۔ ہمارے تو ایسی آزادی
دیکھ کر ہی ہوش اڑے جا رہے ہیں۔

یہ کہکر انہوں نے ایک نظر سے کمرے کا جائزہ لیا۔

اب حسینہ بیگم کے بھی ہوش حواس درست ہوئے انہیں بھی بولنے
کی ہمت ہوئی۔

ہاں، آپا جان نعیمہ۔ نہیں کیا وجہ ہے اس نے تو عارفہ کو بھی مات
کر دیا۔ وہ تو بےچاری یونہی مشہور ہو گئی ہے اسکو ہم نے کبھی اس
حالت میں گھر واپس آتے نہیں دیکھا۔

دونوں بہنیں دبی دبی زبان سے باتیں کرتی رہیں۔ کلو اور کریمن عروسہ
کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ اسکا جسم بالکل سرد تھا

تھوڑی دیر بعد اسکو ہوش آگیا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ خود کو اپنے کمرے میں پاکر اور کلو اور کریمن کو اپنے قریب دیکھ کر وہ قدرے مطمئن ہوگئی۔

پندرہ بیس منٹ بعد اسکا دماغ اپنی اصل حالت میں آگیا وہ اٹھ بیٹھی اس عرصے میں کلو کافی بنا کر لے آیا۔ کافی پی کر اسکو اپنے جسم میں توانائی محسوس ہوئی۔

نعیمہ بیگم نے متعجب ہوکر حسینہ بیگم کو دیکھا اور عروسہ سے بولیں

اے بچی تمام رات کہاں کہاں گھومتی رہیں۔ ہملوگ تو سخت پریشان تھے۔

حسینہ بیگم نے انکی بات کاٹی

آپا جان۔ ابھی ایسی باتیں نہ کیجئے۔ وہ خود ہی بہت تھکی ہوئی ہے ذرا طبیعت سنبھل جائے میرا خیال ہے رات کلب میں رک گئی ہونگی۔

عروسہ نے یہ سنکر اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ کریمن اسکا سر دبانے لگی۔

دونوں بہنیں مایوس ہوکر واپس اپنے کمرے میں آگئیں۔

انکے جانے کے بعد عروسہ نے آنکھیں کھولدیں اسکا جسم تھکن سے چور تھا وہ بیحد تکان محسوس کررہی تھی۔ مگر وہ بیحد مطمئن تھی۔ رفتہ رفتہ اسکا دماغ بوجھل ہونے لگا۔ اور پھر وہ سوگئی۔

ابھی عروسہ بے خبر سورہی تھی دونوں بہنیں اور روح افزا کھانے میں مصروف تھیں روح افزا نے چاہا کہ عروسہ کو بھی جگا دیا جائے لیکن نعیمہ بیگم نے اسے سختی سے منع کردیا۔

نہیں۔ ابھی اسکو نہ جگانا۔ چھ سات گھنٹے سوئے گی تو اسکا دماغ ٹھیک ہوگا۔ بیٹی ابھی تم بچی ہو ان باتوں کو کیا جانو۔

حسینہ بیگم نے لقمہ نگلتے ہوئے کہا۔ کیا پتہ اس نے کہاں رات گزاری میرا خیال ہے کلب میں ہی ڈانس کرتی رہی ہو گی۔

وہ اتنا ہی کہنے پائی تھیں کہ کلو اچانک خوشی سے دیوانہ سا وہاں پہنچا۔ اور ہانپتے ہوئے توفیق احمد کے واپس آجانیکی خوشخبری دی اس خبر کے سنتے ہی سب کے اوپر بجلی سی گر پڑی نعیمہ بیگم کی سانپ جیسی چھوٹی اور سرخ آنکھیں باہر نکل آئیں۔ شاہی ٹکڑے دن کا نوالہ حلق میں پھنس کر رہ گیا۔ حسینہ بیگم کے ہاتھ سے پانی کا گلاس چھوٹ پڑا۔ اور جسم پر رعشہ سا طاری ہو گیا۔ کسی کو وہم وگمان تک نہ تھا کہ وہ تین مہینے کے اندر واپس آجائیں گے۔

توفیق احمد دھاری دار سرمئی سوٹ پہنے، موٹے فریم کا چشمہ لگائے ہاتھ میں چھڑی ایک چھوٹا سا سفری بیگ لئے مسکراتے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کو دیکھ کر سب جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ نعیمہ بیگم پہلے انکے بعد حسینہ بیگم جھپٹ کر ان کے گلے لگ گئیں نعیمہ بیگم نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

بھیّا۔ تم بغیر اطلاع کے کیسے آگئے ایک تار دیدیتے تو کوئی اسٹیشن ہی چلا جاتا۔

توفیق احمد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

جی ہاں۔ مجھے یہاں ضروری کام تھا۔ اور میں کہہ بھی گیا تھا۔ کہ جلد سے جلد واپس آجاؤنگا۔

حسینہ بیگم نے لرزتی آواز سے پوچھا۔

بھائیجان اب عارفہ کیسی ہے۔

انہوں نے کہا

عارفہ اب الحمد اللہ تندرست ہے خدا نے اپنا فضل کیا اسکو بچا لیا۔ اس وجہ سے میں بھی مطمئن ہو کر واپس آ گیا۔

انہوں نے اچانک پوچھا

عروسہ کہاں ہے وہ نظر نہیں آئی کیا کالج گئی ہوئی ہے!

نعیمہ بیگم جلدی سے بولیں۔

نہیں بھیا وہ تو گھر ہی پر ہے اس کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسلئے سو رہی ہے۔ چائے کے وقت تک اٹھ جائے گی۔

یہ سنکر توفیق احمد کو تشویش ہوئی اور وہ بولے۔

اچھا میں ذرا جا کر اسکو دیکھ لوں۔

یہ کہکر وہ سیدھے عروسہ کے کمرے میں پہنچے۔ پیچھے پیچھے حسینہ بیگم بھی گئیں۔ توفیق احمد نے کمرے میں جاکر دیکھا تو عروسہ کو آرام سے بستر پر سوتا پایا۔ وہ مطمئن ہو کر الٹے قدموں لوٹ آئے اور پھر آکر کھانا کھانے لگے۔

کھانے کے بعد حسینہ بیگم و نعیمہ بیگم انہیں عارفہ کا حال چال پوچھنے کے بہانے اپنے کمرے میں لے گئیں۔

کچھ دیر تک دونوں عارفہ ہی کے بارے میں سوالات کرتی رہیں پھر نعیمہ بیگم مطلب پر آ ہی گئیں اور بولیں۔

بھیا خدا کی قسم اس وقت تمہارے واپس آنیکی ایسی خوشی ہوئی کہ میں کیا بتاؤں۔ آج میں نے تمہاری واپسی کی اللہ سے بہت دعا مانگی تھی۔ اور اس نے مجھ گنہگار کی سن لی۔ ورنہ میں نے تو سوچا تھا کہ

کل تار دیکر تمہیں بلاؤں ۔
توفیق احمد نے پوچھا ۔
کیوں کیا بات ہے جو مجھے تار دیکر بلانیکا ارادہ تھا؟
حسینہ بیگم بن کر بولیں ۔
نہیں بھائی جان ۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے گھر کا معاملہ ہے سب ٹھیک ہو جائیگا ۔ آپا جان تو یونہی پریشان ہو جاتی ہیں ۔
یہ سنکر توفیق احمد کو تشویش ہوئی ۔ اور انہوں نے تیزی سے پوچھا ۔
آخر معاملہ کیا ہے ؟ کچھ معلوم بھی تو ہو ؟
نعیمہ بیگم نے تسبیح کے دانے پھرا کر گردن ہلا کر جواب دیا ۔
نہیں بھیا ۔ بات ویسے تو کچھ بھی نہیں ہے مگر ہمارے لئے تو سب کچھ ہے ۔ اے جوان لڑکی کو یوں بٹھائے رکھنا ٹھیک نہیں ہے میں تو کہتی ہوں کہ تم اب واپس آ گئے ہو تو بسم اللہ کرو اور جلدی سے عروسہ کی شادی کر دو ۔ حسینہ بالکل تیار ہے ۔ اسد کا لڑکا تو اس سال پاس بھی ہو گیا ہے ورنہ زیادہ بدنامی ہو جائے گی ۔
توفیق احمد نے حیرت سے پوچھا ۔
آپ کیا کہہ رہی ہیں میں بالکل نہیں سمجھا ۔
نعیمہ بیگم پھر اسی انداز سے بولیں ۔
ارے بھیا کچھ کہنے کو تو دل نہیں چاہتا آجکل کا زمانہ ہی ایسا ہے لڑکیاں نا سمجھ تو ہوتی ہی ہیں بس ذرا آزادی ملی اور انہیں کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اچھی بری بات کیا ہے اور وہ کیا کر رہی

ہیں۔ اب رات ہی کا واقعہ سن لو۔

یہ کہہ کر انہوں نے آہستہ آہستہ عروسہ کے تمام رات غائب رہنے کا واقعہ اپنے دلپسند گیٹ اور شوخ رنگوں میں رنگ کر اور توڑ مروڑ کر خوب نمک مرچ لگا کر انہیں سنایا۔

توفیق احمد حیرت کے مارے اور آنکھیں پھاڑے سب کچھ سنتے رہے۔ انہیں تعجب تھا کہ صرف تین ماہ کے اندر عروسہ اس درجہ تک آزاد ہو گئی ہے کہ تمام رات کلب میں ہوٹلوں میں گذارنے لگی اور صبح کو بمشکل نشہ میں چور گھر پہنچی ہے وہ سب سنتے تھے۔ اور مارے غصّے کے اپنے ہونٹ کاٹتے جاتے تھے۔ حسینہ بیگم نے جب دیکھا تو بولیں۔

بھائی جان۔ اسمیں اتنا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے میں آپ کی بہن ہوں آپ کی بدنامی کسی حال میں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ آفتاب میرا نہیں آپ کا بیٹا ہے وہ حاضر ہے اور دل سے چاہتا ہے کہ رشتہ جلد ہو جائے۔ شادی کے بعد کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا مگر کنواری لڑکی کی بدنامی برداشت نہیں کیجا سکتی۔

نعیمہ بیگم نے آنکھیں نکالکر دوسری چال چلی۔

میں تو کہتی ہوں کہ جب لڑکی سارے زمانہ میں بدنام ہو گئی اور مشہور ہو گئی تو پھر اسے کون پوچھے گا۔ آزاد سے آزاد مرد بھی اپنے لئے نیک پارسا بیوی چاہتا ہے خود چاہے ہر طرح کے گل چھرّے اڑائے۔ مگر بیوی کے لئے ایسی باتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ آفتاب بیچارہ تو بالکل سیدھا سادہ ہے اور اپنے گھر کا بچہ ہے اسکو ہم دبا

سکتے ہیں ۔اور اپنے طریقے پر چلا سکتے ہیں ۔

حسینہ بیگم نے تڑپ چال چلی ۔

بہنوں آپا یہ نہ کہو ۔ کیا خبر وہ ایسی ویسی باتیں سنکر چراغ پا ہو جائے آخر وہ بھی مرد ہے اس کی غیرت یہ باتیں کیسے گوارہ کرے گی ۔

نعیمہ بیگم عیارانہ انداز سے بولیں ۔

اسی لئے تو میں کہہ رہی ہوں کہ شادی فوراً ہو جائے ابھی تو وہ میرے کہنے میں ہے اور دل سے چاہتا ہے کیا خبر کچھ دن بعد اس کے خیالات کیا صورت اختیار کر جائیں ۔

نعیمہ بیگم نے پھر گردن آگے بڑھا کر وار کیا ۔ اور ٹھنڈی آہ بھر کر بولیں ۔

خدا بھتیا کی عزت آبرو برقرار رکھے مجھے تو جب چین آئے گا تب بچی اپنے گھر بار کی ہو جائے گی ۔ میں تو لوگوں کی باتیں سنتے سنتے تنگ آگئی ہوں ۔ جو ہے مجھے طعنے دیتا ہے کہ تم خود تو تسبیاں ہلاتی پھرتی ہو اور بھتیجی کار لئے رات بھر غائب رہتی ہے ۔ میں بہت ٹالتی ہوں مگر کہنے والوں کی زبان کون پکڑ سکتا ہے ۔

حسینہ بیگم نے خود بخود معاملہ پختہ کرنا چاہا ۔

بھائیجان آج اتوار ہے میرے خیال سے تو بس جمعہ کا دن ٹھیک رہیگا ۔ خاموشی سے شادی ہو جانی چاہیئے ۔ خدا نے چاہا تو بعد میں اپنے ارمان پورے کروں گی اللہ رکھے میرے لئے تو یہی بچی سب کچھ ہے گھر کی دھن دولت جو کچھ بھی ہے سب اسی کا ہے میرے لئے اس سے بڑھکر بھلا دوسری لڑکی ہو سکتی ہے ؟ خدا نے چاہا تو ساری زندگی راج کریگی

روح افزا کا کیا ہے وہ پرائے گھر کی ہے اور ہم میاں بیوی کو اب کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں ہے بس اللہ اللہ کرنیکا زمانہ ہے یہی انتظار ہے کہ بہو آکر گھر سنبھالے۔

نعیمہ بیگم نے ادھر جایا۔

اے حسینہ اتنی جلدی کیسے ہو سکتا ہے میں کیسے یونہی بچی کو رخصت کر دوں گی دنیا کیا کہیے گی کہ پھوپھی سے اتنا نہ ہوا کہ لڑکی کو جہیز دیتی اسکی ماں حیات ہوتی کیا یونہی بچی کو زدا ئے کر دیتی۔؟

حسینہ بیگم نے کچھ بحث کرنا چاہا۔

اے آپا جان یہ سب بیکار کی باتیں ہیں خدا کرے اس کے پاس کپڑوں اور زیوروں کی کوئی نہیں ہے۔ جو آپ نئے سرے سے انتظام کریں گی۔ اور میرے یہاں بھی خدا کے فضل سے کسی چیز کی کمی نہیں ہے سو جوڑے میں نے پہلے ہی کام دار بنوا کر اس کے لئے رکھ لئے ہیں اب بے کار بھائیجان کو زیر بار کرنے سے کیا فائدہ مجھے یہ دنیا وی دکھاوے ڈھکوسلے اچھے نہیں لگتے۔

یہ کہکر انہوں نے داد طلب نظروں سے توفیق احمد کیطرف دیکھا وہ حیرت زدہ سے خاموش بیٹھے تھے۔ اپنی بہنوں کی گفتگو سن رہے تھے اور اسکو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب باتیں کیا ہیں اوّل تو سفر کی زبردست تکان دوسرے آتے ہی عروسہ کے بارے میں ایسی باتیں سن سن کر ان کے دل ودماغ کی حالت بہت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ وہ یہ باتیں سنکر ایسے گھبرائے کہ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

نعیمہ بیگم نے انکا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔
ارے بھیا بیٹھ کر ڈھنگ سے بات تو کرو تم کہاں چلے۔ اسوقت یہ معاملہ طے ہو جانا چاہئے کہیں بعد میں کوئی اور نکل کھلے اور لڑکا پھر انکار کر دے۔

توفیق احمد نے بے دلی سے جواب دیا۔
ہاں سب طے ہو جائیگا اسوقت میں بہت تھکا ہوا ہوں اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کر لوں پھر دیکھا جائیگا۔
توفیق احمد غصہ اور پریشانی کی حالت میں اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ انکا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے جانے کے بعد عروسہ وہ حرکت کرے گی جو ان کے نزدیک ننگ انسانیت ہیں۔ انہیں ہرگز اس سے یہ امید نہ تھی کہ وہ انکی بدنامی کا باعث ہوگی۔ وہ اپنے ہمعصروں کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گے۔
وہ بڑی خوشی سے ضلع سے واپس آئے تھے۔ مگر آتے ہی اس خبر کو سنکر ان کے دل کو بیحد صدمہ و افسوس ہوا۔ وہ سر جھکائے بڑی دیر تک ٹہلتے رہے۔ یکایک ان کے قدم خود بخود عروسہ کے کمرے کیطرف اٹھ گئے۔

عروسہ بیدار ہو چکی تھی۔ اور کریمن نے اسے توفیق احمد کے واپس آنے کی خبر سنا دی تھی جس کو سن کر اسے ایسی خوشی کہ رات کے حادثہ کو تقریباً وہ بھول گئی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر کپڑے تبدیل کئے اور باپ کے کمرے میں جانے کیلئے تیار ہوئی تھی کہ توفیق احمد اسکے کمرے میں داخل ہوئے۔

عروسہ ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے بغیر ہی دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔ اور خوشی و اطمینان کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

توفیق احمد کے دل و دماغ نے نعیمہ بیگم اور حسینہ بیگم کی باتوں کا گہرا اثر لیا تھا وہ اسے اپنے سینے سے الگ کرتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور غصّہ اور صدمے کی ملی جلی آواز سے عروسہ سے بولے۔

عروسہ میں کیا سن رہا ہوں تمہارے متعلق۔؟

عروسہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔

ابا جان! مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ دوبارہ آپکو دیکھ لونگی آپ کے چلے جانے کے بعد میرا دل بہت گھبراتا تھا۔

توفیق احمد نے ذرا تلخی سے کہا۔

اور اسی وجہ سے تم نے دوسرا راستہ اختیار کیا؟ تم نے میری رسوائی کا بھی خیال نہ کیا اور میرے جاتے ہی تم اتنی آزاد اور بیباک ہو گئیں کہ تمہیں کچھ بھی احساس نہ رہا۔

یہ سنکر عروسہ پر جیسے بجلی سی گر پڑی خیالے رہ مبہوت سی ہو کر۔ ان کو دیکھنے لگی

توفیق احمد نے پھر ترش لہجے میں پوچھا۔

عروسہ تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتیں۔ لڑکیوں کی آزادی کو میں پسند ضرور کرتا ہوں لیکن اسی درجہ نہیں کہ وہ ساری رات کلب میں رقص کرتی رہیں اور صبح کو عالم نشے میں گھر پہنچیں کیا اس طرح ایک تعلیم یافتہ اور شریف لڑکی کو اپنے خاندان اور ناموس پر [illegible]

عروسہ اب بھی کچھ نہ سمجھی مگر ہمت کرکے اس نے پوچھا۔
ابا جان میں ابتک نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میں نے کونسا گناہ کیا ہے جو آپ ناراض ہو رہے ہیں؟
توفیق احمد نے پھر تلخی سے کہا
کل تمام رات تم کہاں غائب رہیں؟ اور صبح کو کس حالت میں گھر پہنچیں میں اسی کے بارے میں معلوم کر رہا ہوں۔ کیا اب بھی تم نہیں سمجھیں۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے کہ میری اپنی بیٹی کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ رات بھر ادھر ادھر خاک چھاننے کے بعد صبح کو مدہوشی کے عالم میں گھر پہنچے۔ عروسہ اب مجھے ڈوب مرجانا چاہئیے میں لائق نہیں نہیں رہا کہ کسی کو اپنا منہ دکھاؤں۔
وہ بیقراری کے عالم میں ٹہلنے لگے۔ غصّہ سے انکی آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
مگر عروسہ اب حالات سمجھ چکی تھی۔ اس کے دماغ میں رات والا واقعہ پھر گھومنے لگا۔ اب اسکو بھی غصّہ آگیا اس نے سر اٹھا کر باپ کی طرف دیکھ کر کہا۔
ابا جان۔ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے ہرگز یہ امید نہ تھی کہ آپ میرے متعلق اس قسم کی رائے قائم کر لینگے۔
توفیق احمد نے رنجیدہ آواز میں کہا۔
پھر کیا کروں؟ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور کانوں سے سن رہا ہوں اسے پر کیسے یقین نہ کروں؟ مگر مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہ تھی افسوس میں اب باہر نکلنے کے قابل نہیں رہا۔

عروسہ نے آگے بڑھکر کہا۔

ابا جان جو بہتان اور الزام مجھ پہ لگائے گئے ہیں ان کو سنکر مجھے خود شرم آ رہی ہے مگر حالات اور واقعات کا آپ کو علم نہیں ہے ۔ میرا خیال ہے آپ تمام باتیں سنکر بھی یقین نہ کرینگے۔ ایسی صورت میں میرا بولنا بیکار ہے اور مجھے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہے جب آپ ہی نے مجھے ایسا سمجھ لیا تو پھر میرے لئے گنجائش ہی نہیں رہی ۔ امی جان ٹھیک کہتی تھیں کہ حق وانصاف دنیا سے اٹھ گیا ہے ۔

توفیق احمد نے اسکو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ مجھے کچھ نہیں معلوم اس وقت جو کچھ بتایا گیا اسکو سنکر مجھے سخت صدمہ پہنچا ہے ۔

ابا جان میرے بارے میں جو کچھ آپکو بتایا گیا ہے وہ اب میں خود سمجھ گئی ہوں مجھے گمان تک نہ تھا کہ میرے ساتھ دھوکہ اور فریب کرنیکے بعد الٹا مجھے مورد الزام ٹھہرایا جائیگا۔

توفیق احمد نے بیتابی سے پوچھا

عروسہ جلدی بتاؤ یہ سب کیا ہے میرا دماغ بیکار ہو گیا ہے میں خود سے کوئی بات نہیں سمجھ سکتا ۔

عروسہ انکے قریب قالین پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

ابا جان ۔کل رات کو میرے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کیا گیا ہے اور مجھے مصیبت کے جال میں پھنسانے کی پوری کوشش کی مگر میں صاف بچکر نکل گئی ۔ تو میرے خلاف دوسری چال چلی گئی اور آپ کی نظروں میں مجھے ملزم قرار دینے کی کوشش

ی گئی۔ میں اچھی طرح سمجھتی ہوں ابا جان کہ اگر میری جگہ کوئی اور لڑکی
ہوتی تو اسوقت ایک عذاب میں مبتلا ہوتی۔

توفیق احمد نے پھر جلدی سے پوچھا

عروسہ تم مجھ کو کیوں نہیں بتاتی ہو آخر قصہ کیا ہے؟ میں
سخت پریشان ہوں۔

عروسہ نے گردن نیچی کر کے کہنا شروع کیا۔

ابّا جان! کچھ عرصہ سے میں محسوس کر رہی تھی کہ آفتاب خود
کو میرا مالک و مختار سمجھنے لگے ہیں۔ اگرچہ انکا اس طرح کا رویہ مجھے
سخت ناگوار تھا مگر میں یونہی ٹالتی رہی اور میں نے کوئی توجہ نہیں دی
آپ کے جانے کے بعد ایک روز ______ ایک روز مسٹر
خوش بخت کا ٹیلیفون آیا۔ اسے کلو نے رسیو کیا۔ انہوں نے آپ کی
اور عارفہ آپا کی خیریت معلوم کرنے کو فون کیا تھا۔ میں نے جا کر انہیں
آپکی خیریت بتادی۔

توفیق احمد خاموش بیٹھے ہوئے اسکی باتیں سن رہے تھے اسکے رکتے
ہی انہوں نے تجسس سے پوچھا۔ پھر کیا ہوا آگے کہو۔

پھر اسی شام کو آفتاب چپکے سے میرے کمرے میں گھس آئے اسوقت
میں کچھ لکھ رہی تھی۔ وہ سمجھے میں ..... خوش بخت کو خط لکھ رہی ہوں .....
مگر ابا جان میں قسمیہ کہتی ہوں کہ میں نے کسی کو خط نہیں لکھا۔

توفیق احمد نے پوچھا۔

پھر کیا ہوا؟

عروسہ نے جواب دیا۔

میں نے آفتاب کو اسطرح بغیر اطلاع جھپکے سے گھر میں گھس آنے کو منع کیا اسپر انہیں بہت غصہ آیا۔ اور انہوں نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں خوش بخت کو خط لکھتی ہوں اور روزانہ ٹیلیفون کرتی ہوں۔ ابا جان خدا شاہد ہے میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ آفتاب کی باتوں پر مجھے بیحد غصہ آیا اور میں نے انہیں گھر سے چلے جانے کو کہا اسپر انہوں نے امی جان کے بارے میں بہت گستاخانہ الفاظ کہے۔ اور مجھے معلوم نہیں کیا کیا کہا۔ اور دھمکی دی کہ وہ مجھ سے ضرور ان باتوں کا بدلہ لینگے۔

کچھ دنوں کے بعد حیرت انگیز طور پر آفتاب مجھ سے پھر اسی طرح بات چیت کرنے لگے۔ اور انہوں نے ایک روز مجھ سے معافی بھی مانگ لی۔ ابا جان میں سخت مجبور تھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کروں مگر میں نے گھر میں کسی سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور صرف اپنے پڑھنے میں مصروف رہتی تھی۔

اب کل آفتاب کے امتحان پاس کرنے کی خوشی میں آفتاب منزل میں ایک شاندار ڈنر ہوا اور پھوپھی جان نے مجھ کو بلایا میں ایسے چاہ کر بھی انکار نہ کر سکی۔ اور جانے کے لئے تیار ہو گئی مگر معلوم نہیں کیوں کار خراب ہو گئی۔ ڈرائیور کی کوشش کے بعد بھی کار اسٹارٹ نہ ہوئی۔ ڈرائیور کے بونٹ کھولکر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اسکا کوئی پرزہ غائب ہے۔

توفیق احمد بڑے انہماک سے اسکی باتیں سن رہے تھے یکایک بولے، کار کا پرزہ کیسے غائب ہوا؟ اچھا آگے کہو۔

عروسہ نے پھر کہنا شروع کیا۔

جہاں اسکا پردہ غائب ہوگیا تھا خیر میں کسی نہ کسی طرح شام کو دعوت میں پہنچ گئی۔ جب میں نے گھر آنے کا ارادہ کیا تو گیارہ بج چکے تھے۔ بیگم آفتاب نے مجھے اپنی کار میں ایک ڈرائیور کے ساتھ اس اطمینان کے ساتھ سوار کرا دیا۔ کہ وہ ڈرائیور جانا پہچانا ہے اور ایک زمانے سے خوش بخت کے یہاں نوکر ہے۔

اسکے بعد عروسہ نے توفیق احمد کو بڑھیا کے گھر تک پہنچنے تک کے تمام واقعات سنا دیئے۔ توفیق احمد آنکھیں پھاڑے بڑے حیرت سے اسکی باتیں سن رہے تھے۔ انکا سانس تیزی سے چل رہا تھا چہرہ مارے غصہ کے سرخ ہو رہا تھا۔ عروسہ کے رکتے ہی انہوں نے تیزی سے پوچھا

بڑھیا نے یہ نہیں بتایا کہ کس نے تمکو وہاں مہمان رکھنے کے لئے کہا تھا؟"

عروسہ نے جواب دیا۔

نہیں وہ تو منسٹر صاحب کہہ رہی تھی کہ تمہیں رکھنے کے بدلے میں ہمیں صاحب بہت روپیہ دیں گے۔ بڑھیا بہت غریب تھی۔ اسکو کسی بات کی خبر نہ تھی میں بالکل مجبور تھی۔ بڑھیا مجھ کو بٹھا کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئی۔ میرا دماغ اپنی رہائی کی تدبیریں سوچ رہا تھا۔ یکایک مجھ کو خیال آیا کہ عورت بیحد مفلس ہے اور بڑی ضرورتمند معلوم ہوتی ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کار میں جو سامنے ہی کھڑی تھی میرا بٹوہ رہ گیا ہے جس میں بہت سا روپیہ ہے کہیں ڈرائیور میرا بٹوہ لے کر نہ چلا جائے روپیہ کا نام سنکر بڑھیا کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اور وہ بہت خوش ہوئی۔ میں

نے کہا کہ میں اپنا وہ بٹوہ اس کے حوالے کر دوں گی۔ وہ بڑھیا روپیہ کے نام سے کچھ اسقدر حیرت زدہ ہوئی کہ اس نے مجھے کار تک جاتے ہوئے روکا بھی نہیں۔ میں جلدی سے کار کے پاس پہنچی تو دیکھا چابی موٹر ہی میں لگی ہوئی ہے۔ میں نے کچھ نہ سوچا اور جلدی سے کار میں بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کر دیا۔ کار کے کر میں وہاں سے چل پڑی۔ مجھے ڈرائیور کا اسقدر خوف تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں کار بڑی مشکل سے چلا رہی تھی۔ کیونکہ اس کار کے کلچ اور گیر سے میں ناواقف تھی آپ کی کار کے علاوہ کبھی کسی دوسری گاڑی کو ہاتھ تک نہ لگایا مگر میں اپنے اندازے سے چلتی رہی۔

مجھے یہ تک معلوم نہیں تھا میں کس سڑک پر جا رہی ہوں وہ رات کے تین بجے سے صبح تک میں اسی طرح چلتی رہی۔ اور صبح سویرے سورج نکلنے کے بعد وہ سڑک ایک بڑے بازار میں پہنچ گئی۔ ابا جان پریشانی کی وجہ سے میں نے یہ تک نہیں دیکھا کہ میں کس شہر میں ہوں۔

صبح میں نے موٹر میں ایک پٹرول پمپ سے پٹرول بھروایا اور یہاں کا راستہ اور سڑک معلوم کر کے پھر روانہ ہو گئی۔ خوش قسمتی سے مجھے صرف ستر میل ہی سفر کرنا پڑا۔ جس کو میں نے ڈیڑھ دو گھنٹے میں ہی طے کر لیا۔ جس وقت میں یہاں پہنچی میرے ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے کار روکی اور پھر مجھے معلوم نہیں کیا ہوا۔ اس کے بعد جو آنکھ کھلی تو اپنے بستر میں تھی۔ کلا اور کریمن مجھے ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے تھے۔

توفیق احمد نے لمبا سانس کھینچکر پوچھا۔

اچھا پھر کیا ہوا ؟

عروسہ بولی۔

ابا جان پھر میں اسقدر مطمئن ہوئی کہ تقریباً تین چار گھنٹے تک سوتی رہی۔ جب آنکھ کھلی تو کریمن نے آپکے واپس آنے کی خبر مجھکو سنائی۔ میں آپکے پاس جا ہی رہی تھی کہ آپ خود ہی کمرے میں آ گئے۔ یہ ہے واقعہ جو کہ آپکو کسی اور انداز میں سنایا گیا ہے ابا جان آپ خود بتائیے میں ایسی صورت میں کیا کر سکتی تھی میں کبھی کلب گئی ہی نہیں مجھے معلوم تک نہیں وہاں کیا ہوتا ہے۔ مجھ پر جو الزام لگایا گیا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے میں سب سمجھتی ہوں مجھ کو بدنام کر کے آفتاب اپنا مقصد پورا کرنا چاہتے ہیں اور آپکی نظروں میں مجھ کو ذلیل اور نالائق ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اتنا کہکر اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

توفیق احمد کی بھی عجیب حالت تھی۔ انہیں ہرگز یہ امید نہ تھی کہ انکی غیر موجودگی میں عروسہ کے ساتھ اس درجہ زیادتی کی جائے گی وہ اب سب کچھ سمجھ چکے تھے۔ کچھ دیر تک وہ سوچتے رہے پھر انہوں نے عروسہ کو گلے لگا کر اس کو تسلی و تشفی دیتے ہوئے کہا

بیٹی۔ تم اب مت روتا میں سارے حالات بخوبی سمجھ گیا ہوں اور [illegible] خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں کہ تم بال بال بچ گئیں۔ ایسے واقعات

اکثر سننے میں آتے ہیں مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری اپنی بیٹی کے ساتھ ایسا ہو جائیگا۔ خیر میں آفتاب وغیرہ سے اچھی طرح معلوم کرلونگا۔

توفیق احمد پھر کمرے میں ٹہلنے لگے اور بولے۔

اور یہ دونوں کہہ رہی تھیں کہ میں اسی جمعہ کو تمہاری شادی آفتاب سے کردوں۔ اف اب میری آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں مجھے اپنی بیٹی کی خوشی اور بہبودگی کا کوئی خیال نہیں میں محض ایک بدھو ہوں کہ سب کے کہنے میں آکر لڑکی کو کنویں میں دھکا دے دوں گا۔ اور ایک بزدل، نالائق اور دھوکے باز سے اسکی زندگی ہمیشہ کے لئے وابستہ کردوں گا۔ ان لوگوں کی یہی عادت ہے۔ انہیں لوگوں کے کہنے میں آکر میں نے جان بوجھ کر تمہاری ماں کو ختم کرادیا۔ اب میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ ــــــــــــ

مگر میں کمینہ بزدل نہیں ہوں کہ اپنے عزیزوں سے کوئی انتقام لیلوں وہ میری حقیقی بہنیں ہیں وہ لوگ چاہے کسی قسم کی برائی کریں مگر میں اس وقت مجبور ہوں کہ ان لوگوں سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے حالات معلوم کرکے مخالفین کو چہ میگوئیاں کرنے کا موقع ملے گا۔ افسوس یہ میری بہنیں ہیں جو اولاد کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کرتی ہیں۔

مگر اب میں ان لوگوں سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھوں گا۔ میں بہت جلد لڑکی کا مستقل انتظام کردوں گا۔ تاکہ ان لوگوں کو پھر کسی قسم کی کارروائی کرنے کا موقع نہ ملے۔ اس کا ماضی جیسا گذرا ہے وہ میرے پیش نظر ہے۔ مگر اب میں اسکا مستقبل بہت شاندار بنانے کی کوشش کرونگا۔

توفیق احمد ۔ بڑی دیر تک ٹہلتے رہے اور آپ ہی آپ بولتے رہے پھر انہوں نے عروسہ کے قریب جا کر اس کے سر پہ ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

شاباش میں تمہاری بہادری پہ بہت خوش ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ خدا نے مجھے ایسی بہادر، بلند ہمت، اور باحوصلہ لڑکی عطا کی۔ واقعی تم نے حقیقت میں میری عزت بچالی۔ تم نے دس لڑکوں سے بڑھ کر کام کیا ورنہ عموماً ایسے موقعے پر بڑے بڑے بہادر حوصلہ کھو بیٹھتے ہیں۔ میں تمہاری ہمت اور دماغ کی داد دیتا ہوں۔ تم فکر مت کرو۔ خدا کا شکر ہے میں واپس آگیا ہوں۔ انشاءاللہ اب کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ اب تم آرام کرو اور خوش رہنے کی کوشش کرو۔ تمہارے اعصاب پر بہت برا اثر پڑا ہے میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں کیونکہ ایک ضروری کام ہے۔

وہ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ عروسہ بھی لیٹ گئی اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ بڑی دیر تک وہ خاموش لیٹی رہی۔ یکایک گھبرا کر اس نے آنکھیں کھول دیں کسی کی کار برساتی میں آکر ٹھہری تھی۔ وہ جلدی سے اٹھی اور کھڑکی میں سے باہر جھانکنے لگی۔ اچانک اس کی نظر سروش خوش بخت پر پڑی جو کار سے اتر رہا تھا۔ اس نے دیکھا وہ اپنا مخصوص سلیٹی سوٹ پہنے ہوئے کار سے اتر کر کلو کے ہمراہ توفیق احمد کے کمرے میں چلا گیا۔

اور وہ کھڑی سوچتی رہ گئی۔ سروش اسوقت کیوں آئے ہیں؟ کیا ابا جان نے انہیں بلایا ہے ممکن ہے ایسا ہی ہو عارفہ آپا کے

بارے میں کچھ کہنا ہوگا. شاید ابا جان کو ان دونوں کی شادی کا علم ہو گیا ہے ممکن ہے بیماری کے دوران ابا جان سے عارفہ آپا نے کہہ دیا ہو. اس وجہ سے ابا جان نے انہیں بلایا ہے وہ عارفہ آپا کے ایک فیصلے کے منطقی مسلوم ہوتے ہیں۔

وہ سر جھکائے یہی باتیں سوچتی رہی۔ جذبۂ رقابت اور رنجش سے اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔ اپنے تکیہ پر سر اوندھا کر سسکیاں بھر بھر کر رونے لگی۔ کچھ دیر تک وہ یونہی روتی رہی۔ پھر اٹھ کر ٹہلنے لگی۔ اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ کل سے سرگرمی نظر آ رہا تھا۔ کبھی چائے، کبھی پھل، کبھی میوے وغیرہ لیجاتا ہوا نظر آتا تھا۔ کبھی پان کبھی سگریٹ کلو دوڑ دوڑ کر میزبانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد سروش کمرے سے باہر نکلا جب کہ ہر یک مسکراہٹ تھی اس نے جلدی سے بڑے پھاٹک سے توفیق احمد صاحب سے ہاتھ ملایا اور موٹر پر بیٹھ کر تیزی سے روانہ ہو گیا اور وہ کھڑی دیکھتی ہی رہ گئی۔

شام تک آفتاب بھی واپس آ گیا۔ گھر پہنچ کر جب اسے توفیق احمد کے واپس آنے کی خبر ہوئی تو وہ تعجب سے گھبرا گیا تھا اسے ہرگز امید نہ تھی کہ توفیق احمد اتنی جلدی خاموشی سے واپس آ جائیں گے۔ اور اس کا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا. بلکہ اس کی تمام خفیہ کارروائیوں کا پردہ فاش ہو جانے کا بھی اندیشہ ہوگا۔

وہ تو خود ہی پہلے سے عروسہ کے واپس آ جانے سے پریشان تھا۔

مارے پریشانی اور گھبراہٹ کے وہ ان کے پاس پہنچا اہینی اُگ سے نیچا کر بولا۔

اماں جان! ماموں جان اتنی جلدی کیسے واپس آ گئے۔ انکے آنے کی پہلے سے تو کوئی اطلاع نہیں تھی۔

حسینہ بیگم نے بھی ڈرتے ہوئے انداز سے کہا۔

ہاں بیٹا۔ مجھے خود تعجب ہے۔ اب تبا ؤ کیا ہوگا؟

آفتاب نے جواب دیا۔

کیا تباؤں میری خود سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر اماں جان ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے ہمارا قرآئین نام تک نہیں ہے اور ہماری صرف یہی ایک کمزوری ہے کہ ہم نے عروسہ کو ڈرائیور کے ساتھ کیوں بھیج دیا۔

حسینہ بیگم نے سوچ کر جواب دیا۔

نہیں یہ تو کوئی ایسی بات نہیں جسکی وجہ سے ہمیں مورد الزام ٹھہرایا جائے۔ انھیں عروسہ کی بھی تو غلطی ہے۔ وہ کیوں تنہا کار میں بیٹھ گئی۔ مگر کہیں بھائیجان ڈرائیور کو تلاش کر کے اس سے نہ پوچھیں۔

آفتاب مسکرا کر بولا نہیں وہ ڈرائیور کو نہیں پا سکتے کار عیشرت چلا رہا تھا۔ اور جس ڈرائیور کے نام سے اس نے کار چلائی وہ واقعی کبھی خورشید بخت کا ڈرائیور تھا لیکن اب وہ اس شہر میں نہیں ہے۔

حسینہ بیگم نے اندیشہ ظاہر کیا۔ عروسہ سے پوچھتا چھ کے بعد بھائیجان اگر عیشرت کو بلا کر پوچھیں گے تو پھر سب باتیں عیاں ہو جائیں گی۔

آفتاب نے جواب دیا۔

کیوں سروش ہماری کیا باتیں بتا سکتے ہیں انہیں کیا معلوم یہ حرکت کس کی تھی۔ اگر وہ ہمارا نام لینگے تو سراسر جھوٹ بولینگے ہمیں کیا خبر کہ عروسہ کو کس نے بھگایا۔ ہمارے یہاں دعوت تھی سب مصروف تھے۔ اگر ماموں جان مجھے بلا کر پوچھیں گے میں تو صاف صاف کہدونگا۔ مجھے کچھ خبر نہیں اور پھر سروش کے خط عروسہ کے نام موجود ہیں جو بستر کے نیچے سے نکلے تھے۔

نعیمہ بیگم نے تسبیح ہلا کر کہا۔ ہاں ہاں حسینہ تم کیوں پریشان ہوتی ہو میں ایسا عمل پڑھ دونگی کہ بھیا کی عقل پر پردہ پڑ جائیگا۔ ہماری طرف سے ہرگز بدگمان نہ ہونگے۔

حسینہ بیگم نے گہرا سانس لیکر جواب دیا۔ ہاں اس طرف سے تو اطمینان ہے مگر افسوس تو یہ ہے کہ جو چاہا تھا وہ نہ ہوا اور سروش بھی ہاتھ سے نکل گیا مجھے تو اب روح افزائی بڑی فکر ہے جب سروش پر یہ الزام دھرا جائیگا۔ تو وہ کس طرح سے ہماری طرف سے بدظن نہ ہوگا۔؟

آغا نے گردن ہلا کر جواب دیا۔

بس اب خواہ مخواہ افسوس نہ کیجئے سروش دنیا سے انوکھا نہیں ہے اس سے بہتر ہزاروں لڑکے مل جائینگے۔ آپ لوگوں نے اسے بہت خود سر بنا دیا ہے۔ افسوس تو عروسہ کے ہاتھ سے نکل جانیکا ہے لیس ممانی سے بڑی زبردست غلطی ہوگئی کہ اس نے چابی کار میں ہی لگی رہنے دی۔ ورنہ میں نے تو سارا پروگرام بنالیا تھا۔ ایسا مزہ چکھاتا کہ ساری عمر ہی یاد کرتی۔ اور پھر الٹا ایک دعوی سروش پر دائر کر دیتا۔ کہ سروش کی حرکت کا لوگوں کو پختہ یقین ہو جاتا۔ مگر سب سے بڑا غضب یہ ہوا کہ ماموں جان واپس آگئے۔

نعیمہ بیگم نے پھر اطمینان دلایا۔

ارے بٹیا اس بات کی فکر کیوں کرتے ہو تم دیکھنا ایسا وظیفہ اور ختم پڑھونگی کہ معاملہ خود بخود طے ہو جائیگا ۔ بچّیاں ہر طریقے سے ہماری طرف ہونگے ۔ تمہارے پاس ہونے کی کسے امید تھی ۔ یہ سب اسی وظیفے کی برکت سے ہوا ہے اور یہ کونسا مشکل کام ہے تم دیکھنا تین دن کے اندر اندر بیٹیا راہ راست پر آجائیں گے ۔ اب اسی وقت دیکھ لو نیم راضی تو ہو گئے ہیں چار دن میں تم سے عروسہ کی شادی کر دینگے ۔ میں چپکے چپکے برابر پڑھ کر ان پر دم کر رہی تھی ۔

اور پھر نعیمہ بیگم خود بخود مطمئن ہو کر تسبیح ہلانے لگیں ۔

شہر میں کرکٹ کا عظیم الشان میچ ہونے والا ہے۔ غیر ملکی کھلاڑی آئے ہوئے تھے اور بڑے زور شور سے کھیل کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بکنگ کئی روز پہلے شروع ہو چکی تھی۔

توفیق احمد نے بھی اپنے اور عروسہ کیلئے ٹکٹ خرید لئے تھے۔ وہ اب اسکو زیادہ تر اپنے ہی ساتھ رکھتے تھے اسکو کبھی تنہا نہیں چھوڑتے تھے۔ اور انہوں نے اسکو کالج جانے سے سختی سے منع کر دیا تھا عروسہ خود متعجب اور پریشان تھی۔ کہ امتحان میں صرف دو ماہ باقی تھے۔ اور اس کی پڑھائی ختم ہو چکی تھی۔ مگر توفیق احمد کو اس بات کی قطعی پرواہ نہ تھی انہیں میچ دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ عروسہ نے میچ میں جانے کے لئے طاؤسی رنگ کی ریشمی ساڑی باندھی، ہلکے پستئی رنگ کا کوٹ پہنا۔ یہ کپڑے توفیق احمد اسکے لئے جنیوا سے لائے تھے۔ کانوں میں چوڑی چوڑی گول سنہری بالیاں اور ہاتھوں میں سنہری چوڑیاں تو ہمیشہ ہی پڑی رہتی تھیں اسکے علاوہ وہ کسی قسم کا سنگھار نہ کرتی تھی۔ اس نے اپنے ریشمی گھنگھرالے بالوں میں ہلکا سا تیل لگا کر انہیں بکھرنے سے روکا اور پیچھے کی طرف پنوں سے

دبا دیا۔

پھر بابا کے ساتھ میچ دیکھنے کیلئے چلی گئی۔ کھیل شروع ہونے سے پہلے توفیق احمد اور عروسہ درجہ اوّل کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد سروش خوش بخت اور خورشید بھی وہاں پہنچے توفیق احمد کو دیکھ کر وہ ان کی طرف بڑھے اور انہیں کے قریب بیٹھ گئے۔

کھیل شروع ہو گیا ٹاس غیر ملکیوں نے جیتا اس لئے انہوں نے کھیلنا شروع کیا۔ وہ لوگ بہت جم کر کھیل رہے تھے پہلے دو کھلاڑیوں نے زبردست اسکور کیا۔ مقامی کھلاڑی انہیں آؤٹ کرنیکے لئے زبردست کوشش کر رہے تھے۔ مگر وہ دونوں برابر جمے ہوئے تھے۔ کیپٹن بھی انہیں آؤٹ کرنیکے لئے شاندار باؤلنگ کر رہا تھا مگر کھانے کے وقفے تک دونوں جمے رہے

چائے کے وقت سے کچھ دیر پہلے توفیق احمد کھڑے ہو گئے۔ اور سروش کو مخاطب کر کے بولے۔

اس وقت میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی کھیل کے اختتام پر عروسہ کو گھر پہنچا دینا۔

اور پھر عروسہ سے بولے۔

دیکھو بیٹی! میں اپنی ایسوسی ایشن کی میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ رات سے پہلے واپسی نہیں ہوگی۔ تم سروش بخت کے ہمراہ گھر چلی جانا۔ یہ تمہارے قریب ہی بیٹھے ہیں پریشان ہونیکی کوئی بات نہیں۔

یہ سنکر عروسہ گھبرا کر بولی۔
ابا جان میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں آپ مجھے گھر چھوڑ دیجئے گا۔
انہوں نے جواب دیا۔
نہیں بیٹی اب گھر تک جانیکا وقت نہیں ہے۔ میرا وہاں انتظار ہو رہا ہوگا چونکہ میں ہی اپنی ایسوسی ایشن کا سیکریٹری ہوں تم مطمئن رہو سروش تمہیں گھر پہنچا دینگے۔
قبل اسکے کہ عروسہ کوئی جواب دے وہ جلدی جلدی قدم بڑھاتے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔
سروش نے عروسہ کو دیکھا مگر اس نے کوئی توجہ نہ دی اور سامنے کھیل دیکھنے لگی۔
کھیل اسوقت خوب عروج پر تھا۔ شائقین تو تھے پہلے دو کھلاڑیوں کے بعد یکے بعد دیگرے چھ غیر ملکی آؤٹ ہو چکے تھے۔ اور باقی چار بھی جانے والے تھے۔ تماشائیوں کی شور مچانے مچاتے بری حالت تھی لوگ بری طرح اچھل رہے تھے۔
وقت کا پتہ بھی نہیں چلا اور کھیل ختم ہونے پر تھوڑا سا اسکور بڑھا کر آٹھ غیر ملکی آؤٹ ہو چکے تھے۔ تماشائی بڑے زور شور سے نعرے لگا رہے تھے۔ تالیوں سے سارا میدان گونج رہا تھا کھلاڑی پویلین میں جا چکے تھے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے آسمان پر موٹے موٹے بادلوں کے سفید ٹکڑے تیزی سے بھاگ رہے تھے سرد ہوا سرسرا رہی تھی۔
خورشید نے مسکرا کر آنیقہ سے سروش سے کہا۔

اچھا بھئی ہم تو چلے اب تم اپنا فرض بخیر و خوبی پورا کرو۔
یہ کہکر اس نے سروش کو آنکھ کا اشارہ کیا۔
سروش بھی کھڑا ہو گیا۔ اور خورشید سے ہاتھ ملا کر بولا۔
اچھا دوست اب کل ملاقات ہوگی۔
خورشید نے گردن ہلا کر اقرار کیا اور عروسہ کے سامنے ذرا سا جھک کر اسکو سلام کرتے ہوئے چلا گیا۔
عروسہ نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب ہاتھ کے اشارے سے دیا۔
پھر سروش عروسہ کے قریب آکر بولا۔
چلئے میں آپکو گھر پہنچا دوں۔
عروسہ نے لاتعلقی سے جواب دیا۔
جی نہیں آپ تکلیف نہ کریں میں خود ہی چلی جاؤنگی۔
یہ کہکر وہ بھی کھڑی ہو گئی اور باہر نکلنے کے لئے بڑھنے لگی سروش نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔
خود ہی چلی جاؤ گی! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میری موجودگی میں آپ تنہا نہیں جا سکتیں۔
عروسہ نے لاپرواہی سے کہا نہیں میں چلی جاؤنگی آپ فکر نہ کریں۔
سروش بولا۔
یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیا آپنے سنا نہیں چچا جان مجھ سے اور آپ سے کیا کہکر گئے تھے۔ انکا حکم میں کبھی نہیں ٹال سکتا۔
یہ کہکر اس نے عروسہ کا ہاتھ تھام کر اسے اپنی کار کیطرف لیجاتے

ہوئے کہا۔

ادھر نہیں۔ میری کار ادھر کھڑی ہوئی ہے۔

عروسہ اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے تیوری پر بل ڈالکر بولی۔

میں نے آپ سے کہدیا کہ میں چلی جاؤنگی آپ کیوں خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔

سروش نے جواب دیا۔

یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ میں آپ کو تنہا جانے دوں۔ دیکھئے وہ رہی میری کار۔

یہ کہکر اس نے پھر عروسہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو زبردستی کار کیطرف لیکر چلنے لگا۔ جو قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولکر اسکو زبردستی بٹھا دیا۔ عروسہ اب انکار نہ کرسکی کیونکہ مجمع بڑھتا تھا۔ سروش نے بیٹھ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ اور آہستہ آہستہ بھیڑ سے نکالکر کھلی سڑک پر لے آیا۔

عروسہ بالکل خاموش بت اکیطرح بیٹھی ہوئی تھی۔ اسکا دل بھرا ہوا تھا اور رونے کو چاہ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ابا جان نے خواہ مخواہ ان کو میرے پیچھے لگا دیا میں تو جتنا جھوٹنے کی کوشش کرتی ہوں ان سے بچنے کیلئے میں نے تقریباً گھر سے نکلنا چھوڑ دیا ہے کسی کو میرے جذبات کی پرواہ نہیں۔ کسی کو پتہ نہیں میرے دل پر کیا گذرتی ہے وہ خیالوں میں اتنی الجھ گئی تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ کار کسطرف جا رہی ہے اور جب سروش نے کار کو اپنے اسی بڑے باغ کے پھاٹک میں داخل کیا جہاں ان دونوں کی پہلی ملاقات ہوئی تھی وہ چونکی۔ مگر قبل اس

کے کہ وہ کچھ بولے سروش نے کار کو باغ کی ایک روش پر روک دیا۔ جبکہ دونوں طرف گلاب کے پودوں میں سرخ سرخ پھول جھوم رہے تھے سروش خود ہی بولا۔

اب بتائیے آپ۔ مجھ سے ناراض کیوں ہیں؟

عروسہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اس نے ابرو اوپر چڑھا کر غصے سے کہا۔

یہ کیا لغو حرکت ہے آپ نے مجھے گھر کیوں نہیں پہنچایا؟

سروش نے اطمینان سے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

گھر بھی پہنچا دونگا۔ پریشانی ہونے کی کوئی بات نہیں۔ آپ پہلے میری بات کا جواب دیں۔

عروسہ جلکر بولی۔ کیسی بات اور کیسا جواب؟ جانئیے میں آپ سے بات ہی نہیں کرتی۔

سروش نے گردن ہلا کر کہا۔

جی نہیں یوں کام نہیں چلیگا۔ آخر مجھے بھی تو معلوم ہو۔ یا یونہی میں تمام زندگی آپ کے عتاب میں پڑا رہوں۔

عروسہ نے بے دھیانی سے کہا۔ آپکی خوشی ہے۔

سروش نے کش لگاتے ہوئے کہا۔ ایسے جوابوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا میں اس وقت ناراضگی کیوجہ ضرور معلوم کر کے رہوں گا۔ مجھے بھی تو پتہ چلے کہ میں نے کیا قصور کیا ہے جسکی پاداش میں یہ سزا بھگت رہا ہوں۔

عروسہ نے طنزاً کہا کیسی سزا؟ مجھے آپ سے مطلب ہی کیا ہے آپ کسی غلط فہمی میں نہ رہئیے گا۔

سروش نے بھی اطمینان سے جواب دیا۔ خیر یہ آپکی خوشی ہے۔ معلوم ہوتا ہے آپ یہاں زیادہ دیر تک سنبھالا لینا کرتی ہیں تو سنو یونہی سہی۔ میں تو تمام رات اسی طرح بیٹھ کر گذار سکتا ہوں۔

عروسہ نے جلکر طنزاً کہا۔ جی ہاں جناب میں آپکے پاس بیٹھنے میں بڑی خوشی محسوس کر رہی ہوں۔

سروش نے بڑے اعتماد سے سکون کھینچتے ہوئے جواب دیا۔

اپنے دل سے پوچھو تو اسکی سچ کی بات ہی کیا ہے؟

یہ سنکر عروسہ نے حقارت سے ہنسنا چاہا مگر اسکو بجائے ہنسی کے رونا آگیا اور وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے چھپا کر رونے لگی۔ سروش اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا کسمسانے لگا۔ اور اس نے اپنا جلتا ہوا سگریٹ پھینک دیا کچھ دیر بعد عروسہ نے اپنا چہرہ رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

مسٹر خوش بخت آپ مجھے گھر پہنچا دیں آپکی بڑی مہربانی ہوگی آپکو مجھے اسطرح پریشان کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

سروش نے بھی سنجیدگی سے کہا۔ تاوقتیکہ آپ میری بات کا جواب نہ دیں مجھ سے یہ توقع نہ رکھئے۔

عروسہ نے کار کے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا جیسے وہ اتر کر بھاگنا چاہتی ہو۔ مگر سروش بولا۔ میں تم سے زیادہ تیز بھاگ سکتا ہوں لہذا یہ کوشش ہی بیکار ہے بس میری بات کا جواب دیدو۔

عروسہ جلکر راکھ ہوگئی اور بولی۔ شرم نہیں آتی آپ کو مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔

سروش نے تعجب سے پوچھا۔ شرم کی اسمیں کیا بات ہے میں تو یہ

پوچھ رہا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض کیوں ہو؟۔
مجھے سب معلوم ہے۔
سروش نے اقرار کیا۔ بیشک تمہیں سب معلوم ہے کوئی بات تم سے پوشیدہ نہیں ہے۔
عروسہ نے طعنہ دیا۔ جی ہاں گویا مجھ سے کوئی بات پوشیدہ ہی نہیں ہے آپکی۔ آپ یہی سمجھتے ہیں نا؟
سروش نے جواب دیا۔ میں خود ہی کہہ رہا ہوں کہ سب باتیں تم جانتی ہو میں نے تمہارے سامنے اسدن پہاڑ سے واپسی پر اپنا راز افشا کر دیا تھا۔
عروسہ طنز سے مسکرا کر بولی۔ مگر حقیقت تو آپ نے چھپا کر ہی رکھی تھی اور نہ یہ بتایا کہ عارفہ آپا سے آپکی کیوں نہیں بنی۔
سروش تعجب سے بولا۔ جی عارفہ سے میری نہیں بنی؟ کیا مطلب؟
عروسہ پھر اسی طرح بولی۔ بس معلوم ہو گیا۔ آپ کی ایسی ہی باتوں سے عارفہ آپا نے آپ کو چھوڑ دیا۔
سروش نے تیوری چڑھا کر کہا۔ عارفہ مجھے کیا چھوڑیں گی۔ یہ کہو میں نے ابتک انکا راز پوشیدہ رکھا اور کسی سے نہ کہا۔
عروسہ نے گھوم کر تعجب سے پوچھا۔ عارفہ آپا کا کیا راز ہے آپ جھوٹا بہت بولتے ہیں۔
سروش نے سنجیدگی سے کہا۔ مجھے فخر ہے کہ زندگی میں ابتک میں نے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ اور نہ ہی کبھی کسی کا راز فاش کیا۔ میں ان باتوں کو بہت برا سمجھتا ہوں۔ مگر اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ عارفہ کے راز کی دیوار ہمارے درمیان حائل ہو رہی ہے۔ اسلئے میں یہ بھید تمہارے سامنے ضرور کھولونگا۔

یہ کہکر وہ چند لمحے خاموش بیٹھا رہا جیسے کسی بات کو یاد کر رہا ہو۔
عروسہ اسکی طرف دیکھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ بولا۔

یہ تو مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ میری اور عارفہ کی پہلی ملاقات کہاں اور
کب ہوئی۔ بہرحال دو چار مرتبہ ملنے کے بعد میں نے یہ بخوبی محسوس کر لیا کہ
عارفہ مجھے اپنی طرف کھینچنے کی پوری کوشش کر رہی ہے مگر میں نے کوئی پرواہ نہ
کی اور ہماری ملاقاتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ اور جیسے جیسے ہمارے تعلقات
بڑھتے گئے مجھے عارفہ کی طبیعت کا بخوبی اندازہ ہوتا گیا۔ وہ دوسری
لڑکیوں سے مختلف تھی بعض عادتیں اسکی نہایت عمدہ تھیں مگر اسمیں کمزوریاں
بھی بہت تھیں کچھ ہی عرصے بعد یہ حالت ہو گئی کہ وہ ہر جگہ میرے ساتھ ہی
آتی جاتی تھی اور مجھ کو اپنے ہی میں الجھانے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر میں نے
ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہ دی۔

اتنا کہکر وہ رکا۔ اور سگریٹ سلگانے لگا۔ عروسہ اسکو غور سے دیکھ رہی
تھی۔ سروش نے بغیر اسکی طرف دیکھے سلسلۂ گفتگو پھر جاری کیا۔

دیکھنے والوں کو یقین کامل تھا کہ ہم دونوں جلد ایکدوسرے کے ہو جائیں
گے۔ اور میرا خیال ہے اس کا احساس بیچاری فرحت کو سب سے زیادہ تھا
پھر کچھ دنوں بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ عارفہ کسی ذہنی الجھن میں مبتلا ہے
کبھی تو خواہ مخواہ مجھ سے جھگڑنے لگتی اور فوراً خود ہی معافی مانگ لیتی میں
اسکی باتیں قطعی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ایک روز ایسا ہوا کہ مجھے ایک گمنام خط ملا جسمیں یہ بات بتائی گئی
تھی کہ عارفہ کی شادی ہو چکی ہے۔
جس شخص نے وہ خط لکھا تھا اسی سے کالج کے زمانے میں خفیہ

طور پر عارفہ کی شادی ہو چکی ہے۔

یہ سنکر عروسہ کے منہ سے حیرت کے مارے عجیب سی آواز نکلی جسکو سروش نے نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

ہاں عارفہ کی شادی طالب علمی کے زمانے میں اس شخص سے ہو چکی تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ ہماری شادی خفیہ طور پر ہو گئی تھی اور ناکام رہی عارفہ نے مجھے روپیہ دیکر طلاق حاصل کرلی۔ دراصل مجھے روپیہ کی ہی ضرورت تھی اور اسی وجہ سے میں نے عارفہ سے شادی بھی کی تھی۔ کیونکہ میاں نے روپیہ برباد کر دیا تھا اور مجھے ہر حالت میں تعلیم حاصل کرنی تھی۔ اور عارفہ مجھ پر فریفتہ ہو چکی تھی۔ اور ہر قیمت پر مجھ کو حاصل کرنا چاہتی تھی۔ میں نے سوچا اسی بہانے تعلیم حاصل کرلونگا۔ میں نے سنا ہے آپ عارفہ سے شادی کرنیوالے ہیں اسلئے میرا فرض ہے کہ میں آپکو آگاہ کردوں۔

بہرحال جب مجھے یہ خط ملا تو بڑی حیرت ہوئی۔ اور میں نے عارفہ کو جا کر وہ خط دکھایا کیونکہ میں خود کسی نہ کسی بہانے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ پہلے تو عارفہ نے انکار کیا۔ مگر پھر قبول کر کے بولی کہ میں اس حسین شخص کے پھندے میں ایسی پھنسی کہ آخر مجھ کو اس سے شادی کرنی پڑی وہ میرا کلاس فیلو تھا۔ میں نے عارفہ سے پوچھا کہ تم نے اپنے بارے شادی کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اس نے جواب دیا۔ میں نے سوچا تھا تعلیم ختم ہونے پر وہ کسی اچھی پوسٹ پر لگ جائیگا۔ تو میں ابا جان سے کہدونگی۔ مگر اس نے اپنا طرز عمل ظاہر کر دیا۔ وہ تو صرف روپیہ کا بھوکا ہے اور نہایت پست خیالات کا شخص ہے مجھے اس سے نفرت ہو گئی تھی۔ آخر میں نے اسے پندرہ ہزار روپئے دیکر طلاق حاصل کرلی مگر وہ کمبخت میرا دشمن ہی نکلا۔

سروش سانس لینے کیلئے ٹھہرا عروسہ خاموش بیٹھی حیرت سے اسکی
باتیں سن رہی تھی۔ اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

عارفہ نے مجھ سے کہا۔ "اب تمکو سارے حالات معلوم ہوچکے ہیں اسلئے
تم میری پچھلی غلطی معاف کردو اور مجھ سے شادی کرکے مجھے ایک بڑی
الجھن سے نجات دلا دو۔ مگر مجھے عارفہ سے شادی کرنیکا کبھی خیال بھی
تک نہ آیا تھا۔ میں تو محض ایک دوست کی حیثیت سے اس سے ملتا تھا کیونکہ
وہ اور لڑکیوں کیطرح نہ تھی۔ مجھے اسکے حالات معلوم ہوکر بہت افسوس ہوا مجھے
امید نہ تھی کہ عارفہ ایسی غلطی بھی کرسکتی ہے۔ میں نے اسکو بہت سمجھایا کہ وہ اپنے
حالات ضرور اپنے والد سے کہدے مگر وہ بہت ضدی ہے اس نے مجھ سے
صاف کہدیا۔ کہ اگر تم مجھ سے شادی نہیں کرسکتے۔ تو میرے معاملات میں
دخل نہ دو۔ اور میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ یہ شادی کا راز تم اپنے تک ہی
رکھنا اور کسی نہ کہدینا میں نے سچے دل سے وعدہ کیا کہ اسکا یہ راز ہمیشہ میرے
سینے میں محفوظ رہیگا۔

یہ کہکر اس نے ایک لمبا سانس کھینچا اور عروسہ کیطرف دیکھکر بولا۔
مگر اسوقت تمہاری ناراضگی کا راز کھولنے کیلئے مجھے عارفہ کا راز تمہارے
سامنے افشا کرنا پڑا۔

عروسہ نے ایک جھرجھری لیکر اسکو دیکھا اور بولی۔ اور مجھے ..... اور میں
تو یہ سمجھ رہی تھی کہ عارفہ آپا کی شادی آپ سے ہوچکی ہے۔
سروش نے گھبرا کر اسکو دیکھا اور تعجب سے بولا۔
مجھ سے ....؟ تعجب ہے۔ مگر یہ تم نے کیسے جانا۔؟
اور عروسہ نے اپنے پرس میں سے اسکا وہی ادھ جلا خط نکالکر اس کو

دیدیا۔ اسکو دیکھ کر سروش مسکراکر بولا۔

ہاں بعد میں بھی میں نے ایک دو خط عارفہ کو سمجھانے کیلئے لکھے تھے جواب میں اسکنے مجھے بہت سخت خط لکھا میں خاموش ہوگیا۔ مگر تم کو یہ آدھا جلا خط کہاں سے ملا۔؟

عروسہ نے اسکو بتایا کہ کسطرح عارفہ کے جانے کے بعد آتشدان میں سے یہ خط اسکو ملا۔ سروش نے اس کیطرف جھک کر پوچھا۔

معلوم ہوتا ہے مجھ سے ناراضگی کا راز یہی خط تھا۔

یہ سنکر وہ خاموش ہوگئی۔ اور سروش نے پھر پوچھا۔ اس سے پہلے تم نے یہ خط مجھے کیوں نہیں دکھایا؟

عروسہ نے تھوڑا منہ بنا کر جواب دیا۔

مجھے کیا ضرورت تھی آپکو دکھاتی اور تردید کراتی۔

سروش نے مسکراکر پوچھا۔

تو پھر مجھ سے ناراض ہونے کی بھی کیا ضرورت تھی۔؟

اچھا چلیئے اب دیر ہوگئی ہے۔

سروش نے کہا۔ واہ ابھی سے کیسے چلیں ابھی تو صرف ———

عروسہ نے بات کاٹ کر کہا۔ ابا جان آگئے ہوں گے وہ کیا خیال کرینگے پانچ ختم ہوئے گھنٹوں گذر گئے۔

سروش نے جواب دیا نہیں تم ڈرو نہیں۔ میں خفیہ طور سے تمہیں یہاں نہیں لایا ہوں بلکہ چچا جان کی پوری اجازت سے مگر اب یہ تو بتاؤ کہ اب تم ناراض تو نہیں ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔؟ یعنی ہماری صلح قائم ہے۔؟

عروسہ کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے اپنا چہرہ کھڑکی کیطرف پھیر لیا

ہوا بڑی سرد چل رہی تھی۔ بوندیں بھی ہلکی ہلکی پڑ رہی تھیں گلاب کے پھول جھوم رہے تھے۔

سروش نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

میری بات کا جواب دینے میں تمہیں کیوں اعتراض ہے اس دن پہاڑ سے واپسی پر تم نے مجھے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ تم مجھے ٹیلیفون کر دو گی

عروسہ دلداری سے بولی۔

ٹیلیفون کا ذکر نہ کیجئے اس نے مجھے بہت بدنام کیا ہے

سروش نے سنجیدگی سے پوچھا۔

تم مجھ سے چھپا کیوں رہی ہو۔ اب تو کچھ ناراضگی تھی وہ بھی ختم ہو چکی ہے۔ اب کیا رکاوٹ ہے۔۔۔۔؟ بولو نا۔۔۔۔؟

عروسہ کے اوپر حجاب کا دورہ سا پڑ رہا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ برابر بات ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اب گھر چلئے ورنہ ابا جان ناراض ہوں گے۔ اور مجھے واقعی ایسا سمجھنے لگیں گے جیسا کہ لوگوں نے مشہور کیا ہے۔

سروش نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

نہیں وہ اب ایسا نہیں سمجھیں گے میں چچا جان سے اجازت لے کر تمہیں یہاں لایا ہوں۔

عروسہ بولی۔ آپ کا تو کچھ نہ بگڑے گا ساری تہمت مجھ پر آ جائے گی

سروش نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک بہت ہی خوبصورت سرخ یاقوت کی انگوٹھی جس کے چاروں طرف باریک باریک ہیرے کا کنارہ بنا ہوا تھا۔ اور اپنی ہتھیلی پر رکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے کرتے

ہوئے مسکرا کر بولا۔

دیکھو انگوٹھی کیسی ہے؟۔

عروسہ نے سرسری طور پر جواب دیا۔ بہت اچھی ہے۔

تم پہن کر دیکھو۔ ٹھیک بھی آتی ہے کہ نہیں۔

یہ سنکر عروسہ چونکی اور بولی۔

میں کیوں پہنکر دیکھوں۔ کوئی وجہ بھی تو ہو۔

سروش نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

اگر وجہ چاہیے تو یہ سمجھ لو کہ یہ انگوٹھی ہماری ملاقات قائم رہنے والے تعلق کی یادگار ہے۔

عروسہ نے بڑی دلیری سے اپنی تہذیب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

اسکی قیمت بھی تو معلوم ہونی چاہیئے۔

سروش ایک قہقہہ سا لگا کر بولا۔

عروسہ اسکی قیمت تو بہت ہے۔ تم معلوم کر کے کیا کرو گی۔

تو پھر تم اسے کیسے ادا کرونگی؟

مسکرا کر بولا۔

تم اسکو میری طرف سے تحفہ سمجھ لو۔

عروسہ نے اپنی پشت اسکی طرف موڑتے ہوئے جواب دیا۔

میں یونہی کسی کا تحفہ نہیں لیتی۔ اپنی انگوٹھی رکھیئے کسی اور کو یہ تحفہ دیجئے گا۔

یہ سنکر سروش بہت مایوس ہوا۔ اور اسکے سارے ولولے اور امنگیں ایک لمحے میں مرجھا گئے۔ اس نے سر جھکا کر جیسے شکایت کی۔

تم میری انگوٹھی پہننے سے انکار کرتی ہو؟ میں تو سمجھ رہا تھا کہ تم ابتک وہی ہو جو پہاڑ سے واپسی پر تھیں عروسہ مجھے معاف کرنا مجھے بڑی غلط فہمی ہوئی مجھے معلوم نہیں تھا کہ تمہارے خیالات حقیقت میں تبدیل ہو گئے ہیں میں بلاوجہ ہی کئی روز سے خود کو خوش ترین شخص سمجھ رہا تھا۔

یہ کہکر اس نے جلتا ہوا سگریٹ دور پھینکدیا اور دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے اپنا سر سیٹ سے ٹکا دیا۔ اس کا چہرہ بہت افسردہ نظر آ رہا تھا یکایک وہ پھر بولا۔

اچھا چلئے میں آپکو آپکے گھر پہنچا دوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اتنی دیر آپکو میری وجہ سے تکلیف ہوئی۔

یہ سنکر عروسہ جلدی سے اسکی طرف مڑ گئی۔ وہ خود پریشان سی ہو گئی اس نے جلدی سے پوچھا۔

کیا بات ہے مجھ سے آپ ناراض ہو گئے۔؟

خوش بخت نے سامنے کچھ نہ دیکھتے ہوئے گہرا سانس لیکر جوابدیا۔

نہیں میں تم سے کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ اور تمہاری خوشی پر ہر قربانی کیلئے بخوشی تیار رہوں۔ تم فکر نہ کرو۔

عروسہ نے کچھ عجیب طرح سے کہا۔

جب ہی تو آپ ایسی باتیں کرنے لگے کہ مجھے پریشانی ہو میں نے آپکا کیا بگاڑا ہے جو آپ مجھے دکھ پہنچاتے ہیں؟

سروش نے جوابدیا۔

نہیں نہیں۔ میں کسی کو دکھ نہیں پہنچاتا۔ تم میری تمام اگلی پچھلی غلطیاں معاف کرو میں تمہیں کبھی پریشان نہیں کرونگا ممکن ہے یہ آخری

ملاقات ہو۔ مگر اب یہ زندگی مشکل ہی سے کٹے گی۔
وہ یہ سنکر کچھ جواب نہ دے سکی۔ اسکا گلا بھر آیا وہ بے اختیار ہاتھوں سے منہ ڈھانک کر رونے لگی۔
سروش نے اس کیطرف دیکھتے ہوئے کہا۔
عروسہ خدا کیلئے تم مت روؤ۔ میرے دل کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔
کچھ دیر بعد عروسہ نے سسکتے ہوئے جواب دیا
آپ کو تکلیف کیوں ہوتی ہے میں تو ہمیشہ سے روتی چلی آئی ہوں۔ مجھے ہنسنے کی امید کب تھی۔
سروش نے جواب دیا۔
معاف کرنا عروسہ جب انسان مایوس اور شکستہ دل ہو جاتا ہے تو اسکے منہ سے ایسے ہی کلمات نکلتے ہیں۔
عروسہ نے اپنی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔
میں نے تو اسوقت کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی جو...... جو آپ ناراض ہو گئے۔
سروش نے مسکرا کر جواب دیا۔
میری ساری امیدیں اسی انگوٹھی سے وابستہ تھیں جب تم نے انکو پہننے سے انکار کر دیا میں کیوں مایوس نہ ہوں؟ میں مانتا ہوں کہ پہلے تمہیں میری طرف سے ایک بھاری غلط فہمی تھی۔ مگر میں نے عارفہ کا قصہ تمہیں سنا کر یہ بات تم پر واضح کر دی۔ اب بتاؤ ہمارے درمیان کونسی خلیج حائل ہو گئی۔

عروسہ نے دھیمی آواز میں رکتے ہوئے کہا۔
آپ نہیں سمجھتے .... آپ نے مجھے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی آپ کو
نہیں معلوم مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ابا جان ناراض نہ ہوں میں انکی خوشی
کیخلاف کچھ نہیں کرسکتی۔
مہروش اسکی طرف بڑھ کر بولا۔
نہیں تم بالکل مطمئن رہو۔ یہ تجویز ابا جان کی ہی ہے انہیں کی اجازت
سے میں نے یہ جرأت کی ہے انہیں صرف تمہاری خوشی کا خیال
ہے تمہارے خیالات اور رائے معلوم کرنے کا کام انہوں نے میرے
ہی سپرد کیا ہے۔ کیا اب بھی تمہیں کوئی اعتراض ہے۔؟
عروسہ نے نیچے دیکھتے ہوئے کہا۔
یہ سب باتیں آپ نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائیں؟
مہروش ہنس کر بولا۔
اتنی دیر سے تو کہہ رہا ہوں مگر تم سمجھتی ہی کب ہو۔ لاؤ اپنا
ہاتھ دو۔ میں تمہیں اب خوب سمجھ گیا ہوں۔ مجھے بھی پریشان کرتی ہو
اور خود بھی روتی ہو۔
عروسہ نے شکایت کی۔
آپ خود ہی تو ایسی باتیں کرتے ہیں کہ رونا آجاتا ہے۔
یہ سنکر مہروش کا چہرہ یکایک چمک اٹھا۔ جذبات کی موجیں
اسکی آنکھوں میں لہرانے لگیں۔
وہ مسکرا کر بولا۔
اچھا اب ہنس دو۔

عروسہ کے رخساروں پر حیا کی سرخی دوڑ گئی اور وہ ہلکے سے مسکرا دی پھر سروش نے عروسہ کی انگلی میں انگوٹھی پہنا دی۔ ایک لمحے کیلئے اسکا ہاتھ دبایا اور اپنے تمام کے تمام دلی خلوص اور جذبات اپنی آواز میں جمع کر کے بولا۔

عروسہ دعا کرو یہ ہماری باہمی صلح مبارک ہو اور ہم ملکر ہمیشہ کامیاب زندگی گذاریں۔

عروسہ نے اپنا رنگین چہرہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اس کی آنکھیں آدھی کھلی آدھی بند تھیں۔ جیسے وہ کوئی سنہرہ خواب دیکھ رہی ہو اس کے ریشمی بال ہواؤں میں اڑ رہے تھے اور وہ عالم بیخودی میں سروش کو دیکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر دونوں اسی طرح ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر سروش نے چونکتے ہوئے کہا۔

چلو اب تمہیں گھر پہنچا دوں۔

یہ کہکر وہ دروازہ کھولکر کار سے اترا پھر عروسہ کو بھی نیچے اتارا اور بولا۔

ذرا ایک نظر باغ پر بھی ڈال لیں پھر چلیں گے۔

اس نے چند گلاب کے پھول توڑ کر عروسہ کے ہاتھ پکڑا دیے اور اسکو ساتھ لیکر آگے بڑھنے لگا۔ اچانک عروسہ کو وہ جگہ نظر آئی جہاں اس نے اپنی ماں کی دوا کے لئے سبز بوٹی توڑی تھی۔

اس کے قدم خود بخود رک گئے۔ وہ آگے نہ بڑھ سکی سامنے

اسی بوٹی کے پتے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک سال پیشتر کا واقعہ پھرنے لگا۔ جب اس کی والدہ انجم جہاں بیمار تھیں اور حکیم جی نے اس سے بوٹی کے سبز پتے لانے کو کہا تھا اور وہ دیوار پھاند کر اسی باغ میں داخل ہوئی تھی۔ اور پہلی بار سروش سے ملی تھی۔ اور پھر اسی شام انجم جہاں اس سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گئیں۔ جب اس کی آنکھوں میں اس بوٹی کے سبز پتے پھرنے لگے جو انجم جہاں کی موت کے بعد مرجھائے ہوئے بے جان سے ایک کونے میں پڑے تھے۔ جن کی پھر ضرورت نہ رہی تھی۔ سوچ سوچ کر اسکا سر چکرا رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔

سروش نے پیچھے گھوم کر اسے دیکھا۔

کیا بات ہے عروسہ؟

عروسہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

نہیں میں آگے نہیں بڑھونگی۔ وہاں امی جان کی دوا سبز پتوں والی بوٹی پھیلی پڑی ہے۔

یہ سنکر سروش خاموشی سے اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور عروسہ کو بھی اپنے برابر بٹھا لیا۔

عروسہ کی آنکھوں سے دو موٹے موٹے آنسو نکل کر اس کے رخساروں پر سے ڈھلک کر اس کی طاؤسی ساڑی میں جذب ہو گئے۔ مگر سروش کچھ بھی نہ بول سکا۔

جب سروش کی کار جہاندار منزل پہنچی تو اندھیرا ہو چکا تھا

توفیق احمد ڈرائنگ روم میں تھے۔ کار کی آواز سنکر وہ باہر نکل آئے۔ سردش کار سے اتر کر ان کے قریب پہنچا جبکہ عروسہ ان کی نظر بچاکر جلدی سے اپنے کمرے میں بھاگ جانا چاہتی تھی مگر توفیق احمد نے اسکو آواز دی۔

عروسہ ادھر آؤ۔

اور وہ انکار نہ کر سکی۔ اس کو باپ کے سامنے جانا ہی پڑا۔ توفیق احمد۔ سردش اور عروسہ کو ساتھ لے کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے بلب کی تیز روشنی سے عروسہ کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے جلدی سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ مگر اس کی انگوٹھی کا سرخ یاقوت اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ اس کی انگلی میں دمک رہا تھا۔ توفیق احمد کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں انہوں نے دونوں کو اپنے سامنے صوفے پر بٹھایا انکے دونوں ہاتھ تھپتھپائے۔ انہوں نے ٹہلتے ہوئے کہا۔

اسوقت میں بہت خوش ہوں۔ میں تم دونوں کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

یہ کہکر وہ سردش سے مخاطب ہوئے۔

مجھے بیحد مسرت ہے کہ عروسہ تم نے تمہارے ساتھ زندگی نبھانے کا وعدہ کیا ہے اس نے بڑی عقلمندی اور دانشمندی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ مجھے اس سے یہی امید تھی۔ یہ بہت فرمانبردار ہے۔ میری خوشی کا اس کو بہت خیال ہے اس کی اتنک کی زندگی بڑی پر درد اور تاریک فضا میں گزری ہے اس

نے کبھی کوئی خوشی اور شادمانی نہیں دیکھی مجھے تم سے زیادہ کوئی اس کے لئے موزوں ساتھی نظر نہیں آیا۔ تم حقیقت میں "سروش" ہو۔ اسلئے مجھے امید ہے کہ تم اسکو خوش رکھنے کی کوشش کروگے میری دلی دعا ہے کہ تم دونوں کا مستقبل شاندار اور چمکدار ہو۔

پھر عروسہ کی بیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

بیٹی مجھے اس وقت دوگنی خوشی ہے اب میں اپنی بچیوں کی طرف سے مطمئن ہوں۔

یہ کہکر انہوں نے میز پر سے تار اٹھا کر دونوں کی طرف بڑھا دیا۔

تار پڑھکر عروسہ کے منہ سے نکلا۔

ارے عارفہ آپا کی شادی ہوگئی! سچ مچ نزہت کھبا لی کتنے اچھے ہیں۔

اور پھر وہ دوڑ کر بابا سے چمٹ گئی جو اس وقت بیحد خوش تھے انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ہاں میں تم دونوں کی شادی بھی کل ہی کر رہا ہوں تاکہ مجھے مکمل سکون میسر ہو سکے۔

اور سروش تارا رہا تھا لیکن لئے عروسہ کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ کلو ایک کونے میں کھڑا اپنی باچھیں کانوں تک پھیلائے مسکرا رہا تھا۔

اور حسینہ بیگم، نعیمہ بیگم سے کہہ رہی تھیں۔

آپا جان۔ ہمارا تو اب اس گھر میں آنا جانا ہی بیکار ہے لڑکی کسی وقت بھی گھر پر نہیں ٹھہرتی جب سنو کہیں گئی ہوئی ہے معلوم نہیں بھائی جان نے کیا سوچا ہے۔

نفیسہ بیگم تسبیح کے دانے پھراتے ہوئے بڑے اعتقاد سے آنکھیں بند کر کے بولیں۔

ٹھہر جاؤ۔ دیکھنا میرے وظیفہ کی برکت سے کیسا پانسہ پلٹتا ہے بڑا ہی پر اثر وظیفہ ہے جو میں پڑھ رہی ہوں۔

ختم شد